مختصر زاد المعاد

فی ھدی خیر العباد

للامام ابن قیم الجوزیہ

تالیف
شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب

ترجمہ
ڈاکٹر مقتدی حسن الازہری

ناشر
الدار السلفیة

سلسلۂ اشاعت الدار السلفیہ ۱۶

مُختصر

زادُالمعادِ

للامام ابن القیم الجوزیۃ

تالیف:
شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب

ترجمہ:
ڈاکٹر مقتدیٰ حسن الازہری

ناشر
الدار السلفیہ
حامد بلڈنگ، مومن پورہ، مولانا آزاد روڈ، بمبئی ۱۱

عرض ناشر

"زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" کے اس مختصر اڈیشن کے اردو ترجمہ کی اشاعت پر ادارہ الدار السلفیہ اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، کیوں کہ یہ کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی سچی تصویر ہے۔ اس کی تالیف، تلخیص، ترجمہ اور طباعت واشاعت سب انشاء اللہ اجر عظیم کا باعث ہے۔

کتاب کے مترجم ڈاکٹر مقتدیٰ حسن ازہری وکیل جامعہ سلفیہ بنارس نے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

امید ہے یہ کتاب دینی اور علمی حلقوں میں قدر و عزت کی نگاہ سے دیکھی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ احیاء تراث السلفیہ کی اس پاکیزہ خدمت کو قبول فرمائے۔ آمین

ناشر

مختار احمد ندوی سلفی

مدیر الدار السلفیہ، حامد بلڈنگ

مومن پورہ، بمبئی ۱۱

۱۵ رمضان المبارک ۱۳۹۰ھ

۱۲ اگست ۱۹۷۰ء

اسلم مختار منیجر الدار السلفیہ نے ماڈرن آرٹ اینڈ انڈسٹریز ۱۱۔اے ٹوزیڈ انڈسٹریل اسٹیٹ پریل، بمبئی ۱۲ میں چھپوا کر، الدار السلفیہ، حامد بلڈنگ، مومن پورہ، بمبئی ۱۱ سے شائع کیا

تعداد اشاعت بار اول ــــ ۵۰۰۰

قیمت ــــ ۱۵ روپے

شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب

کتاب کے مؤلف شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان الوہیبی التمیمی ۱۱۱۵ھ میں عینیہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ آپ کے والد وہاں کے قاضی تھے اور آپ کے دادا سلیمان کا نجد کے اکابر علماء میں شمار ہوتا تھا۔

آپ نے ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کئے، پھر حصول علم کی نیت سے احساء، حجاز اور بصرہ کا سفر کیا، اور نجد واپس آکر اپنی اصلاحی دعوت میں مشغول ہو گئے۔ جس میں آپ لوگوں کو کتاب وسنت پر مضبوطی سے جمع رہنے کی تاکید کرتے تھے، اور خاص طور پر ان بدعات کو چھوڑنے کی ترغیب دیتے تھے جنہیں بدعقیدہ لوگوں نے عوام میں دین کے نام سے پھیلا رکھا ہے، جو لوگوں کی دینی تباہی کا حقیقی سبب ہیں، اور امراء کو احکام شرع کے نفاذ وعمل کی دعوت دیتے تھے۔ آپ نے مختلف شہروں کے علماء اسلام سے خط وکتابت کی اور انھیں امراء کی خیر خواہی اور عوام کی دینی تعلیم اور ان کے عقائد کو بدعات سے پاک کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ بعض علماء اور امراء کے غضب کا شکار ہوئے اور ۱۱۱۵ھ میں عینیہ چھوڑ کر درعیہ جانے پر مجبور ہوئے۔ وہاں پہونچ کر درعیہ کے امیر محمد بن سعود کیساتھ دین کے دفاع اور کتاب وسنت پر عمل اور بدعات سے جنگ اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت پر معاہدہ کیا۔

آپ نے بہت سی مفید کتابیں تالیف کیں، جن میں چند خاص کے نام یہ ہیں: "التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید" "کشف الشبہات" "مختصر السیرۃ النبویہ" "الخطب المنبریہ" "عقیدۃ الفرقۃ الناجیہ" اور "روثق عری الایمان" "انواع التوحید" "مسائل الجاہلیۃ" وغیرہ۔

آپ کی دعوت کے آغاز پر تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ جزیرۃ العرب، یمن اور عمان کے اکثر ملکوں نے اپنی حکومت کے تحت شرعی نظام قائم کر دیا، اور آپ کی اصلاحی دعوت ہند وشام اور مغرب کی اصلاحی تحریکات سے مل کر عام مسلمانوں میں بیداری کا سبب بن گئی، اللہ تعالیٰ اس کے اثرات تمام عالم اسلامی میں عام کر دے اور لوگ کتاب وسنت پر عمل کیطرف رجوع ہو جائیں اور اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو جائے۔ آمین

آپ کی وفات ریاض کے قریب درعیہ میں ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔

اصل کتاب کے مؤلف

امام ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی

آپ کا پورا نام محمد بن ابو بکر بن ایوب بن سعد بن حزیز الزرعی الدمشقی ابو عبداللہ شمس الدین المعروف بابن القیم الجوزیہ ہے۔ جوزیہ ایک مدرسہ کا نام تھا جس کے آپ کے والد نگراں اور منتظم تھے اور ابن القیم نے اس میں بہت عرصہ تک امامت کی ہے۔

ابن القیم ۶۹۱ھ میں پیدا ہوئے اور ایک علم وفضل سے معمور گھرانے میں تربیت پائی۔ اور ابتدائی علوم اپنے والد سے حاصل کئے اور بقیہ علم اپنے زمانہ کے اکثر علماء سے سیکھا جن میں شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رح کا نام نامی خاص طور پر قابل ذکر ہے، آپ زندگی بھر ان کے دامن سے وابستہ رہ کر شرف تلمذ حاصل کرتے رہے۔

علماء نے اس بات کی شہادت دی ہے کہ یہ کتاب وسنت کے سمجھنے میں ممتاز اور ان سے مسائل کے استنباط میں باریک بین اور اصول دین، عربی علم وادب، علم سلوک میں آپ سب پر فائق تھے۔ آپ نے حدیث اس کے فنون اور رجال پر خاص طور پر توجہ فرمائی، اور

تاحیات تعلیم وتصنیف کے ذریعہ علم کی خدمت میں لگے رہے، یہاں تک کہ ۱۳ رجب ۷۵۱ھ جمعرات کی شب کو آپ اللہ کو پیارے ہو گئے اور دمشق کے مقبرہ باب الصغیرہ میں اپنے والد کے پہلو میں دفن کئے گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

قاضی برہان الدین الزرعی کا بیان ہے کہ آسمان کے نیچے آپ سے زیادہ وسیع العلم کوئی نہ تھا اپنے قلم سے جتنا کچھ آپ نے لکھ ڈالا اس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔

ابن حجر کا بیان ہے کہ آپ بڑے باہمت، وسیع العلم، مذاہب سلف اور ان کے اختلافات کو خوب اچھی طرح جانتے تھے۔ آپ کو علم اور اس کے لکھنے پڑھنے، کتابوں کے مطالعہ اور مختلف فنون علم کی بکثرت کتابیں لکھنے کا بڑا شوق تھا۔ آپ کی مشہور تصانیف میں سے "تہذیب سنن ابی داؤد" "اعلام الموقعین عن رب العالمین" اور "زاد المعاد فی ہدی خیر العباد" اور "مدارج السالکین" "الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ" اور "روضۃ المحبین" "عدۃ الصابرین وذخیرۃ الشاکرین" "بدائع الفوائد" "جلاء الافہام فی ذکر الصلاۃ والسلام علی خیر الانام" "الصواعق المنزلہ علی الجہمیۃ والمعطلۃ" "حادی الارواح الی بلاد الافراح" "الجواب الکافی لمن سأل عن الدواء الشافی" "تحفۃ المودود فی احکام المولود" "مفتاح دار السعادہ" "اجتماع جیوش الاسلامیہ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ" "الوابل الصیب فی الکلم الطیب" "شفاء العلیل فی مسائل القضاء والقدر والتعلیل" "الفوائد" اور "قصیدہ" "توضیح المقاصد فی تصحیح القواعد فی بیان عقیدۃ اہل السنۃ" یہ سب کتابیں چھپ چکی ہیں اور علوم و حقائق اور دقیق استنباط اور اہم ترین مسائل کے شافی و کافی حل سے بھرپور یہ کتابیں ہر مسلمان کے لئے شفاء و نور کا مرکز ہیں جسے دینی مسائل سے لگاؤ اور دلچسپی ہے۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ

واشھد ان محمد عبدہ ورسولہ، وبعد۔

اللہ تعالیٰ کی ذات خلق و اختیار کے لئے منفرد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ (القصص ۔ ٦٨)

تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور پسند کرتا ہے، ان کا اس میں کوئی اختیار نہیں، اللہ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے۔

اس آیت میں اختیار سے منتخب اور برگزیدہ بنانا مراد ہے۔ ما کان لھم الخیرۃ کا مفہوم یہ ہے کہ اس اختیار میں بندوں کا کوئی دخل نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے تنہا مخلوقات کو پیدا کیا ہے اسی طرح وہ مقامات اختیار کو بھی بخوبی جانتا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے:

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (سورۃ انعام ۔ ١٢٤)

اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنے رسول کو بھیجے

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ۚ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔

وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا؟ کیا وہ تمہارے رب کی رحمت کو تقسیم کرنا چاہتے ہیں؟ ہم نے دنیا میں ان کی روزی تقسیم کر دی ہے اور درجے بلند کر دیئے ہیں۔ (سورۃ زخرف ٣١ ۔ ٣٢)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اختیار و انتساب کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ کام اسی ذات (اللہ تعالیٰ) کا ہے، جس نے روزی تقسیم کی ہے اور بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے۔ سبحان اللہ و تعالیٰ عما یشرکون کے جملہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانوں کا شرک جس اختیار و تجویز کو چاہتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ اور چونکہ یہ مشرکین کسی دوسرے خالق کے قائل نہیں تھے اس لئے آیت میں اس کی تردید نہیں کی گئی۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پیدا کیا اسی طرح ان میں سے انبیاء کو منتخب کیا، اور اس انتخاب کی بنیاد حکمتِ الٰہی اور اس کے حکم پر ہے، دوسروں کی تجویز یا ان کے انتخاب کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا عام انتخاب اس کی ربوبیت، وحدانیت، صفات کے کمال، اور رسولوں کی سچائی کی کھلی دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں میں سے بھی کچھ کو منتخب و برگزیدہ بنایا ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

> "اللہ، اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے پروردگار، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے، حاضر و غائب کے جاننے والے، تیرے بندے جس چیز میں مختلف ہیں اس کا فیصلہ تو ہی کرے گا، جس حق کے بارے میں لوگ مختلف ہیں تو اس میں میری رہنمائی فرما، تو جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔"

اسی طرح انسانوں میں انبیاء کو، انبیاء میں رسولوں کو اور رسولوں میں صاحبانِ عزم و ہمت کو منتخب کیا ہے، ان کا ذکر سورہ احزاب آیت ۷ اور سورۂ شوریٰ آیت ۱۳ میں موجود ہے پھر اُن میں سے بطور "خلیل" اللہ تعالیٰ نے ابراہیم اور محمد علیہما الصلوٰۃ والسلام کو منتخب فرمایا۔ بنی نوع انسان میں اولادِ اسمٰعیل کو اور ان میں کنانہ کو، کنانہ میں قریش کو اور قریش میں بنی ہاشم

کو، بنی ہاشم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اور تمام اقوام میں امت محمدؐ کو منتخب فرمایا ہے۔

مسند احمد میں معاویۃ بن حیدۃ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تم سترویں امت ہو، تم سب میں بہتر اور اللہ کی نظر میں باعزت ہو۔

مسند بزار میں ابو درداء سے مرفوعاً روایت ہے کہ اللہ سبحانہٗ نے عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں تمہارے بعد ایسی اُمت بھیجوں گا جو خوشی و صبر و شکر اور مصیبت میں صبر و احتساب سے کام لیں گے جب کہ علم و بردباری نہ ہوگی۔ حضرت عیسیٰ نے سوال کیا کہ ایسا کس طرح ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں انھیں اپنا علم اور بردباری عطا کر دوں گا۔

۱۔ فصل

اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے پاکیزہ چیز کو مخصوص کر لیا ہے

اس کا مقصود یہ ہے کہ ہر قسم کی پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور وہ پاکیزہ چیزوں کو پسند کرتا ہے، اس کی بارگاہ میں پاکیزہ قول و عمل اور صدقہ و خیرات ہی کو قبولیت سے نوازا جاتا ہے۔ اور اسی سے بندہ کی نیک بختی و بدبختی کا پتہ چلتا ہے، کیوں کہ پاکیزہ شخص کے لئے پاکیزہ چیز ہی مناسب ہوگی، اسی پہ وہ راضی ہوگا، اسی سے اس کو سکون اور دل کا اطمینان ملے گا۔

ایسا شخص صرف ان پاکیزہ باتوں کو اختیار کرے گا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہونچ سکتی ہیں، اور اسے فحش کلامی، جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان تراشی، فریب اور ہر گندی بات سے نفرت ہوگی۔ عمل کے میدان میں اسے صرف اُن پاکیزہ عمل سے لگاؤ ہوگا جن کے حسن پہ طبع سلیم، شریعت محمدی اور عقل صحیح کا اتفاق ہے، مثلاً وہ تنہا خدا کی عبادت کرے گا، اس کی رضامندی

ومحبت کوطلب کرے گا، اُس کی مخلوق کے ساتھ حتی الامکان احسان کرے گا اوران کیساتھ وہی سلوک کریگا جیسے خود اپنے لئے پسند کرے گا۔ اس کے اخلاق وعادات پاکیزہ ہوں گے اوروہ بردباری ووقار، صبر ورحم، وفاداری وسچائی، صفائی قلب، تواضع، خودداری وغیرہ صفات سے متصف ہوگا۔

اس کی خوراک بھی پاکیزہ ہوگی، یعنی ایسی حلال وخوشگوار غذا اختیار کرے گا جس سے جسم وروح کو فائدہ حاصل ہو اور کسی طرح کی گرفت کا اندیشہ نہ رہے۔ رشتہ ورفاقت کے لئے بھی صرف پاکیزہ اشخاص ہی کو اختیار کرے گا۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (النحل - ۳۲)	وہ لوگ جنہیں فرشتے وفات دیں گے اور کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو، اپنے نیک عمل کی وجہ سے تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔

ان ہی سے جنت کے پاسبان کہیں گے،

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِیْنَ ۝ (زمر - ۷۳)	تم پر سلامتی ہو خوش رہو اور جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔

اس آیت میں فادخلوھا میں حرف فاء سے یہ مفہوم پیدا ہوتا ہے کہ جنت میں دخول کا سبب ان کی پاکیزگی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ	خبیث عورتیں، خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں، اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے ہیں، یہ لوگ ان کے الزامات سے

کَرِیۡمٌ ۝ (النور ـــ ۲۶) بری ہیں ان کیلئے بخشش اور اچھی روزی ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ پاکیزہ عورتیں پاکیزہ اشخاص کے لئے اور گندی باتیں گندے اشخاص کے لئے ہیں۔

دوسری تفسیر یہ کی گئی ہے کہ پاکیزہ عورتیں، پاکیزہ مردوں کے لئے اور پلید عورتیں پلید مردوں کے لئے ہیں۔ لیکن آیت میں کوئی تخصیص نہیں، اس سے تمام چیزیں مراد ہوسکتی ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے تمام پاکیزہ چیزوں کے لئے جنت اور تمام پلید چیزوں کے لئے جہنم کو مخصوص کیا ہے اور دنیا میں پاکیزہ وغیر پاکیزہ تمام چیزوں کا اختلاط ہے، جب قیامت آئے گی تو دو قسم کی چیزوں کے مابین امتیاز ہوجائے گا اور صرف دو ہی ٹھکانے باقی رہیں گے۔

الغرض نیک بختی و بدبختی دونوں کا ایک عنوان ہے جس سے ان کو پہچانا جاتا ہے کبھی انسان میں دونوں طرح کے مادے ہوتے ہیں، اور اس پر جس قسم کے مادے کا غلبہ ہوتا ہے اسی قسم کے ٹھکانے کا وہ مستحق بنتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کا بھلا چاہتا ہے تو وفات سے پہلے اسے پاک کردیتا ہے اور جہنم کے ذریعہ اس کی پاکی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ جنت میں کوئی پلیدی کے ساتھ نہ داخل ہو، اس لئے پاکیزگی کے لئے وہ پلید لوگوں کو جہنم میں داخل کرے گا۔ اور وہ پلیدی کے زائل ہونے تک اسی میں رہیں گے۔

اور چونکہ مشرک ذاتی اعتبار سے پلید ہے اس لئے جہنم سے بھی اس کی صفائی نہ ہو سکے گی، جس طرح کتا سمندر سے نکل کر بھی نجس رہتا ہے۔ اور مومن چونکہ پلیدی سے بری ہوتا ہے اس لئے جہنم اس کے لئے حرام ہے کیوں کہ اسے صفائی کی کوئی حاجت نہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس کی حکمت سے عقل متحیر ہے۔

۲۔ فصل

سنت رسولؐ سے واقفیت ضروری ہے

یہیں سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ بندوں کے لئے سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین کو سمجھیں، اس لئے کہ آپ ہی کے ذریعہ کامیابی حاصل ہوسکتی ہے اور پاکیزہ وغیر پاکیزہ چیزوں کی تفصیل آپ ہی سے معلوم ہوسکتی ہے۔ اس لئے بندے کو رسول کی ضرورت اس کی دیگر ضرورتوں سے بڑی ہے۔

نبیؐ کی سیرت اگر ایک لمحہ کے لئے بھی ہماری زندگی سے اوجھل ہوگی تو اس سے دل کا فساد شروع ہو جائے گا، لیکن اس کا احساس صرف زندہ دل والوں کو ہوگا، مردہ پر تو زخم کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ نیک بختی کا دارومدار نبیؐ کی سیرت پر ہے، اس لئے نجات کے خواہشمند لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپؐ کی سیرت وطریقہ سے واقف ہوں تاکہ جاہلوں کے دائرہ سے نکل سکیں۔

لوگوں میں بعض کو اس کا زیادہ علم ہوتا ہے اور بعض کو کم اور بعض بالکل محروم ہوتے ہیں۔ فضل کا مالک اللہ ہے، جسے چاہتا ہے دیتا ہے، وہ بڑے فضل والا ہے۔

۳۔ فصل

وضو میں نبیؐ کا طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات ہر نماز کیلئے وضو کرتے تھے اور کبھی کبھی کئی نمازیں ایک ہی

وضو سے ادا فرماتے تھے۔

آپؐ کبھی ایک مدّ[1] پانی سے، کبھی دو تہائی مد سے اور کبھی اس سے زیادہ سے وضو کرتے تھے۔ آپؐ وضو کا پانی سب سے کم خرچ کرتے تھے اور امت کو بھی اس سلسلہ میں اسراف سے بچنے کی تاکید فرماتے تھے۔ آپؐ نے وضو میں اعضاء کو ایک ایک مرتبہ، دو دو مرتبہ اور تین تین مرتبہ دھویا ہے۔ بعض اعضاء کو دو مرتبہ اور بعض کو تین مرتبہ بھی دھونا آپؐ سے ثابت ہے۔ کلی کرنے اور ناک میں پانی چڑھانے کیلئے کبھی آپؐ ایک چلو پانی لیتے، کبھی دو اور کبھی تین۔ آپؐ کلی اور ناک میں پانی دونوں ایک ساتھ چڑھاتے تھے۔ دائیں ہاتھ سے ناک میں پانی چڑھاتے اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑتے تھے۔ آپؐ پورے سر کا مسح کرتے تھے اور کبھی دونوں ہاتھ آگے لے آتے اور پھر لیجاتے۔ لیکن سر کے صرف بعض حصہ کا مسح آپؐ سے ثابت نہیں، البتہ جب آپؐ پیشانی کا مسح کرتے تو عمامہ سے اس کی تکمیل کرتے تھے، ہر وضو میں آپؐ سے کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا ثابت ہے۔ ان دونوں چیزوں کو آنپؐ نے کبھی ترک نہیں فرمایا۔ امام ابن قیمؒ نے اپنی کتابوں میں بہت سے مقامات پر کلی کرنے اور ناک میں پانی، چڑھانے کے وجوب کی وضاحت کی ہے۔ اسی طرح وضو مرتب اور متصل ہوتا ہے، کبھی اس میں فرق مذکور نہیں۔ جب پیروں میں جراب یا موزہ نہ ہوتا تو آپؐ انھیں دھوتے تھے۔ سر کے مسح کیساتھ آپؐ دونوں کانوں کے اندرونی اور بیرونی حصوں کا بھی مسح کرتے تھے۔

وضو کے اذکار کی جو حدیثیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہیں سب کی سب جھوٹ ہیں۔ اس سلسلہ میں صرف یہ ثابت ہے کہ آپؐ وضو کے شروع میں بسم اللہ کہتے تھے، اور آخر میں یہ دعا پڑھتے تھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِیْ

---

[1] مد ایسا پیمانہ ہوتا ہے جس میں دونوں ہتھیلی بھر کر غلہ آجائے۔

مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

سنن نسائی کی ایک حدیث میں یہ دعا ہے۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کوئی صحابی وضو کے شروع میں "نَوَيْتُ"، (میں نے نیت کیا) نہیں کہتے تھے، نہ تین مرتبہ سے زیادہ کوئی عضو دھلا۔ آپؐ سے کہنی اور ٹخنے سے اوپر دھونا بھی ثابت نہیں۔ اعضاء کو سکھانے کی بھی آپؐ کو عادت نہ تھی۔

آپؐ کبھی کبھی داڑھی کا خلال کرتے تھے لیکن اس پر ہمیشگی ثابت نہیں، اسی طرح کبھی کبھی انگلیوں کا خلال بھی ثابت ہے۔ وضوء کے وقت انگوٹھی کو حرکت دینے کے بارے میں ایک ضعیف حدیث آئی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سفر اور حضر میں موزوں پر مسح ثابت ہے، اس کی مدت آپؐ نے مقیم کے لئے ایک رات و دن اور مسافر کے لئے تین رات و دن مقرر فرمائی ہے۔ آپؐ جراب پر بھی مسح کرتے تھے۔ آپؐ نے صرف عمامہ کا مسح پیشانی کے ساتھ کیا ہے لیکن ممکن ہے یہ ضرورت کے ساتھ خاص ہو، اور یہ بھی احتمال ہے کہ عام ہو، آخری صورت زیادہ ظاہر ہے۔

پیروں کے متعلق آپؐ کوئی تکلف نہ کرتے تھے اگر موزے میں ہوتے تو ان پر مسح کر لیتے اور اگر کھلے ہوتے تو دھو لیتے۔

تیمم میں ایک ہی ضرب میں منہ اور دونوں ہتھیلیوں کا تیمم کرتے تھے۔ جس زمین پر نماز پڑھتے تھے اسی سے تیمم کر لیتے تھے، خواہ وہاں مٹی ہو یا ریت یا دلدل۔ آپؐ کی یہ حدیث ثابت ہے:

"میری امت کے کسی فرد کو جہاں کہیں نماز کا وقت ملے، اسی جگہ اس کی

مسجد اور اس کا وضو یا تیمم ہے"۔

غزوۂ تبوک میں آپؐ صحابہ کے ساتھ ریتیلے صحرا میں سفر کر رہے تھے، آپؐ کیساتھ پانی بہت تھوڑا تھا، یہ بھی مذکور نہیں کہ آپؐ اپنے ساتھ مٹی اُٹھا کر لائے تھے یا اس کا حکم دیا تھا، کسی صحابی سے بھی یہ ثابت نہیں۔ اور اس پر غور کرنے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یقیناً آپؐ نے ریت ہی سے تیمم کیا تھا۔

آپؐ سے یہ بھی ثابت نہیں کہ ہر نماز کے لئے آپؐ نے تیمم کیا یا اس کا حکم دیا، بلکہ تیمم کو آپؐ نے مطلق رکھا اور اسے وضو کے قائم مقام قرار دیا[1]۔

۴۔ فصل

نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہتے تھے، آپؐ نے نیت زبان سے نہیں کی، تابعین یا ائمہ اربعہ میں سے بھی کسی نے اسے مستحب نہیں مانا۔

تکبیر تحریمہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ اکبر کہتے تھے، اور دونوں ہاتھوں کی انگلیاں پھیلا کر ان کو قبلہ کی طرف کر کے کان کی لو یا مونڈھے تک اٹھاتے تھے، پھر دائیں ہاتھ کو بائیں پر کلائی اور بازو کے اوپر رکھ لیتے تھے۔ دونوں ہاتھوں کے رکھنے کی جگہ کے بارے

---

[1] ابن عباس کی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ "سنت یہ ہے کہ آدمی تیمم سے صرف ایک ہی نماز پڑھے"۔ وہ قابل استدلال نہیں، اس کے راوی حسن بن عمارہ کو علماء نے ضعیف قرار دیا ہے، ابن حجر نے اس حدیث کو بلوغ المرام میں "بہت زیادہ ضعیف" کہا ہے۔

میں کوئی صحیح حدیث نہیں لیکن ابو داؤد نے حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ "سنت یہ ہے کہ نماز میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر ناف کے نیچے رکھا جائے[1]"

تکبیر تحریمہ کے بعد سورۂ فاتحہ سے قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللّٰھم اغسلنی من خطایای بالماء والثلج والبرد، اللّٰھم نقنی من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الابیض من الدنس۔

کبھی آپ یہ دعا پڑھتے تھے وجّھتُ وجھی للذی فطر السمٰوٰت والارض حنیفاً مسلماً وما انا من المشرکین، انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللّٰھم انت الملک لا الٰہ الا انت، انت ربّی وانا عبدک، ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعًا، انہ لا یغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق لا یھدی لاحسنھا الا انت، واصرف عنی سیّئھا لا یصرف عنی سیّئھا الا انت، لبیک وسعدیک، والخیر فی یدیک والشر لیس الیک، أنا بک والیک تبارکت ربنا وتعالیت، استغفرک وأتوب الیک۔

لیکن ثابت یہ ہے کہ یہ رات کے قیام کی دعاء ہے۔

کبھی آپؐ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللّٰھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل۔الخ

کبھی آپؐ یہ دعا پڑھتے تھے۔ اللّٰھم لک الحمد، انت نور السموت والارض ولک الحمد، انت قیام السمٰوٰت والارض ومن فیھن انت الحق، ووعدک

---

[1] یہ قوسین کی عبارت زاد المعاد کی نہیں، اور حضرت علیؓ کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سینے پر ہاتھ باندھنا ثابت ہے، ملاحظہ ہو "صفۃ صلاۃ النبیؐ"، ص۶۹)

الحق وقولك الحق، ولقاؤك الحق، والجنة حق، والنار حق، والساعة حق،
اللهم لك اسلمت وبك اٰمنت وعليك توکّلت والیك انبت وبك خاصمت
والیك حاكمت فاغفرلی ما قدّمت واخرت واسررت واعلنت، انت الٰهی
لاالٰه الاانت۔

پھر امام ابن قیمؒ نے دو اور دعاؤں کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ تمام دعائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔

دعاء استفتاح میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ اس دعاء کو اصحاب سنن نے ذکر کیا ہے۔ لیکن پہلے والی دعائیں زیادہ ثابت ہیں، البتہ حضرت عمر سے مروی ہے کہ وہ نبیؐ کی موجودگی میں بلند آواز سے یہ دعاء پڑھتے تھے اور لوگوں کو اسے سکھاتے تھے۔

امام احمدؒ کہتے ہیں کہ میرا مذہب حضرت عمرؓ کی روایت کے مطابق ہے لیکن اگر کوئی شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی بعض دعاؤں کو پڑھے تو یہ بھی بہتر ہوگا۔

دعاء استفتاح کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم "اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم" کہتے تھے، پھر سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" آپ کبھی کبھی بلند آواز سے پڑھتے تھے، لیکن اکثر آہستہ پڑھتے تھے۔

آپ کی قرأت ٹھہراؤ کے ساتھ ہوتی تھی، ہر آیت پر آپ ٹھہرتے تھے اور آواز کو دراز کرتے تھے، جب سورۃ فاتحہ سے فارغ ہوتے تھے تو آمین کہتے تھے، جہری قرأت میں اونچی آواز سے آمین کہتے تھے، اور آپ کے پیچھے صحابہ بھی آمین کہتے تھے۔

جہری نماز میں آپ دو جگہ خاموشی اختیار فرماتے تھے، ایک تو تکبیر اور قرأت کے درمیان، اور دوسری جگہ کے بارے میں اختلاف ہے، ایک روایت ہے کہ سورۃ فاتحہ

کے بعد، اور ایک روایت ہے کہ رکوع سے پہلے۔

ایک قول یہ ہے کہ تکبیر و قرأت کے مابین کی خاموشی کے علاوہ آپ دو جگہ خاموش رہتے تھے، لیکن بظاہر خاموشی کے مقامات صرف دو تھے، تیسرا مقام بہت معمولی اور دم لینے کے لئے ہوتا تھا، اور بعض راویوں نے مختصر ہونے کی وجہ سے اس کا تذکرہ نہیں کیا۔

جب آپؐ سورۂ فاتحہ پڑھ لیتے تو پھر دوسری سورہ پڑھتے جو کبھی تو طویل ہوتی اور کبھی سفر وغیرہ کی وجہ سے مختصر لیکن عام طور پر متوسط ہوتی تھی۔

۵۔ فصل

نماز فجر میں قرأت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ساٹھ سے سو آیتیں پڑھتے تھے، اس میں آپؐ نے سورۂ قاف، سورہ روم، اذا الشمس کورت، اذا زلزلت الارض اور معوذتین پڑھا ہے۔ ایک سفر میں فجر کی نماز میں آپؐ نے سورۂ مومنون شروع کی، پہلی رکعت میں جب آپؐ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے ذکر پر پہونچے تو آپؐ کو کھانسی آگئی اور آپؐ رکوع میں چلے گئے۔

جمعہ کے دن فجر کی نماز میں آپؐ الم سجدہ اور سورۂ دہر پڑھتے تھے، کیوں کہ ان دونوں سورتوں میں ابتدا، آفرینش، یوم آخرت، تخلیق آدم، جنت و جہنم میں داخلہ اور جمعہ کے دن واقع شدہ اور واقع ہونے والے امور کا ذکر ہے۔ اسی طرح آپؐ بڑے اجتماعات مثلاً عید و جمعہ میں سورۂ قاف، سورۂ قمر، سورۂ اعلیٰ اور سورۂ غاشیہ پڑھتے تھے۔

۶۔ فصل

باقی نمازوں میں آپکی قرأت کا بیان

ظہر کی نماز میں کبھی کبھی آپؐ کی قرآت طویل بھی ہوتی تھی۔ مسلم کی ایک روایت میں ابوسعید کہتے ہیں کہ ظہر کی نماز شروع ہونے پر اگر کوئی شخص بقیع تک جائے اور ضرورت پوری کر کے واپس آئے پھر وضو کر کے نماز میں شریک ہو تو اسے پہلی رکعت مل جاتی تھی۔ کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے طویل کرتے تھے۔ اس نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی الم تنزیل السجدہ، کبھی سبح اسم ربک الاعلیٰ، واللیل اذا یغشیٰ اور والسماء ذات البروج پڑھتے تھے۔

عصر کی نماز میں آپؐ کی قرآت ظہر کی طویل قرأت کی نصف اور مختصر قرآت کے برابر ہوتی تھی۔

مغرب کی نماز میں آپؐ کا طریقہ لوگوں کے آج کے معمول سے مختلف تھا، چنانچہ آپؐ اس میں سورۂ اعراف دونوں رکعت میں اور کبھی سورہ طور اور کبھی سورۂ مرسلات پڑھتے تھے۔

رہا مغرب میں قصار مفصل والی سورتیں ہمیشہ پڑھنا تو یہ مروانؓ کا فعل ہے، اسی وجہ سے زید بن ثابت نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ ابن عبدالبرؒ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپؐ نے مغرب میں سورہ صافات، سورۂ دخان، سورہ مرسلات سورۂ اعلیٰ، سورتین اور معوذتین پڑھا ہے، اسی طرح آپؐ اس میں قصار مفصل بھی پڑھتے تھے۔ اور یہ تمام روایات صحیح و مشہور ہیں۔

عشاء کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ والتین پڑھتے تھے، اور حضرت معاذ کے لئے آپ نے والشمس وضحاہا، سبح اسم ربک الاعلیٰ اور واللیل اذا یغشیٰ کی تحدید فرمائی تھی اور سورہ بقرہ پڑھنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "معاذ کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتے ہو"۔ اس فرمان کو چوبخ مار کر نماز پڑھنے والوں نے اپنی دلیل بنالیا اور آگے پیچھے کی عبارت کو نظر انداز کر دیا۔

جمعہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ جمعہ ومنافقون اور سورہ اعلی وغاشیہ پڑھتے تھے۔

عید میں کبھی آپ پوری سورہ قاف وسورہ اقتربت پڑھتے تھے اور کبھی اعلی وسورہ غاشیہ۔ وفات تک آپ کا یہی طریقہ تھا۔

اسی وجہ سے خلفاء نے اس کو اختیار کیا، چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے سورہ بقرہ پڑھی تو سورج طلوع ہونے کے قریب سلام پھیرا۔[1]

ان کے بعد حضرت عمرانؓ میں سورہ یوسف، سورہ نحل، سورہ ہود اور سورہ بنی اسرائیل وغیرہ پڑھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ "تم میں سے جو بھی امامت کرے ہلکی نماز پڑھائے" اس کے متعلق یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ تخفیف ایک نسبتی وصف ہے، اس لئے اس کو متعین کرنے کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی جانب رجوع کیا جائے گا، مقتدیوں کی خواہش کا لحاظ نہیں کیا جائے گا۔ آپ کا ایسا طریقہ جو دائمی ہو اسی سے تمام تنازعات کا تصفیہ کیا جائیگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ وعیدین کے علاوہ کسی سورہ کا ایسا تعین نہیں کرتے تھے کہ اس کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھیں۔

---

[1] لوگوں نے ان سے کہا کہ اے خلیفۂ رسولؐ قریب تھا کہ سورج طلوع ہو جائے، انھوں نے جواب دیا کہ اگر طلوع ہو جاتا تو ہمیں غافل نہ پاتا۔

آپؐ کا یہ طریقہ بھی تھا کہ پوری سورہ پڑھتے تھے، اور کبھی ایک ہی سورہ دو رکعتوں میں ملا کر پڑھتے تھے۔ لیکن ایک ہی سورہ دو رکعتوں میں آپؐ بہت کم پڑھتے تھے۔

البتہ سورہ کے آخری یا درمیانی حصہ کا پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ نفل نمازیں آپؐ ایک رکعت میں دو سورتیں بھی پڑھتے تھے۔

ہر نماز میں آپؐ کی پہلی رکعت دوسری رکعت سے زیادہ طویل ہوتی تھی، بسا اوقات آپؐ اسے قدموں کی آواز نہ آنے تک طول دیتے تھے۔

۷۔ فصل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآت سے فارغ ہوتے تو رفع یدین کرتے اور تکبیر کہتے ہوئے رکوع میں چلے جاتے، رکوع میں دونوں ہتھیلیوں کو گھٹنوں پر رکھ کر ان کو پکڑے رہتے، دونوں ہاتھوں کو پہلو سے دور سیدھا رکھتے، پشت کو برابر دراز کرتے اور سیدھے ہو جاتے، سر نہ تو اٹھا رہتا نہ جھکا بلکہ پشت کے سامنے ہوتا۔

رکوع میں آپ سبحان ربی العظیم پڑھتے تھے، اور کبھی اس کے ساتھ یا تنہا یہ دعا پڑھتے تھے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ۔

عام طور پر آپؐ کا رکوع اور سجدہ دس تسبیحات کے برابر ہوتا تھا، اور کبھی رکوع وسجدہ قیام کے برابر ہوتا تھا، لیکن آپؐ ایسا کبھی کبھی صرف رات کی نمازیں کرتے تھے۔

آپؐ کی نمازیں اکثر تعدیل و مناسبت ہوتی تھی۔ آپؐ رکوع میں یہ دعا بھی پڑھتے تھے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ اور کبھی یہ دعا پڑھتے اَللّٰهُمَّ لَكَ

رکعت وبک اٰمنت ولک اسلمت ، خشع لک سمعی وبصری ومخی وعظمی وعصبی،، یہ دعا قیام لیل کے بارے میں ثابت ہے۔ پھر سر اٹھاتے ہوئے آپؐ سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے اور ہاتھ اُٹھاتے تھے۔ آپ ہمیشہ رکوع سے اُٹھنے کے بعد اور دونوں سجدوں کے درمیان پیٹھ سیدھی کر لیتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ" اس آدمی کی نماز نہیں ہوتی جو رکوع اور سجدہ میں پیٹھ سیدھی نہیں کرتا۔

آپؐ جب رکوع سے اُٹھ کر برابر کھڑے ہو جاتے تھے تو یہ کہتے تھے رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ اور کبھی اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ کہتے تھے۔

رکوع کے بعد آپؐ کا قیام رکوع کے برابر ہوتا تھا، چنانچہ آپؐ سے اس میں یہ دعا ثابت ہے اللّٰھُمَّ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوٰتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَیْنَھُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَیْءٍ بَعْدُ، اَھْلُ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَکُلُّنَا لَکَ عَبْدٌ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْکَ الْجَدُّ۔

اس میں آپؐ سے یہ دعا بھی ثابت ہے اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِی مِن خطایای بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ، وَنَقِّنِی مِنَ الذُّنُوبِ وَالْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ، وَبَاعِدْ بینی وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ۔

یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ اس مقام میں لِرَبِّیَ الْحَمْدُ کا جملہ اتنی بار دہراتے تھے کہ رکوع کے برابر ہو جائے۔

امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سمع اللہ لمن حمدہ کہتے تو اتنی دیر کھڑے رہتے کہ ہمیں خیال ہوتا کہ آپ کو سہو ہو گیا ہے۔ یہ آپؐ کی معلوم سنت ہے لیکن اموی حکام کے ان دونوں کا رکنوں کو مختصر کرنے سے

لوگوں نے اسی کو سنت سمجھ لیا ہے۔

۸۔ فصل ___ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدے کا بیان

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہہ کر سجدے میں چلے جاتے اور رفع یدین نہ کرتے سجدے میں جاتے ہوئے آپؐ پہلے دونوں گھٹنے پھر دونوں ہاتھ زمین پر رکھتے، پھر پیشانی اور ناک، یہی صحیح ہے۔ یعنی سجدے میں جاتے ہوئے زمین پر پہلے وہ عضو ٹِکتا تھا جو اس سے زیادہ قریب ہو پھر وہ جو اس سے کم ہو۔ اور زمین سے اُٹھتے ہوئے پہلے سب سے اوپر کا حصہ اٹھتا تھا پھر اس کے بعد کا حصہ۔ آپؐ سب سے پہلے سر اُٹھاتے پھر دونوں ہاتھ پھر دونوں گھٹنے۔ یہی صورت اونٹ کی کیفیت کے برعکس ہے، اور نماز میں جانوروں کے ساتھ مشابہت سے روکا گیا ہے، چنانچہ ایک اونٹ کی طرح بیٹھنے، لومڑی کی طرح متوجہ ہونے، درندوں کی طرح پھیلنے، کتے کی طرح چپکنے، کوّوں کی طرح چونچ مارنے اور سلام کے وقت سرکش گھوڑوں کی دم کی طرح ہاتھ اٹھانے سے روکا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیشانی اور ناک پر سجدہ کرتے تھے۔ عمامہ کے کور پر سجدہ آپؐ سے ثابت نہیں۔ آپ اکثر زمین پر سجدہ کرتے تھے۔ پانی، گیلی مٹی، کھجور کی چٹائی، اور دباغت دیئے ہوئے چمڑے پر بھی آپؐ نے سجدہ کیا ہے۔

سجدہ میں آپؐ پیشانی اور ناک کو پوری طرح زمین پر ٹکا دیتے تھے، دونوں ہاتھوں کو پہلو سے اس طرح دُور رکھتے تھے کہ بغل کی سفیدی نظر آجاتی تھی۔ دونوں ہاتھ آپؐ مونڈھے اور کان کے سامنے رکھتے اور سجدہ میں برابر ہو جاتے تھے۔ دونوں پیر کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہوتی تھیں، دونوں ہتھیلی اور انگلیوں کو آپؐ حسب حال چھوڑ دیتے تھے یعنی نہ تو انھیں پھیلاتے نہ سمیٹتے۔

سجدہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سبحٰن ربی الاعلیٰ (میں اپنے برتر رب کی پاکی بیان کرتا ہوں) پڑھتے تھے اور اسی کا حکم بھی دیا ہے۔ آپؐ نے دعا بھی پڑھی ہے سُبحٰنکَ اللّٰھُمَّ ربّنا وبحمدك، اللّٰھم اغفرلی۔ (یعنی اے میرے رب میں تیری پاکی اور حمد بیان کرتا ہوں، تو مجھے بخشدے)

سبوح قدوس رب الملائکۃ والروح (یعنی اللہ تعالیٰ سب عیوب سے بالکل بری بہت پاک ہے، فرشتوں اور روح کا مالک ہے) پڑھنا بھی ثابت ہے۔

آپؐ نے یہ دعا بھی پڑھی ہے اللّٰھُمَّ اغفرلی ذنبی کلّہ دِقّہ وجلّہ، واوّلہ واٰخرہ وعلانیتہٗ وسرّہ۔ (یعنی اے میرے اللہ، میرے تمام چھوٹے بڑے، پہلے اور بعد کے ظاہر اور پوشیدہ گناہوں کو معاف فرما دے۔)

اس دعا کا پڑھنا بھی ثابت ہے اللّٰھُمَّ اغفِرلی خطایای وجھلی واِسرافِی فی اَمری وماَانتَ اعلمُ بہٖ مِنّی، اللّٰھم اغفرلی جدّی وھزلی وخطایای وعمدی، وکُلُّ ذٰلک عندی اللّٰھم اغفرلی ماقدّمتُ وماأخرت وما اَسررتُ وما اَعلنتُ، انت الٰھی، لا اِلٰہَ الّا انت (یعنی اے اللہ میرے گناہوں، نادانیوں، معاملات میں زیادتی اور ان گناہوں کو جنھیں مجھ سے زیادہ تو جانتا ہے، بخشدے۔ اے اللہ، مذاق و سنجیدگی اور دانستگی و نادانستگی کے تمام گناہوں کو بخشدے، اے اللہ میرے اگلے پچھلے ظاہر اور پوشیدہ تمام گناہوں کو بخشدے۔ تو میرا معبود ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا اور سجدہ میں کوشش کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس کی قبولیت کا یقین ہے۔

۹ فصل۔ تشہد کے بارے میں نبیؐ کی سنت کا بیان

پھر تکبیر کہتے ہوئے آپؐ سر اٹھاتے اور رفع یدین نہیں کرتے تھے، پھر بائیں ہاتھ

کو بچھا کر اس پر بیٹھ جاتے اور دائیں پیر کو کھڑا رکھتے، ہاتھوں کو رانوں پر پھیلا دیتے اور ان کا سرا گھٹنوں پر رکھ دیتے، دو انگلیوں کو سمیٹ کر حلقے بنا لیتے، پھر انگلی اٹھا کر دعا کرتے اور اسے ہلاتے نہیں، یہ دُعا پڑھتے۔

اللھمّ اغفرلی وارحمنی واجبرنی واھدنی وارزقنی۔ اے خدا، مجھے بخشدے، مجھ پر رحم فرما، میرے نقصان کی تلافی فرما، مجھ کو ہدایت اور رزق دے۔

یہ ابن عباس کی روایت ہے۔

حضرت حذیفہ سے مروی ہے کہ آپؐ اللھمّ اغفرلی کہتے پھر ران کا سہارا لیتے ہوئے قدموں کے سرے اور گھٹنوں پر کھڑے ہو جاتے اور قرأت شروع کرتے۔ دوسری رکعت میں پہلی رکعت کی طرح آپؐ قرأت سے پہلے خاموش نہیں رہتے تھے بلکہ اُٹھنے کے بعد فوراً قرأت شروع کر دیتے تھے۔

پھر پہلی رکعت ہی کی طرح دوسری رکعت بھی ادا کرتے تھے لیکن اس رکعت میں قرأت سے پہلے نہ تو سکوت ہوتا نہ دعاء استفتاح، نہ تکبیر تحریمہ اور نہ وہ طوالت۔

جب آپؐ تشہد کے لئے بیٹھتے تو بائیں ہاتھ کو بائیں ران پر اور دائیں ہاتھ کو دائیں ران پر رکھ کر شہادت کی انگلی سے اشارہ کرتے۔ اس انگلی کو نہ تو آپؐ بالکل کھڑی رکھتے نہ سیدھی بلکہ تھوڑی جھکائے رہتے اور حرکت نہیں دیتے تھے، اُسے اُٹھا کر دعا کرتے اور اس کی جانب اپنی نگاہ رکھتے۔ تشہد کے لئے آپؐ اسی طرح بیٹھتے تھے جس طرح دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے تھے۔

مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن زبیر کی حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تھے تو بائیں پیر کو ران اور پنڈلی کے درمیان کر لیتے تھے اور دائیں پیر کو بچھا لیتے تھے، یہ آخری تشہد کا ذکر ہے۔ ابن زبیر نے دائیں پیر کو بچھانے اور ابو حمید

نے اس کو کھڑا رکھنے کا ذکر کیا ہے، لیکن دونوں روایتوں میں اختلاف نہیں، کیوں کہ ان سے یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ آپؐ اس پر نہیں بیٹھتے تھے بلکہ دائیں جانب نکال دیتے تھے اور وہ کھڑے ہونے اور بچھانے کی درمیانی کیفیت میں رہتا تھا، یا یہ کہا جائے کہ کبھی بچھا لیتے تھے اور کبھی کھڑا رکھتے تھے، لیکن اکثر اوقات بچھا لیتے تھے، اور یہی صورت زیادہ آرام کی ہے۔

آپؐ اسی طرح بیٹھ کر ہمیشہ تشہد پڑھتے تھے اور صحابہ کو تشہد میں یہ دعا پڑھنے کی تلقین فرماتے تھے:

التَّحیاتُ لِلّٰہِ والصَّلوٰۃُ والطیّباتُ	زبانی، بدنی اور مالی ساری عبادتیں اللہ ہی کے لئے
السّلام علیك ایُّھا النبیُّ ورحمۃ اللہِ	ہیں۔ آپ پر اے نبی، سلام ہو اور اللہ کی رحمت
وبرکاتہٗ السّلامُ علینا وعلیٰ عبادِ	ہو اور اس کی برکتیں ہم پر اور اللہ کے سارے نیک
اللہ الصّٰلحینَ ۔ اشھدُ ان لا الٰہ	بندوں پر سلام ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ
اِلَّا اللہُ، واشھدُ انّ محمّدًا عبدہٗ	کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ
ورسُولہٗ ۔	اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

آپؐ اس تشہد کو بہت ہلکا کرتے تھے، گویا آپؐ گرم پتھر پر کھڑے ہیں۔ کسی حدیث میں یہ منقول نہیں کہ اس تشہد میں درود پڑھتے تھے، یا عذاب قبر، عذاب جہنم، موت و حیات کے فتنے اور دجال کے فتنے سے پناہ مانگتے تھے۔ جن لوگوں نے اسے مستحب سمجھ لیا ہے انہیں آخری تشہد سے متعلق عام حدیثوں سے یہ خیال ہوا ہے۔

تشہد کے بعد (چار رکعت والی نماز میں) آپ اللہ اکبر کہہ کر دونوں رانوں پر ٹیکتے ہوئے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ کر قدم کے سرے پر کھڑے ہو جاتے تھے۔

صحیح مسلم میں اور بخاری کی بعض روایتوں میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے

تشہد سے اٹھنے کے بعد رفع یدین کرتے تھے، پھر صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔ آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کچھ اور پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔

نماز میں کسی اور کی طرف آپؐ متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس طرح شیطان بندے کی نماز کو چراتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ضرورت کے لئے ایسا کرتے تھے۔ لیکن یہ آپؐ کا دستور نہیں تھا۔ آپؐ تشہد کے بعد سلام سے پہلے دعا پڑھتے تھے، اس کا حکم ابوہریرہؓ اور فضالہ کی حدیث میں ہے۔

سلام کے بعد قبلہ کی طرف یا مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے دعا کرنا بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں، نماز سے متعلق تمام دعائیں آپؐ نماز کے اندر ہی پڑھتے تھے اور اسی کا حکم فرمایا ہے اور یہی مصلی کے شایان شان ہے، کیوں کہ نماز میں وہ خدا کی طرف متوجہ رہتا ہے اور سلام پھیرنے کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر آپؐ دائیں طرف رُخ کر کے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتے اور اسی طرح بائیں طرف بھی۔ جس روایت میں سامنے کی طرف صرف ایک سلام کا ذکر ہے وہ ثابت نہیں۔ اس سلسلہ کی سب سے اچھی حدیث سنن میں حضرت عائشہ سے مروی ہے، لیکن اس کا تعلق رات کی نماز سے ہے، یہ حدیث بھی معلول ہے اور اس میں صراحت کے ساتھ یہ ذکر بھی نہیں کہ آپؐ نے ایک ہی سلام پر اکتفاء کیا۔

نماز میں (تشہد کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم درج ذیل دعائیں پڑھتے تھے:

اللھم انی اعوذ بک من عذاب القبر	یعنی اے اللہ! میں عذاب قبر سے پناہ مانگتا ہوں اور
واعوذ بک من فتنۃ المسیح الدجال	دجال کے فتنہ سے دوری چاہتا ہوں، اور زندگی
واعوذ بک من فتنۃ المحیا والممات	وموت کے فتنہ سے پناہ مانگتا ہوں، خداوندا

اللّٰھمّ انی اعوذ بک من المأثم والمغرمِ — میں گناہ اور قرض سے پناہ مانگتا ہوں۔

اللّٰھمّ انی اسئلک الثبات فی الامرِ والعزیمۃ علی الرُّشدِ واسئلکَ شکر نعمتک وحسن عبادتک، وَ اسئلکَ قلباً سلیماً واسئلک لساناً صادقاً واسئلک من خیر ما تعلمُ واعوذ بک من شرّ ما تعلم واستغفرک لما تعلمُ۔ — یعنی اے اللہ، میں تجھ سے ثبات قدمی اور پختہ ارادے کا سوال کرتا ہوں، نعمت کا شکر اور اچھی عبادت طلب کرتا ہوں، قلب سلیم اور زبان صادق مانگتا ہوں، جس خیر کو تو جانتا ہے اسے طلب کرتا ہوں اور جس شر کو تو جانتا ہے اس سے پناہ مانگتا ہوں اور جن گناہوں کا تجھے علم ہے ان سے مغفرت کا سائل ہوں۔

اللّٰھمّ اغفرلی ذنبی، ووسّع لی فی داری وبارک لی فیما رزقتنی۔ — اے اللہ میرے گناہ بخشدے، میرا گھر میرے لئے کشادہ کردے اور میرے رزق میں برکت عطا فرما

آپؐ سے جتنی دعائیں ثابت ہیں سب میں واحد کا صیغہ وارد ہے۔

امام احمد کی روایت کے مطابق آپؐ نماز سر جھکا کر کھڑے ہوتے تھے، اور تشہد میں آپؐ کی نگاہ شہادت کی انگلی سے آگے نہیں جاتی تھی۔

نماز آپؐ کیلئے نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، حضرت بلالؓ سے آپؐ فرماتے تھے کہ نماز سے ہمیں آرام پہونچاؤ۔ نماز سے اس غیر معمولی تعلق اور کمالِ دلجمعی کے باوجود آپؐ ہمیشہ مقتدیوں کی رعایت رکھتے تھے۔

آپؐ نماز کو طول دینا چاہتے تھے، لیکن بچّہ کے رونے کی آواز سن کر اُسے ہلکی کر دیتے تھے کہ نماز میں شریک اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو۔ اسی طرح آپؐ فرض نماز اپنی نواسی امامۃ کو کندھے پر اٹھا کر بھی پڑھتے تھے۔ قیام کی حالت میں اٹھا لیتے اور رکوع و سجدہ کے وقت اُتار دیتے تھے۔ نماز کی حالت میں حضرت حسن اور حسین آکر آپؐ کی پشت پر

سوار ہو جاتے تو آپؐ سجدہ طویل کر دیتے کہ انھیں اتارنا نہ پڑے۔ آپؐ جب نماز پڑھتے ہوتے اور حضرت عائشہؓ آتیں تو آپؐ چل کر دروازہ کھولتے پھر مصلیٰ پر واپس آجاتے۔ نماز کی حالت میں سلام کا جواب آپؐ اشارہ سے دیتے تھے۔

رہی یہ حدیث کہ نماز میں جو شخص اشارہ کرے وہ نماز کو دہرائے تو یہ باطل ہے۔

امام احمد کی روایت کے مطابق نماز میں پھونکنا، کھنکھارنا اور حلق صاف کرنا بوقت ضرورت جائز ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ننگے پاؤں، کبھی جوتہ پہن کر نماز پڑھتے تھے۔ یہودیوں کی مخالفت کے لیے آپؐ نے جوتوں میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ آپؐ کبھی کبھی ایک کپڑے میں اور اکثر دو کپڑوں میں نماز ادا کرتے تھے۔

فجر کی نماز میں رکوع کے بعد آپؐ نے ایک مہینہ تک دعاء قنوت پڑھی پھر چھوڑ دیا آپؐ کسی عارضی وجہ سے دعاء قنوت پڑھتے تھے، جب وہ وجہ دور ہو جاتی تو قنوت ترک کر دیتے تھے۔ مصائب کے وقت قنوت پڑھنا اور ان کے دور ہو جانے کے بعد چھوڑ دینا آپؐ کی سنت ہے۔ قنوت کے لئے فجر نماز کی خصوصیت نہ تھی، البتہ اکثر قنوت آپؐ نے اسی میں پڑھی ہے، کیوں کہ یہ نماز طویل ہوتی ہے اور اس کا وقت سحر سے قریب ہوتا ہے جو قبولیت اور نزول الٰہی کا وقت ہے۔

۱۰۔ فصل ــ نماز میں سہو کے بارے میں نبیؐ کی سنت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا ثابت ہے کہ میں بشر ہوں، جس طرح تم بھولتے ہو اسی طرح میں بھی بھولتا ہوں، جب میں بھول جایا کروں تو مجھے یاد دلایا کرو۔ آپؐ کا سہو بھی اُمت کے لئے نعمت اور دین کے کمال کا سبب ہے، سہو کی صورت میں امت کے لوگ

آپؐ کی اقتدا کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت والی نماز میں دو پر اُٹھ گئے اور تشہد نہیں کیا، پھر جب آپؐ نے نماز پوری کر لی تو سلام سے پہلے سجدۂ سہو کیا۔ اس سے یہ مسئلہ اخذ ہوتا ہے کہ نماز کے ان اجزاء میں سے جو رکن نہیں ہیں اگر کچھ چھوٹ جائے تو سلام سے پہلے سجدہ کیا جائے گا۔ اس حدیث کی بعض روایات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر دو سے زیادہ رکعت والی نماز میں قاعدہ اور تشہد پڑھنا بھول جائے اور تیسری رکعت شروع کر دے تو پھر لوٹ کر تشہد نہ پڑھے۔

ایک مرتبہ آپؐ نے مغرب یا عشاء کی نماز میں دو ہی رکعت پر سلام پھیر دیا، پھر بات چیت کی پھر اسے پورا کیا اور سلام پھیر کر سجدہ کیا اور اس کے بعد سلام پھیرا۔

ایک مرتبہ ایک رکعت باقی تھی اور آپؐ نے سلام پھیر دیا، حضرت طلحہؓ نے آپؐ سے کہا کہ ایک رکعت آپؐ بھول گئے۔ یہ سن کر آپؐ لوٹے اور مسجد میں داخل ہوئے اور بلالؓ کو اقامت کا حکم دیا پھر لوگوں کو ایک رکعت نماز پڑھائی۔ اس حدیث کو امام احمد نے ذکر کیا ہے۔

ایک مرتبہ ظہر کی نماز آپؐ نے پانچ رکعت پڑھ لی، لوگوں نے یاد دلایا تو آپؐ نے سلام کے بعد سجدۂ سہو کیا۔

ایک مرتبہ آپؐ نے عصر کی نماز تین رکعت پڑھی اور گھر میں چلے گئے، لوگوں نے یاد دلایا تو باہر تشریف لائے اور ایک رکعت پڑھ کر سلام پھیرا، پھر سجدۂ سہو کیا، پھر سلام پھیرا۔

سہو سے متعلق یہی پانچ واقعات مذکور ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی حالت میں آنکھیں بند نہیں کرتے تھے۔ اس کو امام احمد وغیرہ نے مکروہ بتایا ہے۔ اور کہا ہے کہ یہ یہودیوں کا فعل ہے۔ کچھ لوگوں نے اس کو جائز کہا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آنکھ کھولنے سے خشوع میں خلل نہ پڑے تو کھولنا ہی

افضل ہے اور اگر آنکھ کھولنے سے قبلہ کی سمت کی تزئین و آرائش سے خشوع میں خلل ہو تو یہ مکروہ نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب سلام پھیرتے تو تین مرتبہ اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ کہتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اللّٰھُمَّ انت السَّلامُ وَمِنكَ السَّلام تبارکت یا ذا الجلال وَالاکرام۔	اے اللہ تو ہر عیب سے پاک ہے، تیری ہی طرف سے سلامتی ہے تو برکت والا ہے اے بزرگی والے لائق تعظیم

اس دعا کے پڑھنے کے فوراً بعد آپؐ اپنا رُخ مقتدیوں کی طرف کر لیتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد یہ دُعا پڑھتے تھے۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وحدہٗ لا شریک لہٗ لہُ الملکُ وَلہُ الحمدُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شیءٍ قَدِیْرٌ۔	اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی حکومت ہے اسی کیلئے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔
اللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لما اعطیت، وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ ولا یَنْفَعُ ذا الْجَدِّ مِنْکَ الجَدُّ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِیَّاہُ، لَہُ النِّعْمَۃُ وَلَہُ الفَضْلُ وَلَہُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ، وَلَوْ کَرِہَ الکافِرُوْنَ۔	اے اللہ اس چیز کا کوئی روکنے والا نہیں جس کو تو نے دیا، اور جس چیز کو تو نے روک دیا اسے کوئی دینے والا نہیں، اور دولت والے کو تیرے مقابلے میں دولت نفع نہیں دیتی۔ گناہ سے باز رہنا اور اطاعت کی قوت اللہ کی توفیق کے بغیر ممکن نہیں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہم اسکے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے، اسی کیلئے ساری نعمتیں ساری بزرگیاں اور ساری اچھی تعریفیں ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم خالص اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ کافروں کو یہ بات بُری معلوم ہو۔

آپؐ نے اُمت کو یہ حکم بھی دیا ہے کہ فرض نماز کے بعد ہر شخص ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کہہ کر سو پورا کرے۔

ابن حبان نے اپنی صحیح میں حارث بن مسلم سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم صبح کی نماز پڑھو تو بات کرنے سے پہلے سات مرتبہ یہ دعا پڑھو اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ مِنَ النَّارِ۔ (اے اللہ مجھے جہنم کی آگ سے پناہ دے) اگر تم اسی دن مر جاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جہنم کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جب تم مغرب کی نماز پڑھو تو بات کرنے سے پہلے سات مرتبہ وہی دعا پڑھ لو، اگر اسی رات مرو گے تو جہنم سے محفوظ رہو گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب دیوار کی طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو آپؐ کے اور دیوار کے درمیان کا فاصلہ ایک بکری کے گذرنے کے برابر ہوتا، اس سے زیادہ دُوری نہ ہوتی، آپ سترہ سے قریب رہنے کا حکم دیتے تھے۔ اگر کسی لکڑی، ستون یا درخت کی طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تو اسے اپنے دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے اور بالکل سامنے نہ کرتے۔ سفر میں آپؐ نیزہ یا برچھے کا سترہ بنا لیتے تھے، سواری اور کجاوے کی لکڑی کا سترہ بھی آپؐ نے بنایا ہے، اور مصلی کو تیر یا لاٹھی کا بھی سترہ بنانے کا حکم فرمایا ہے، اگر کوئی چیز نہ ملے تو زمین پر لکیر کھینچ لینا ہی کافی ہے، اگر سترہ نہ ہو تو صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ عورت، کتے اور گدھے کے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ اس کی مخالف حدیث اگر صحیح ہے تو اس میں صراحت نہیں ہے اور اگر صراحت ہے تو صحیح نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے تو حضرت عائشہ آپؐ کے آگے سوتی رہتی تھیں، لیکن اس

کا حکم گذرنے کا نہیں، نمازی کے آگے سے گذرنا حرام ہے، لیکن اس کے سامنے ٹھہرے رہنا مکروہ نہیں۔

۱۱۔ فصل ۔ نماز کی سنتوں کے بارے میں نبیؐ کی سنت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضر کی حالت میں دس رکعتوں کی پابندی کرتے تھے، ان کی تفصیل حضرت ابن عمرؓ کی اس روایت سے ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دس رکعتیں محفوظ کی ہیں، دو رکعت ظہر سے پہلے، دو اس کے بعد، دو رکعت مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد گھر کے اندر اور دو رکعت فجر سے پہلے۔ ظہر کے بعد کی دو رکعتیں اگر فوت ہو جاتیں تو انھیں آپؐ عصر کے بعد ادا کر لیتے تھے۔ کبھی آپؐ ظہر سے پہلے چار رکعتیں بھی پڑھتے تھے۔ مغرب سے پہلے کی دو رکعتوں کے بارے میں آپؐ نے فرمایا کہ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھ لو، تیسری بار فرمایا کہ جو چاہے پڑھے۔ تاکہ لوگ اسے سنت نہ سمجھ لیں۔ اور صحیح یہی ہے کہ یہ دونوں رکعتیں مستحب ہیں، سنن مؤکدہ نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عام سنتیں، نفل جس کا کوئی مخصوص سبب نہ ہو اور بالخصوص مغرب کی سنت گھر ہی پر ادا فرماتے تھے۔ یہ مذکور نہیں کہ کبھی اسے آپؐ نے مسجد میں پڑھا ہو، لیکن مصلی کو مسجد میں پڑھنے کی اجازت ہے۔ فجر کی سنت کی آپؐ تمام نوافل سے زیادہ پابندی کرتے تھے۔ اسے اور وتر کو سفر یا حضر میں چھوڑتے نہیں تھے، سفر میں ان دونوں سنتوں کے علاوہ کوئی اور سنت پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔

فقہاء کا اختلاف ہے کہ ان دونوں میں سے کون زیادہ ضروری ہے؟

فجر کی سنت عمل کی ابتدا اور وتر اس کا اختتام ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ ان دونوں میں سورہ قل یا ایہا الکفرون اور قل ہو اللہ احد پڑھتے تھے جو علمی، عملی، اقتصادی اور ارادی

توحید کی جامع ہیں، چنانچہ قل ھو اللہ احد کی سورہ میں اللہ تعالیٰ کو احد کہا گیا ہے جس سے ہر طرح کی شرکت کی نفی ہو جاتی ہے، لڑکے اور باپ کی نفی سے وحدانیت اور بے نیازی ثابت ہوتی ہے، کفوٗ کی نفی سے نظیر و مثیل کی نفی ہو جاتی ہے، اس طرح اس سورہ سے ہر طرح کے کمال کا اثبات اور نقص یا شریک و مثیل کی نفی ہو جاتی ہے اور مطلق شرکت کا شائبہ نہیں رہتا، اور یہی اصول علمی توحید کا مجمع ہیں جس کی وجہ سے انسان شرک و گمراہی کے فرقوں سے دور رہتا ہے اور اسی لئے اس کو ایک تہائی قرآن کے برابر کہا گیا ہے، کیوں کہ اس کا دار و مدار خبر اور انشاء پر ہے اور انشاء کی تین قسمیں ہیں، امر، نہی اور اباحت۔ اور خبر کی دو قسمیں ہیں، ایک اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کے نام، صفات اور احکام کے بارے میں۔ اور دوسری مخلوق کے بارے میں۔ سورہ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء اور صفات کی خبر ہے اس لئے وہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ اس سورہ کا پڑھنے والا علمی شرک سے بَری رہتا ہو جاتا ہے، اور قل یا ایہا الکفرون کا پڑھنے والا عملی شرک سے۔ اور چونکہ علم عمل پر مقدم اور اس کا امام و قائد ہے اس لئے قل ھو اللہ احد ایک تہائی قرآن کے برابر ہے اور قل یا یہا الکافرون ایک چوتھائی کے برابر۔ اور چونکہ عملی شرک کا خواہشات کی پیروی کے سبب طبیعتوں پر غلبہ ہوتا ہے اور بہت سے لوگ اس کے نقصان سے واقفیت کے باوجود اس کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس کا دُور کرنا علمی شرک کو دُور کرنے سے مشکل ہوتا ہے کیوں کہ یہ دلیل سے زائل ہو جاتا ہے، اس لئے سورہ کافرون میں تاکید اور تکرار سے کام لیا گیا ہے، اسی وجہ سے ان دونوں سورتوں کو طواف کی دونوں رکعتوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے کہ حج توحید کا شعار ہے اور اسی وجہ سے ان کے ذریعہ دن کے کام کی ابتداء اور رات کے کام کا خاتمہ فرماتے تھے۔

فجر کی سنت کے بعد آپؐ دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں دو جماعت

نے غلو سے کام لیا ہے۔ ظاہریہ نے اسے واجب قرار دیا ہے، اور ایک جماعت نے مکروہ و بدعت بتایا ہے۔ امام مالک نے درمیانی راہ اپنائی ہے، آرام کے لئے اگر کوئی لیٹے تو ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں۔ لیکن سنت سمجھ کر کرے تو یہ مکروہ ہوگا۔

۱۲۔ فصل

تہجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز سفر یا حضر کسی حال میں چھوڑتے نہیں تھے۔ اگر آپؐ پر نیند یا درد کا غلبہ ہوتا تو دن ہی میں بارہ رکعتیں پڑھ لیتے تھے۔ میں نے امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ وتر کی نماز کی قضا نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کیوں کہ اس کا مقام فوت ہو جاتا ہے، جس طرح تحیۃ المسجد، کسوف اور استسقاء کی نماز ہے۔ وتر کا مقصود ہے کہ رات کی آخری نماز وتر ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں گیارہ یا تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے، گیارہ رکعت پر اتفاق ہے، اور آخری دو رکعتوں کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ فجر کی دو سنتیں تھیں یا کوئی اور نماز؟ ان رکعتوں کے ساتھ فرض اور سنت مؤکدہ کی تعداد ملانے پر کل چالیس رکعتیں ہو جاتی ہیں جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، اس کے علاوہ کوئی نماز اگر پڑھی تو پابندی کے ساتھ نہیں پڑھی، لہٰذا ہر مسلمان کے لئے مناسب ہے کہ وہ تا زندگی اس ورد کی حفاظت کرے، کیونکہ اگر ایسا کوئی شخص کسی دروازے کو دن و رات میں چالیس مرتبہ کھٹکھٹائے تو وہ یقیناً کھل جائے گا اور اس کی پکار سن لی جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رات میں جاگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ، اَللّٰھُمَّ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ، وَاَسْئَلُکَ رَحْمَتَکَ، اَللّٰھُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنِیْ وَھَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ ۔	تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، اے اللہ میں تجھ سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں، اور تجھ سے تیری رحمت طلب کرتا ہوں، اے اللہ میرے علم میں اضافہ فرما، اور ہدایت کے بعد میرے دل کو ٹیڑھا نہ کر، مجھ کو اپنی رحمت سے نواز، تو بہت نوازنے والا ہے ۔

اور جب آپؐ سو کر اُٹھتے تو یہ دعا پڑھتے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ ۔	تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہم کو موت (نیند) کے بعد کی زندگی عطا فرمائی اور اسی کے پاس جمع ہونا ہے ۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ مسواک کرتے، اور اکثر سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں پڑھتے یعنی ان فی خلق السمٰوٰت سے آخر سورہ تک ۔ پھر وضو کرتے اور ہلکی دو رکعتیں پڑھتے ۔ ابو ہریرہ کی حدیث میں آپؐ نے ان کو پڑھنے کا حکم بھی دیا ہے ۔ آپؐ کبھی آدھی رات کو، کبھی اس سے پہلے اور کبھی اس کے کچھ بعد اٹھتے تھے ۔ اپنے اوراد کو آپؐ کئی حصوں میں کر کے یا ایک ساتھ پورا کرتے تھے، اکثر ایک ساتھ ہی سب پڑھ لیتے تھے، کئی حصوں میں ادا کرنے کی صورت ابن عباس نے یہ بتائی ہے کہ دو رکعت نماز ادا کر کے آپؐ سو جاتے تھے، اس طرح تین مرتبہ میں چھ رکعتیں ادا فرماتے تھے اور ہر مرتبہ اٹھ کر مسواک اور وضو کرتے، پھر تین رکعت وتر ادا کرتے ۔

آپؐ وتر کئی طرح پڑھتے تھے، ایک کیفیت کا ذکر ابھی ہوا ۔ دوسری صورت یہ کہ آٹھ رکعتیں چار سلام سے پڑھ کر پانچ رکعت وتر درمیان میں کسی تشہد کے بغیر پڑھتے ۔

تیسری صورت یہ کہ نو رکعت اس طرح پڑھتے کہ آٹھ رکعتوں میں کہیں نہیں بیٹھتے بلکہ متواتر پڑھ کر بیٹھتے اور ذکر، حمد اور دعا کر کے پھر سلام پھیرے بغیر کھڑے ہو جاتے اور اب نویں رکعت ادا کرتے، پھر قعدہ اور تشہد کر کے سلام پھیرتے۔ اس کے بعد دو رکعتیں مزید پڑھتے۔ چوتھی صورت یہ کہ مذکورہ نو رکعتوں ہی کی طرح سات رکعتیں ادا فرماتے تھے اور اس کے بعد بیٹھ کر دو رکعتیں پڑھتے۔ پانچویں صورت یہ ہے کہ دو دو رکعت پڑھ کر اخیر میں تین رکعت وتر پڑھ لیتے جن میں قعدہ یا تشہد کا فاصلہ نہ ہوتا، اسے امام احمد نے حضرت عائشہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت وتر پڑھتے تھے اور ان کے درمیان فصل نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ حدیث محل نظر ہے، کیوں کہ صحیح ابن حبان میں ابو ہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ "تین رکعت وتر نہ پڑھو، پانچ یا سات پڑھو، وتر کو مغرب کی نماز کے مشابہ نہ بناؤ۔ امام دارقطنی کہتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حرب کہتے ہیں کہ امام احمد سے وتر کے متعلق پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے، اور اگر سلام نہ پھیرے تو مجھے امید ہے کہ کچھ نقصان نہ ہوگا، مگر سلام پھیرنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قوت سے ثابت ہے ابو طالب کی روایت میں ان کا قول مذکور ہے کہ قوت وکثرت ایک رکعت والی حدیث میں ہے، اس لئے میں اسی کا قائل ہوں۔ چھٹی صورت وہ ہے جسے امام نسائی نے حضرت حذیفہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کی نماز پڑھی تو آپؐ نے رکوع میں قیام اتنی دیر یہ دعا پڑھی سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ (میرا پروردگار پاک ہے جو بہت بڑا ہے) اسی حدیث میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ابھی صرف چار رکعتیں پڑھی تھیں کہ حضرت بلالؓ نماز صبح کے لئے آپؐ کو بلانے آگئے۔ آپؐ نے رات کے ابتدائی، درمیانی اور آخری حصہ میں وتر پڑھی ہے۔ ایک رات قیام میں صبح تک صرف ایک ہی آیت پڑھتے رہ گئے یعنی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ، وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ مائدہ آیت ۱۲۲)

اگر تو ان کو عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، اور اگر ان کو بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔

رات میں آپؐ کی نماز تین طرح پہ ہوتی تھی، ایک تو یہ کہ اکثر آپؐ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے۔ دوم یہ کہ بیٹھ کر پڑھتے۔ سوم یہ کہ بیٹھ کر قرآت کرتے اور جب تھوڑی قرأت باقی رہتی تو کھڑے ہو جاتے اور اسے پوری کر کے رکوع کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ وتر کے بعد کبھی بیٹھ کر قرآت کرتے اور رکوع کے وقت کھڑے ہو جاتے پھر رکوع میں چلے جاتے۔

اس حدیث سے بہتوں کو اشکال ہوا ہے اور اسے ذیل کی حدیث کے مخالف سمجھا گیا ہے۔ اجعلوا اٰخر صلاتکم باللیل وترا۔ یعنی رات کی آخری نماز وتر رکھو۔ امام احمد کہتے ہیں کہ "میں دونوں رکعتیں نہ پڑھتا ہوں، نہ پڑھنے والے کو روکتا ہوں۔ امام مالک نے ان دونوں رکعتوں کا انکار کیا ہے۔ لیکن صحیح صورت یہ ہے کہ وتر ایک مستقل عبادت ہے، اس کے بعد کی دو رکعتوں کی وہی حیثیت ہے جو مغرب کی نماز میں بعد کی دو رکعت سنت کی۔ اس طرح مذکورہ دو رکعتیں وتر کی تکمیل کا درجہ رکھتی ہیں الگ نماز نہیں۔

وتر میں قنوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، صرف ابن ماجہ کی ایک حدیث میں اس کا ذکر ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی مروی نہیں لیکن حضرت عمرؓ پورے سال دعاء قنوت پڑھتے تھے۔

اصحاب سنن نے حضرت حسن بن علی کی حدیث کو روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، اسے ابوجون سعدی کی حدیث سے صرف اسی طریق سے ہم جانتے ہیں، انتہیٰ۔ وتر میں دعائے قنوت حضرت عمرؓ، اُبیؓ اور ابن مسعودؓ سے ثابت ہے۔

ابو داؤد اور نسائی نے ابی بن کعب کی یہ حدیث ذکر کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں سبح اسم، قل یا ایھا الکافرون اور قل ھو اللہ احد پڑھتے تھے، اور جب سلام پھیرتے تو تین مرتبہ سُبْحٰنَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھتے اور تیسری مرتبہ آواز اونچی کر کے کھینچتے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورہ کو ترتیل سے پڑھتے تھے، جس سے چھوٹی سورہ طویل سورہ کے برابر ہوتی تھی۔ اور قرآن کا مقصود بھی یہ ہے کہ اس پر غور وفکر اور عمل کیا جائے اس کی تلاوت اور حفظ مفہوم ہی کو سمجھنے کا ایک وسیلہ ہے، جیسا کہ بعض سلف کا قول ہے کہ قرآن عمل کے لئے اترا تھا لیکن لوگوں نے اس کی تلاوت کو عمل بنا لیا۔ شعبہ کا قول ہے کہ ابو حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ میں تیز پڑھنے والا ہوں، اکثر ایک رات میں ایک یا دو قرآن پڑھ لیتا ہوں۔ ابن عباس نے کہا کہ مجھے صرف ایک سورہ پڑھنا تمہارے جیسا کام کرنے سے زیادہ محبوب ہے، اگر تمہیں تیز ہی پڑھنا ہے تو اس طرح پڑھو کہ کان سن سکے اور دل یاد کر سکے۔ ابراہیم کہتے ہیں کہ علقمہ نے عبداللہ کے سامنے پڑھا تو انھوں نے کہا کہ تم پر میرے ماں باپ قربان، ترتیل سے پڑھو، کیوں کہ یہ قرآن کی زینت ہے۔

حضرت عبداللہ نے کہا کہ:

"اور اس کے عجائب پر ٹھہرو اور دلوں کو حرکت دو، دھیان سورہ کے اخیر حصہ پر نہ لگائے رکھو۔"

انھوں نے مزید کہا کہ:

"تم جب اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے ہوئے سنو کہ 'اے ایمان والو!' تو اس پر کان لگاؤ اس لئے کہ یہ کوئی بھلائی ہے جس کا تم کو حکم دیا جائے گا، اور کوئی برائی ہے جس سے روکا جائے گا۔"

عبدالرحمٰن بن ابی لیلی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک خاتون آئیں اور میں سورہ ہود پڑھ رہا تھا، انھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن، تم سورہ ہود اس طرح پڑھتے ہو؟ بخدا میں تو اسے چھ مہینے سے پڑھ رہی ہوں اور ابھی ختم نہیں کر سکی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی نماز میں بلند آواز سے اور آہستہ دونوں طرح قرأت کرتے تھے، اور قیام کبھی ہلکا کرتے تھے اور کبھی طویل۔ اور نفل نماز دن اور رات میں سفر میں سواری ہی پر پڑھتے تھے خواہ اس کا رخ جس طرف ہو، رکوع اور سجدہ اشارہ سے کرتے تھے۔ اور سجدہ رکوع سے کچھ پست رکھتے تھے۔

۱۳۔ فصل

چاشت کی نماز اور سجدۂ سہو کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بیان

بخاری شریف میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا لیکن میں اسے پڑھتی ہوں۔ اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ مجھ کو میرے دوست (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہر مہینہ میں تین دن کے روزے، چاشت کی دو رکعتوں اور سونے سے پہلے وتر کا حکم دیا ہے۔ مسلم نے زید بن ارقم کی مرفوع روایت ذکر کی ہے کہ اوّابین کی نماز دن کی گرمی سخت ہونے کے وقت پڑھی جاتی ہے۔ اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وصیت کی لیکن آپؐ نے تہجد کی وجہ سے خود اسے نہیں پڑھا۔ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ ہم مسجد میں نماز پڑھتے تھے اور ابن مسعود کے اٹھ جانے کے بعد بھی ہم وہیں رہتے تھے، پھر اُٹھتے اور چاشت کی نماز پڑھتے تھے۔ انہیں یہ معلوم ہوا تو کہا کہ کیوں بندوں پر وہ بوجھ ڈال رہے ہو جسے اللہ تعالےٰ

نے نہیں ڈالا، اگر تمہیں ایسا کرنا ہی ہے تو گھروں میں کرو۔ سعید بن جبیر کا قول ہے کہ میں چاشت کی نماز باوجود خواہش اس ڈر سے چھوڑ دیتا ہوں کہ کہیں مجھ پر فرض نہ ہو جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کسی نعمت کے حصول یا مصیبت کے دفعیہ پر سجدۂ شکر کرتے تھے۔ قرآن میں جب سجدہ کی کوئی آیت پڑھتے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرتے اور اکثر سجدہ میں یہ دعا پڑھتے،

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَ قُوَّتِهِ۔	میرا چہرہ اس ذات کے آگے جھکا جس نے اس کو پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی اور اپنی قدرت وطاقت سے اس کے کان اور اسکی آنکھیں کھولدیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ منقول نہیں کہ اس سجدہ سے اُٹھنے کے لئے آپؐ تکبیر کہتے یا تشہد پڑھتے یا سلام پھیرتے تھے۔ اور یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے سورہ الم تنزیل ص، اقرأ، النجم اور اذا السماء انشقت میں سجدہ کیا۔ ابوداؤد نے عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پندرہ سجدے بتائے تھے، جن میں تین سجدے مفصل (چھوٹی) سورتوں میں اور دو سورہ حج میں ہیں۔ ابن عباس کی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لے جانے کے بعد مفصل سورتوں میں سجدہ نہیں کیا، وہ ضعیف ہے، اس کی سند میں ایک راوی ابوقدامہ حارث بن عبید ضعیف و ناقابل استدلال ہیں۔ اس حدیث کو ابن قطان نے "مطر الوراق" کی وجہ سے معلول بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ خرابئ حفظ میں محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلے کے مشابہ ہے، امام مسلم کا اس کی حدیث کو ذکر کرنا معیوب بتایا گیا ہے، انتہی لیکن امام مسلم کے نزدیک ان کی حدیث کو ذکر کرنے میں کوئی عیب نہیں۔ کیوں کہ انھوں نے انہیں حدیثوں کو ذکر کیا ہے جن کے محفوظ ہونے کا یقین ہوا، جس طرح ثقہ راویوں کی ان حدیثوں کو چھوڑ دیا جن کے اندر غلطی کا علم ہوگیا

تھا۔ کچھ لوگ ثقہ راویوں کی تمام حدیثوں کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور کچھ لوگ کمزور طبقہ والے راویوں کی تمام حدیثوں کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ بہتر طریقہ امام حاکم وغیرہ کا ہے اور دوسرا طریقہ ابن حزم وغیرہ کا ہے، امام مسلم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ فن حدیث کے ماہر ائمہ کا طریقہ ہے۔

۱۴۔ فصل

جمعہ کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا "ہم سے پہلی قومیں جمعہ کے بارے میں بھٹک گئیں، یہودیوں نے سنیچر کا دن اور عیسائیوں نے اتوار کا دن اپنے لئے مقرر کرلیا۔ پھر اللہ تعالیٰ ہمیں لے آیا تو جمعہ کے دن کی طرف ہماری رہنمائی کی"، اب ترتیب یہ ہوئی جمعہ، سنیچر اور اتوار۔ اسی طرح وہ لوگ قیامت کے دن ہم سے پیچھے ہوں گے، ہم دنیا میں پیچھے اور قیامت کے دن پہلے ہوں گے، ہمارا فیصلہ تمام مخلوق سے پہلے ہوگا۔

امام ترمذی نے تصحیح کے ساتھ ابوہریرہ کی یہ مرفوع حدیث ذکر کی ہے:

"سب سے بہتر دن جمعہ کا ہے، اسی میں حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہوئے جنت میں داخل کئے گئے، اس سے نکالے گئے، جمعہ کے دن ہی قیامت واقع ہوگی۔"

اسے موطا نے بھی روایت کیا ہے، امام ترمذی نے ان الفاظ کے ساتھ بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے:

"وہ سب سے بہتر دن ہے، اسی میں آدم علیہ السلام پیدا کئے گئے۔

زمین پر اتارے گئے، ان کی توبہ قبول ہوئی اور وفات ہوئی، اسی دن قیامت ہوگی، جن اور انسان کے علاوہ تمام چلنے پھرنے والے جانور جمعہ کے دن صبح سے سورج نکلنے تک چیختے ہیں کہ کہیں آج قیامت نہ ہو جائے۔ اس دن میں ایک گھڑی ایسی ہے کہ اگر کوئی مسلمان نماز پڑھتے ہوئے اسے پالے تو جو کچھ اللہ سے مانگے گا اسے عطا کرے گا کعب نے کہا کہ ایسی گھڑی والا دن سال میں صرف ایک ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ ہر جمعہ کو ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے، انھوں نے توراۃ پڑھ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔ ابوہریرہ نے کہا کہ پھر میں عبداللہ بن سلام سے ملا اور کعب کی مجلس اور بات کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ وہ کون سی گھڑی ہے، میں نے کہا کہ کیوں کر۔؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا ہے، اور آخری گھڑی میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ ابن سلام نے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ نماز کے انتظار میں بیٹھنے والا نماز پڑھنے تک نماز ہی کی حالت میں مانا جاتا ہے"۔

مسند احمد میں ابوہریرہ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

> "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ کس وجہ سے اس دن کا نام جمعہ رکھا گیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ اس لئے کہ اس دن تمہارے باپ حضرت آدمؑ کی مٹی کو شکل دی گئی، اور اسی دن فنا اور حشر ہوگا اور گرفت ہوگی اسی میں تین آخری گھڑیاں ہیں جن میں سے ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جو دعا بھی کیجائے گی قبول ہوگی۔"

ابن اسحاق نے عبدالرحمٰن بن کعب بن مالک سے نقل کیا ہے انھوں نے کہا کہ میرے والد جب نابینا ہو گئے تو میں ان کو لے کر جمعہ کے لئے جاتا تھا، وہ جمعہ کی اذان سنتے تو اسعد بن زرارہ کے حق میں استغفار کرتے۔ میں نے پوچھا کہ آپ ہر جمعہ کی اذان سن کر

اسعد کے لئے کیوں استغفار کرتے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ بیٹے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ آنے سے پہلے اسعد ہی نے ہم لوگوں کو سب سے پہلے جمعہ پڑھایا، یہ جمعہ نقیع خضمات میں حرہ بنی بیاضہ کے ہزم النبیت میں ہوا تھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ لوگوں کی تعداد اس وقت کتنی تھی؟ انھوں نے کہا کہ چالیس۔ بیہقی نے کہا کہ یہ حدیث حسن اور صحیح الاسناد ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور قباء میں دوشنبہ سے پنجشنبہ تک قیام کر کے ان کی مسجد کی بنیاد ڈالی، پھر جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے، بنو سالم بن عوف میں آپؐ پہونچے تو جمعہ کا وقت آگیا، آپؐ نے بطن الوادی کی مسجد میں جمعہ ادا فرمایا، ابھی مسجد نبوی کی تعمیر نہیں ہوئی تھی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ ابو سلمۃ بن عبدالرحمٰن کی روایت کے مطابق (اور غلط بات حضورؐ کی طرف منسوب کرنے سے میں پناہ مانگتا ہوں۔) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے خطبہ میں کھڑے ہو کر حمد و ثنا کے بعد فرمایا: لوگو! اپنے لئے عمل کا ذخیرہ آگے بھیجو، تمہیں ضرور علم ہوگا، بخدا تم میں سے ایک مرے گا اور اپنی بکریوں کو بلا چرواہا چھوڑ جائے گا، پھر اس سے اللہ تعالیٰ بغیر ترجمان اور دربان فرمائے گا کہ کیا میرے رسول نے تیرے پاس آکر تجھے میرے احکام نہیں سنائے تھے، اور کیا میں نے تجھے مال نہیں دیا تھا اور تجھ پر احسان نہیں کیا تھا، پھر تو نے اپنے لئے کیا کچھ کیا ہے؟ وہ دائیں بائیں نظر ڈالے گا تو کچھ نہ دیکھ سکے گا، پھر آگے دیکھے گا تو جہنم کے علاوہ کچھ نہ نظر آئے گا۔ اس لئے جو شخص اپنے آپ کو جہنم سے بچا سکے خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی سے تو ضرور بچائے، جس کے پاس یہ بھی نہ ہو تو اچھی بات ہی بولے، اس لئے کہ اس سے بھی نیکی کا دس گنے سے سات سو گنے تک ثواب ملتا ہے، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ خطبہ

دیا تو فرمایا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، میں اسی کی حمد کرتا ہوں اور اسی سے مدد چاہتا ہوں، اپنے نفوس کی برائیوں سے ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں اور اپنے بُرے اعمال سے بھی۔ جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا، اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے جس کے دل کو اللہ تعالیٰ اس سے مزین کر دے وہ کامیاب ہے، اور جسے کفر کے بعد اسلام میں داخل کرے اور وہ دوسری باتوں کے مقابلہ میں اسے اختیار کر لے، وہ سب سے اچھی اور سب سے بلیغ بات ہے۔ اللہ کی پسندیدہ چیز کو پسند کرو، دل سے اللہ کو محبوب رکھو اللہ کے کلام اور ذکر سے نہ اکتاؤ، اپنے دل کو اس کی طرف سے سخت کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر مخلوق سے بعض کو پسند کرتا اور برگزیدہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب اعمال، منتخب بندوں، اچھی بات اور حلال و حرام کا نام لے لیا ہے، پس اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اس سے ڈرنے کی طرح ڈرو، اپنی اچھی طرح اللہ سے سچ سچ کہہ دو اور اللہ کی رحمت سے آپس میں محبّت رکھو، اللہ تعالیٰ بدعہدی کو ناپسند کرتا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

۱۵۔ فصل

جمعہ کی تعظیم کے بیان میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس دن کی تعظیم و تشریف تھی، آپؐ نے اس کو چند خصوصیات کے ساتھ مخصوص کر دیا تھا، مثلاً اس دن فجر کی نماز میں الم سجدۃ اور ہل اتی

کی سورتیں پڑھتے تھے۔ کیونکہ ان میں ان چیزوں کا ذکر ہے جو اس دن ہوئے ہیں اور جو آئندہ اس میں ہوں گے۔

اسی طرح اس رات و دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود بھیجنا مستحب ہے۔ کیوں کہ امت کو ہر طرح کی دینی و دنیوی بھلائی آپؐ ہی کے ذریعہ ملی ہے، اور سب سے بڑی عزت بھی ان کو جمعہ ہی کو ملے گی، اس لئے کہ اس دن انھیں اٹھا کر جنت میں لے جایا جائے گا اور داخلہ کے بعد اسی دن ان کو مزید نعمتیں ملیں گی، قیامت کے دن اللہ کا قرب اور زیادتی انعام میں سبقت جمعہ کے دن امام سے قربت اور سویرے جانے کے لحاظ سے ہوگی۔

تیسری خصوصیت اس دن کا غسل ہے، یہ بہت تاکیدی حکم ہے۔ عضو کو چھونے، نکسیر پھوٹنے یا قے کرنے سے جس طرح وضو واجب ہوتا ہے یا جس طرح آخری تشہد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود واجب ہے، اس سے زیادہ واجب جمعہ کا غسل ہے۔

چوتھی خصوصیت خوشبو اور مسواک ہے، ان کا جمعہ کو استعمال کرنا دوسرے دنوں کے استعمال سے افضل ہے۔

ایک خصوصیت سویرے جانا، ذکر الٰہی میں مشغول رہنا اور امام کے آنے تک نماز میں مصروف رہنا بھی ہے۔

چھٹی خصوصیت خطبہ میں واجبی خاموشی ہے۔

ساتویں خصوصیت سورہ جمعہ، منافقون، اعلیٰ اور غاشیہ کی قرأت ہے۔

آٹھویں خصوصیت اچھا لباس پہننا ہے۔

نویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ کے لئے پیدل جانے والے کو ہر قدم کے بدلے ایک سال کے روزے اور قیام کا اجر ملے گا۔

دسویں خصوصیت یہ ہے کہ جمعہ برائیوں کو دور کر دیتا ہے۔

گیارہویں خصوصیت یہ ہے کہ اس دن ایک گھڑی قبولیت کی ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ، آواز بلند اور غصہ سخت ہو جاتا تھا، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آپؐ صبح شام میں ٹوٹ پڑنے والے لشکر سے ڈرا رہے ہیں۔ آپؐ اپنے خطبے میں اما بعد کہتے۔ خطبہ مختصر کرتے تھے اور نماز لمبی، خطبہ میں صحابہ کو آپؐ اسلام کے قوانین بتاتے اور ضرورت کے وقت حکم دیتے اور روکتے بھی تھے، جیسا کہ خطبہ کے وقت مسجد میں داخل ہونے والے کو آپؐ نے دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا، اگر آپؐ کسی فاقہ مست کو دیکھتے تو صدقہ کا حکم دیتے اور ترغیب دلاتے تھے۔ خطبہ میں اللہ کے ذکر اور دعاء کے وقت آپؐ شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے تھے۔

بارش نہ ہوتی تو خطبہ میں اس کے لئے دعاء فرماتے۔ جب لوگ اکٹھا ہو جاتے تو آپؐ تشریف لاتے اور مسجد میں داخل ہو کر سلام کرتے، منبر پر چڑھ کر لوگوں کی طرف رخ کرتے اور سلام کرتے پھر بیٹھ جاتے، بلالؓ اذان شروع کرتے، جب اذان سے فارغ ہوتے تو آپؐ کھڑے ہوتے اور خطبہ دیتے۔ آپؐ کمان یا لاٹھی پر ٹیک دیتے۔ آپؐ کے منبر میں تین سیڑھیاں تھیں، منبر بننے سے پہلے آپؐ کھجور کے تنے سے لگ کر خطبہ دیتے تھے۔ آپؐ کا منبر مسجد کے درمیان میں نہیں بلکہ مغربی حصہ میں اس طرح رکھا تھا کہ اس کے اور دیوار کے بیچ بکری کے گذرنے بھر کی جگہ تھی، جب آپؐ جمعہ کے علاوہ اس پر بیٹھتے یا جمعہ کے دن خطبہ کے لئے اس پر کھڑے ہوتے تو صحابہ اپنا رخ آپؐ کی طرف کر لیتے۔ آپؐ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے پھر تھوڑی دیر بیٹھ جاتے، پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ دیتے، جب آپؐ خطبہ سے فارغ ہوتے تو حضرت بلالؓ اقامت کہتے۔

آپؐ لوگوں کو اپنے سے قریب ہونے اور کان لگانے کا حکم دیتے تھے اور یہ

فرماتے کہ اگر کوئی اپنے پاس کے شخص سے یہ کہے کہ چپ رہو تو یہ بھی غلط کام ہے اور اس سے جمعہ نہیں ہوگا۔

جمعہ کی نماز پڑھ کر آپؐ مسجد سے گھر تشریف لے جاتے اور دو رکعت سنت ادا فرماتے تھے۔ اور آپؐ نے جمعہ کے بعد چار رکعت سنت کا بھی حکم دیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ کا قول ہے کہ جب مسجد میں پڑھے تو چار رکعت پڑھے اور گھر میں پڑھے تو دو رکعت پڑھے۔

۱۶۔ فصل

نمازِ عیدین کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی نماز عیدگاہ میں پڑھتے تھے، جو مدینہ کے مشرقی دروازہ پر جہاں حاجیوں کا محمل رکھا جاتا ہے، واقع تھی۔ اگر سنن ابو داؤد کی حدیث صحیح ہو تو یہ ثابت ہوگا کہ بارش کی وجہ سے ایک مرتبہ آپؐ نے عید کی نماز مسجد میں ادا کی تھی۔ عید میں آپؐ اپنے خوبصورت ترین کپڑے پہنتے تھے۔ عید الفطر میں نکلنے سے پہلے چند کھجوریں کھا لیتے تھے جو طاق ہوتیں لیکن عید الاضحیٰ میں نماز سے پہلے کچھ نہ کھاتے بلکہ عیدگاہ سے واپس آکر قربانی کا گوشت کھاتے۔ عیدین کے لئے آپ غسل کرتے تھے، اس کے متعلق دو ضعیف حدیثیں ہیں، لیکن یہ ابن عمر سے ثابت ہے جو سنت کے سخت متبع تھے۔ عیدگاہ کے لئے آپؐ چھڑی لے کر پیدل چلتے اور اسی کا سترہ بنا کر نماز پڑھتے کیوں کہ عیدگاہ میں کوئی عمارت نہ تھی۔ عید الفطر کی نماز کچھ پہلے اور عید الاضحیٰ کی نماز کچھ بعد میں ادا کرتے تھے۔ ابن عمر اپنی شدت اتباع کے باوجود سورج نکلنے سے پہلے عیدگاہ کے لئے نہ نکلتے تھے، اور

گھر سے عید گاہ تک تکبیر کہتے جاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عید گاہ پہونچتے تھے تو اذان، اقامت اور الصلاۃ جامعۃ کہے بغیر نماز شروع کر دیتے۔ نماز عید سے پہلے یا بعد آپؐ یا صحابہ کوئی اور نماز نہیں پڑھتے تھے۔

آپؐ خطبہ سے پہلے دو رکعت نماز عید ادا کرتے۔ پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد متواتر سات تکبیریں کہتے اور ہر دو رکعتوں کے بعد معمولی سا وقفہ دیتے۔ ان تکبیرات کے درمیان آپؐ سے کوئی مخصوص ذکر ثابت نہیں، لیکن ابن مسعود سے مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ ابن عمر ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی کرتے تھے۔

جب آپؐ تکبیر پوری کر لیتے تو قرأت شروع کرتے، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قاف اور دوسری میں سورہ اقتربت اور کبھی سورہ اعلیٰ اور غاشیہ پڑھتے تھے، اس کے علاوہ کسی اور سورہ کا پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ جب قرأت سے فارغ ہوتے تو تکبیر کہہ کر رکوع میں جاتے۔ دوسری رکعت میں آپ متواتر پانچ تکبیریں کہتے، پھر قرأت شروع کرتے۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ لوگوں کی طرف رُخ کر لیتے اور لوگ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہتے، آپؐ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے، اگر کہیں لشکر بھیجنا ہوتا تو بھیجتے، کسی اور بات کا حکم دینا ہوتا تو دیتے۔ عید گاہ میں منبر نہ تھا، آپ زمین پر خطبہ دیتے تھے، اور صحیحین کی حدیث میں جو ذکر ہے کہ آپؐ اتر کر عورتوں کے پاس گئے تو اس کا معنی یہ ہے کہ آپؐ کہیں اونچی جگہ کھڑے تھے اور وہاں سے اتر کر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے۔ رہا مدینہ کا منبر تو اس کو سب سے پہلے مروان بن حکم نے نکالا تھا اور لوگوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اور اینٹ گارے کا منبر سب سے پہلے کثیر بن صلت نے مدینہ پر مروان کی گورنری کے زمانہ میں بنایا تھا۔

عیدگاہ میں نمازِ عید کے لئے آنے والوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی ہے کہ خطبہ کے لئے بیٹھیں یا چلے جائیں۔ اور جب جمعہ کے دن عید پڑ جائے تو یہ بھی رخصت ہے کہ جمعہ میں شریک ہوں یا صرف عید کی نماز پر اکتفار کر کے جمعہ کی جگہ ظہر پڑھ لیں۔ عیدگاہ کے لئے آنے جانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم مختلف راستے اختیار کرتے تھے۔

آپؐ سے مروی ہے کہ عرفہ (نویں تاریخ) کے دن فجر کی نماز سے ایام تشریق کے آخری دن عصر تک یہ تکبیر کہتے تھے، اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔

۱۷۔ فصل

گہن کی نماز کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بیان

سورج گرہن کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزی اور گھبراہٹ میں اپنی چادر گھسیٹتے ہوئے مسجد تشریف لے گئے۔ یہ گہن دن کے ابتدائی حصہ میں سورج کے دو تین نیزہ اوپر آنے کے بعد ہوا تھا۔ مسجد آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں ادا کیں۔ پہلی رکعت میں آپؐ نے سورہ فاتحہ کے ساتھ ایک لمبی سورہ بلند آواز سے پڑھی، پھر رکوع کیا جو طویل تھا، اس کے بعد آپؐ نے رکوع سے اٹھ کر ایک طویل قیام کیا جو پہلے قیام سے کچھ مختصر تھا۔ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے آپؐ نے "سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ" "رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدَ" پڑھا اور قرأت شروع کی پھر طویل رکوع کیا جو پہلے رکوع سے مختصر تھا، پھر آپؐ نے سجدہ کیا جو طویل تھا، اسی طرح آپؐ نے دوسری رکعت ادا کی۔ یعنی دو رکعت نماز میں چار رکوع اور چار ہی سجدے ہوئے۔

آپؐ نے اس نماز میں جنت و جہنم کو دیکھا اور جنت سے انگور کا ایک خوشہ بھی لینے کا ارادہ کیا تاکہ صحابہ کو دکھا سکیں۔ آپؐ نے جہنم میں عذاب پانے والوں کو بھی دیکھا، ان میں ایک عورت بھی تھی جسے ایک بلی نوچ رہی تھی، اس کو عورت نے دنیا میں باندھ کر بھوکی پیاسی مار ڈالا تھا۔ آپؐ نے عمرو بن مالک کو بھی دیکھا جو اپنی آنتوں کو جہنم میں گھسیٹ رہا تھا، اس شخص نے سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کے مذہب میں تبدیلی پیدا کی تھی۔ آپؐ نے حجاج کے چور کو بھی عذاب پاتے ہوئے دیکھا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپؐ نے ایک بلیغ و مؤثر خطبہ دیا۔ امام احمد نے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے حمد و ثنا اور کلمۂ شہادت کے بعد فرمایا: "اے لوگو، میں تمہیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ اگر اللہ کی رسالت کو پہنچانے میں مجھ سے کوتاہی ہوئی ہو تو مجھے بتاؤ"۔ کچھ لوگوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ، ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپؐ نے اللہ کے پیغام کو پہونچا دیا، اُمت کی خیر خواہی کا حق اور اپنا فرض ادا کر دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: سنو، کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سورج اور چاند میں گہن اور ستاروں کا زوال دنیا کے بڑے لوگوں کی موت کے سبب ہوتا ہے، لیکن ان کا یہ تصور غلط ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن سے اس کے بندے عبرت اندوز ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ کون توبہ کرتا ہے۔ بخدا میں نے کھڑے ہو کر وہ چیزیں دیکھی ہیں جو تمہیں دنیا اور آخرت میں پیش آئیں گی۔ بخدا جب تک تیس دجال ظاہر نہ ہو جائیں قیامت نہیں آئے گی ان میں آخری دجال کانا ہو گا، اس کی بائیں آنکھ مسخ ہو گی، انصاریوں کے یحییٰ ابوالشیخ کی آنکھ کی مانند۔ یہ دجال نکلنے کے بعد خدائی کا دعویٰ کرے گا جو اس کے دعویٰ کو سچا مان لے گا اس کا کوئی نیک عمل کام نہ دے گا اور جو اس کا انکار یا تکذیب کرے گا اس کو کسی گذرے ہوئے بُرے عمل کی سزا نہیں ملے گی۔

دجال، حرم اور بیت المقدس کے علاوہ زمین کے ہر حصہ پر غالب آجائے گا اور

مسلمانوں کو بیت المقدس میں محصور کر دے گا، اس وقت شدید زلزلہ آئے گا اور اللہ تعالیٰ دجال اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر دے گا، دیواروں اور درختوں کی جڑیں پکار پکار کر کہیں گی کہ اے مسلمان، یہ یہودی یا کافر ہے، آکر اسے قتل کر۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک ایسے بڑے بڑے امور کے بعد ہوگا جنھیں دیکھ کر تم پوچھو گے کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کسی کا ذکر کیا تھا؛ پھر پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گے اور ہر چیز فنا ہو جائے گی۔"

ایک روایت میں آیا ہے کہ آپؐ نے ہر رکعت میں تین یا چار رکوع کیے۔ یا ہر رکعت میں ایک رکوع کیا۔ لیکن اکابر ائمہ نے اس مضمون کی حدیثوں کو غلط بتایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گہن کے موقع پر اللہ کے ذکر، دعا، نماز، استغفار، صدقہ اور غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا ہے۔

۱۸۔ فصل

استسقاء کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے استسقاء (پانی کے لئے دعا) کئی طرح سے ثابت ہے۔

اول یہ کہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ کے دوران آپؐ نے دعا کی۔ دوم یہ کہ آپؐ نے لوگوں سے عیدگاہ چلنے کا وعدہ کیا، اور سورج نکلنے کے بعد تواضع، عجز، انکساری اور خشوع کے ساتھ چلے، عیدگاہ پہونچنے کے بعد آپؐ منبر پر چڑھ گئے (اگر اس کی حدیث صحیح ہو کیونکہ اس کے بارے میں دل میں کچھ کھٹک ہے) اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تکبیر کہی، آپؐ کے خطبہ اور دعا میں یہ کلام ثابت ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، الرَّحْمٰنِ — تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سارے جہاں

الرَّحِيْمِ، مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ، اَللّٰهُمَّ اَنْتَ اللّٰهُ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ تَفْعَلُ مَا تُرِيْدُ اَللّٰهُمَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، اَنْتَ الْغَنِيُّ وَنَحْنُ الْفُقَرَاءُ، اَنْزِلْ عَلَيْنَا الْغَيْثَ وَاجْعَلْ مَا اَنْزَلْتَ عَلَيْنَا قُوَّةً لَنَا وَبَلَاغًا اِلٰى حِيْنٍ۔

کا پروردگار ہے بڑا رحم کرنے والا، مہربان اور جزاء کے دن کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے، اے اللہ تو ہی معبود ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو جو چاہتا ہے کرتا ہے، تو بے نیاز اور ہم محتاج ہیں، ہمارے لئے بارش نازل فرما اور بارش کو قوت اور سہارا بنا۔

پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر عجز وانکساری کے ساتھ دعاء شروع کی اور ہاتھ اتنا زیادہ اٹھایا کہ بغل کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر لوگوں کی طرف پشت کر کے قبلہ کی طرف رخ کر لیا اور اپنی چادر پلٹ لی، دائیں طرف کے حصہ کو بائیں طرف اور بائیں طرف کے حصہ کو دائیں طرف کر لیا۔ آپؐ کی یہ چادر سیاہ مربع سیاہ تھی۔ قبلہ رُخ آپ اور صحابہ سبھی دعاء کرنے لگے۔ پھر منبر سے اتر کر آپؐ نے عید کی طرح بغیر اذان دو رکعت نماز ادا کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اعلیٰ اور دوسری میں سورہ غاشیہ پڑھی۔

سوم یہ کہ مدینہ کے منبر پر آپؐ نے جمعہ کے علاوہ بارش کے لئے دعاء کی، اس میں نماز کا ثبوت نہیں۔

چہارم یہ کہ آپؐ نے مسجد میں بیٹھے بیٹھے ہاتھ اٹھا کر بارش کے لئے دعا کی۔

پنجم یہ کہ آپؐ نے زَوْراء سے قریب اَحجارُ الزیت کے پاس جو مسجد کے باب السلام نامی دروازہ کے باہر واقع ہے، بارش کی دعاء کی۔

ششم یہ کہ آپؐ نے بعض غزوات میں اس وقت بارش کے لئے دعاء کی جب مشرکین نے پہلے پانی پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کو سخت پیاس کا سامنا کرنا پڑا، انھوں نے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، اس موقع پر منافقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اگر یہ نبی ہوتے تو موسیٰ علیہ السلام کی طرح اپنی قوم کے لئے پانی طلب کرتے۔ آپؐ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو فرمایا کہ: کیا انھوں نے ایسا کہا ہے؟ اب امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور پانی دے گا، پھر آپؐ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا شروع کی اور بادل چھانے تک دعا کرتے رہے۔ استسقاء کے بعد دو مرتبہ بارش ہوئی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے بارش کے لئے دعا کی تو ابو لبابہ صحابی نے کھڑے ہو کر کہا کہ اے اللہ کے رسول، کھجور

آپؐ نے فرمایا کہ، اے اللہ ہمیں سیراب کر یہاں تک کہ ابو لبابہ ننگے

کھڑے ہو کر

تو بارش ہونے لگی، صحابہ ابو لبابہ کے پاس آئے اور کہا کہ جب تک آپ ننگے کھڑے ہو کر

بارش بند نہ ہوگی، انھوں نے ایسا کیا تو بارش تھم گئی،

جب بارش زیادہ ہو جاتی تو صحابہ بارش بند ہونے کے لئے دعا کا سوال کرتے تھے اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا، اَللّٰھُمَّ عَلَی الظِّرَابِ وَالْاٰکَامِ وَالْجِبَالِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِیَۃِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ۔	اللہ پہاڑوں پر (برسا) اور ٹیلوں پر اور پہاڑوں پر اور وادیوں کے نشیب میں اور درختوں کے اگنے کی جگہوں پر۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش دیکھتے تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ صَیِّبًا نَافِعًا۔	اے اللہ اس بارش کو نفع بخش بارش بنا۔

اور اپنا کپڑا ہٹا دیتے تاکہ بدن کو پانی پہونچ سکے۔ آپؐ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ بارش نئی نئی اللہ تعالیٰ کے یہاں سے آرہی ہے۔

امام شافعی کا بیان ہے کہ معتبر شخص نے یزید بن عبد الہادی سے اور انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جب سیلاب کا پانی بہتا تو آپؐ فرماتے کہ ہمارے ساتھ اس پانی کی طرف چلو جسے اللہ نے طاہر بنایا ہے تاکہ ہم اس سے طہارت حاصل کریں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف کریں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بادل یا آندھی دیکھتے تو اس کا اثر آپؐ کے چہرے پر ظاہر ہو جاتا، آپؐ کبھی آگے بڑھ جاتے کبھی پیچھے ہٹتے، جب بارش ہو جاتی تو آپؐ کی گھبراہٹ دُور ہو جاتی، آپؐ کو ڈر رہتا تھا کہ بادل یا آندھی کے ساتھ عذاب نہ ہو۔

۱۹۔ فصل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر اور اس کی عبادتوں کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم چار مقاصد کے لئے سفر کرتے تھے، یعنی ہجرت، جہاد، عمرہ اور حج۔ جہاد کے لئے آپؐ کے سفر اکثر ہوتے تھے۔

سفر کا ارادہ کرنے کے بعد آپؐ قرعہ ڈالتے، اور جس بیوی کا نام نکلتا اس کو سفر میں ساتھ رکھتے، سفرِ حج میں آپ تمام ازواج کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ سفر میں آپ دن کے پہلے پہر نکلتے تھے اور جمعرات کے دن نکلنا آپؐ کو محبوب تھا۔ آپؐ نے یہ دعاء فرمائی ہے کہ اللہ! اُمت کے سویرے نکلنے میں برکت عطا فرما۔ آپؐ جب کوئی لشکر بھیجتے تو اسے بھی دن کے پہلے پہر بھیجتے۔ مسافروں کو آپؐ نے یہ حکم فرمایا ہے کہ جب وہ تین کی تعداد میں ہوں تو ایک کو اپنا امیر مقرر کرلیں۔ تنہا سفر کرنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے، آپؐ نے بتایا کہ ایک اور دو سوار شیطان ہیں، اگر تین ہوں تو قافلہ بنتا ہے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ

سفر کے لئے جب آپؐ اُٹھتے تھے تو یہ دعا فرماتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ تَوَجَّھْتُ وَبِکَ اِعْتَصَمْتُ اَللّٰھُمَّ اَکْفِنِیْ مَا اَھَمَّنِیْ وَمَا لَا اَھْتَمُّ لَہٗ، اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَوَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

اے اللہ میں تیری طرف متوجہ اور تیری پناہ میں ہوں، اے اللہ میرے لئے اہم اور غیر اہم چیز میں میری کفایت کر، تقویٰ کو میرا توشہ بنا، میرے گناہ بخش دے، جدھر توجہ کروں بھلائی کی طرف کردوں۔

سوار ہونے کے لئے آپؐ کے سامنے سواری آتی تو رکاب میں پیر رکھتے ہوئے آپؐ بسم اللہ پڑھتے، پھر اس پر بیٹھ کر یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ، وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کیلئے جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر کر دیا ورنہ ہم اس کو مسخر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف جانے والے ہیں۔

پھر آپؐ تین مرتبہ الحمد للہ اور تین مرتبہ اللہ اکبر پڑھتے تھے، اور اس کے بعد یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبْحٰنَکَ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

تو سارے عیوب سے پاک ہے، بلا شبہ میں نے اپنے اوپر ظلم کیا، اب تو مجھے بخش دے، تیرے سوا گناہوں کو کوئی نہیں بخشتا۔

آپؐ یہ دعا بھی پڑھتے تھے:

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَا

اے اللہ ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی، پرہیزگاری اور تیرا پسندیدہ عمل مانگتے ہیں تو اس سفر کو آسان

تَرْضٰی اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا سَفَرَنَا
ھٰذَا، وَاطْوِ عَنَّا بُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ
الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ فِی
الْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ
وَعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَاٰبَۃِ الْمَنْظَرِ وَ
سُوْءِ الْمُنْقَلَبِ فِی الْاَھْلِ وَالْمَالِ۔

فرما اور اس کی دوری کو سمیٹ دے، تو ہی سفر
کا ساتھی اور گھر والوں کا کارساز ہے، اے اللہ
سفر کی مشقت، بُری حالت کے دیکھنے اور
سفر کے پلٹنے کی برائی سے جو مال و اہل میں ہو
میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔

سفر سے واپسی کے بعد آپؐ مذکورہ دعا میں اتنا بڑھا کر پڑھتے تھے۔

اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا
حَامِدُوْنَ۔

ہم رکوع کرنے والے، توبہ کرنے والے، بندگی
کرنے والے، اپنے پروردگار ہی کا شکر کرنیوالے ہیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ جب کسی اونچی جگہ چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب
نشیبی زمین میں اترتے تو سبحان اللہ کہتے۔

جب آپؐ کسی ایسی بستی کو دیکھتے جس میں جانے کا ارادہ رکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا
اَظْلَلْنَ، وَرَبَّ الْاَرْضِیْنَ السَّبْعِ
وَمَا اَقْلَلْنَ، وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنَ وَمَا
اَضْلَلْنَ، وَرَبَّ الرِّیَاحِ وَمَا ذَرِیْنَ
اَسْئَلُكَ خَیْرَ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَ
خَیْرَ اَھْلِھَا وَخَیْرَ مَا فِیْھَا، وَاَعُوْذُبِكَ
مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَشَرِّ
مَا فِیْھَا۔

اے ساتوں آسمان اور ان کے زیر سایہ چیزوں
کے پروردگار، ساتوں زمینوں اور ان کی اٹھائی
چیزوں کے پروردگار، شیاطین اور ان کے گمراہ
کردہ لوگوں کے پروردگار، ہواؤں اور ان کو بکھری
کی ہوئی چیزوں کے پروردگار، میں تجھ سے اس
بستی کی اور اسمیں رہنے والے لوگوں کی اور اس کی
دوسری تمام چیزوں کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں
اور اس بستی کی، اس کے رہنے والوں کی اور اسمیں

موجودہ تمام چیزوں کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں چار رکعت والی نماز کو صرف دو رکعت پڑھتے تھے۔ امیۃ بن خالد کا بیان ہے کہ حضر اور خوف کی نماز ہمیں قرآن میں ملتی ہے، لیکن سفر کی نماز نہیں ملتی۔ ان سے ابن عمر نے کہا، میرے بھائی، اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے پاس بھیجا، اس وقت ہم کچھ نہیں جانتے تھے، ہم ہر کام اسی طرح کریں گے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپؐ فرض نماز پڑھتے تھے، سنتوں میں فجر کی سنت اور وتر کے علاوہ سفر میں کچھ اور پڑھنا آپؐ سے ثابت نہیں۔ لیکن آپؐ نے نفل سے منع نہیں فرمایا، لیکن اس کی حیثیت سنتِ مؤکدہ کی نہیں ہے۔ آپؐ سے یہ ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن چاشت کے وقت آپؐ نے آٹھ رکعتیں پڑھی تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل نماز سواری پر ادا کرتے تھے خواہ اس کا رخ کسی بھی طرف ہو، رکوع آپؐ اشارہ سے کرتے تھے۔ سورج ڈھلنے سے پہلے اگر آپؐ سفر کا ارادہ کرتے تو ظہر کو عصر تک مؤخر کرتے، اور اگر سفر سے پہلے سورج ڈھل جاتا تو ظہر کی نماز پڑھ کر آپؐ سوار ہو جاتے۔ اگر کسی سفر میں جلدی ہوتی تو مغرب کی نماز مؤخر کر کے عشاء کے ساتھ ادا کرتے۔ دو نمازوں کے مابین جمع کرنا سواری اور اُترنے کی حالت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں۔

٢٠۔ فصل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأتِ قرآن کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حزب کی پابندی کرتے تھے، اور ایک ایک حرف واضح

کر کے ترتیل کیساتھ پڑھتے تھے، ہر آیت پر ٹھہرتے تھے، مد کی جگہ مد کرتے تھے، الرحمٰن اور الرحیم کو کھینچتے تھے۔ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم، اور کبھی یہ کہتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ ھَمْزِہٖ وَنَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ	میں راندے ہوئے شیطان، اسکے وسوسہ، اس کی پھونک اور اسکے جادو سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں

دوسرے کی زبان سے قرآن سننا پسند کرتے تھے۔ آپؐ نے ابن مسعود کو قرآن پڑھنے کا حکم دیا اور خود سننے لگے۔ آپؐ پر خشوع طاری ہوا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔

آپؐ کھڑے بیٹھے، لیٹے، وضو، یا بغیر وضو ہر حالت میں قرآن پڑھتے تھے، کبھی کبھی نغمہ کے ساتھ آواز کھینچ کر بھی پڑھتے تھے۔ ابن مغفل نے آپؐ کے آواز کھینچنے کی تصویر اس طور سے پیش کی ہے۔ آآآ، اسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے۔ آپؐ کی حدیث:

زینوا القرآن باصواتکم۔	قرآن کو اپنی آواز سے زینت دو۔

اور حدیث:

ما اذن اللہ لشیئ کاذنہ لنبی حسن الصوت یتغنی بالقرآن۔	اللہ تعالیٰ نے اچھی آواز والے نبیؐ کو قرآن نغمہ کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

سے یہ ثابت ہے کہ آواز آپؐ قصد و اختیار سے کھینچتے تھے۔

غناء دو طرح کا ہوتا ہے، ایک تو فطری جس میں کوئی تکلف نہ ہو، یہ جائز ہے، خواہ قصداً تزئین کی جائے، کیوں کہ ابو موسیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میرا قرآن آپؐ سن رہے ہیں تو میں اچھی طرح پڑھتا، سلف اسی طرح کی تحسین کرتے تھے، اور اسی مفہوم پر تمام دلیلوں کو محمول کیا جائے گا

غناء کی دوسری صورت یہ ہے کہ اسے فن کی طرح الحان و اوزان کی قسموں کی

ساتھ سیکھا جائے، اسے سلف مکروہ جانتے تھے، کراہت کی دلیلوں سے یہی صورت مُراد ہے۔

۲۱۔ فصل

بیمار پرسی میں آپؐ کی سنتؐ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیماری میں صحابہ کی مزاج پرسی کے لئے جاتے تھے۔ یہودی خادم اور مشرک چچا کی عیادت بھی آپؐ سے ثابت ہے، آپؐ نے دونوں کے سامنے اسلام پیش کیا، اور یہودی نے اسلام قبول کر لیا۔

بیمار کے پاس جاکر آپؐ اس کے سر کے پاس بیٹھتے تھے اور حال دریافت کرتے تھے، دائیں ہاتھ سے مریض کو سہلاتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ اَذْهِبِ الْبَأْسَ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي، لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔

اے اللہ، سب کے پروردگار، بیماری کو دور کر دے اور شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے، شفا تیری ہی شفا ہے، ایسی شفا دے جو کسی بیماری کو باقی نہ چھوڑے۔

مریض کے لئے آپ تین بار دعا کرتے تھے، جیسا کہ آپؐ نے اللھم اشف سعدا (اے اللہ سعد کو شفا دے) فرمایا۔ مریض کے پاس جاکر آپؐ یہ دعا بھی پڑھتے تھے: لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ، کبھی کفارۃ وطھور کہتے تھے۔ یعنی کوئی حرج نہیں، یہ بیماری گناہوں سے پاک کرنے والی ہوگی، انشاءاللہ۔

اگر کسی کو پھوڑے، زخم یا کسی اور بیماری کی شکایت ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس کو جھاڑتے ہوئے شہادت کی انگلی زمین پر رکھ کر اٹھاتے اور یہ دعا پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا یُشْفٰی سَقِیْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا ۔ — اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین کی مٹی ہم میں سے بعض کے تھوک کیساتھ ہے، ہمارے بیمار کو پروردگار کے حکم سے شفا رلے گی ۔

یہ صحیحین کی روایت ہے، اس سے ستر ہزار والی حدیث میں آیا ہوا "لَا یَرْقُوْنَ" کا لفظ بالکل باطل ہو جاتا ہے، اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ راوی کی غلطی ہے (کیونکہ اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رقیہ منسوب ہے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ نہیں تھا کہ عیادت کے لئے کوئی دن یا کوئی وقت مخصوص کریں، بلکہ امت کے لئے آپؐ نے دن ورات میں ہر وقت عیادت کو مشروع قرار دیا ہے۔ آپؐ آنکھ کے مریضوں کی عیادت کے لئے بھی جاتے تھے۔ کبھی آپؐ مریض کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھتے، کبھی اس کے سینہ اور پیٹ کو سہلاتے اور فرماتے کہ اَللّٰھُمَّ اشْفِہٖ (یعنی اے اللہ، اسے شفا دے)۔ آپؐ مریض کا چہرہ بھی چھوتے تھے۔ آپؐ جب مریض کی صحت سے مایوس ہو جاتے تو یہ آیت پڑھتے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ — ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں

جنازہ کے سلسلے میں آپؐ کا طریقہ انتہائی مکمل اور تمام اقوام کے طریقوں سے بالکل مختلف تھا، اس میں میت اور اس کے اعزاو اقربا کے ساتھ احسان وسلوک کا لحاظ رکھا گیا تھا اور مردہ کے ساتھ معاملہ کرنے میں زندہ شخص کی حیثیت بندگی کی رعایت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بندگی بے حد اچھی طرح کرتے تھے اور میّت کو اچھے حال میں اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے تھے۔ آپؐ صحابہ کے ساتھ صف بستہ کھڑے ہو کر اللہ کی حمد کرتے اور مرنے والے کے لئے بخشش کی دعا کرتے پھر اس کے ساتھ جا کر اسے قبر

کے حوالہ کرتے اور صحابہ کے ساتھ کھڑے ہو کر اس کے لئے ثبات قدمی کی دعا کرتے پھر اس کی قبر پہ جا کر سلام و دعا کرتے ۔

مرض کی حالت ہی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آدمی کی نگہداشت شروع کر دیتے اسے آخرت کی یاد دلاتے، وصیت اور توبہ کا حکم دیتے اور اس کے پاس موجود رہنے والوں کو یہ حکم دیتے کہ قریب المرگ کو کلمہ کی تلقین کریں تاکہ اس کی آخری بات کلمہ ہی ہو پھر آپؐ نے ان قوموں کے دستور کی پابندی سے منع فرمایا جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتیں یعنی منہ پیٹنے اور چلاّ چلاّ کر ماتم و بین کرنے سے ۔

آپؐ نے موت پہ خشوع کا حکم فرمایا اور بغیر آواز رونے اور دل سے غمگین رہنے کی اجازت دی ۔ آپؐ فرماتے تھے کہ "آنکھ آنسو بہاتی ہے، دل غمگین رہتا ہے اور ہم کوئی ایسی بات نہیں کہتے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو ۔ امت کے لئے آپؐ نے الحمدللہ اور انا اللہ الخ پڑھنا اور اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا مسنون قرار دیا ہے ۔

میت کی تکفین و تجہیز میں آپؐ جلدی کرتے تھے، اسے غسل دیتے، خوشبو لگاتے سفید کپڑوں میں کفن دیتے پھر جنازہ کی نماز پڑھتے ۔ آپؐ مسجد کے اندر اور باہر دونوں جگہ جنازہ کی نماز پڑھتے تھے ۔ سہیل بن بیضاء اور ان کے بھائی کے جنازے کی نماز آپؐ نے مسجد کے اندر ہی پڑھی تھی ۔

آپؐ کا طریقہ یہ تھا کہ مرنے کے بعد میت کا منہ چھپا دیتے تھے اور آنکھیں بند کر دیتے تھے، کبھی آپؐ میت کا بوسہ بھی لیتے تھے، چنانچہ عثمان بن مظعون کا بوسہ لے کر آپؐ رو پڑے ۔

میت کے غسل دینے والے کے مطابق آپؐ تین، یا پانچ یا اس سے زائد مرتبہ غسل کا حکم دیتے تھے اور آخری مرتبہ کافور استعمال کرنے کو کہتے تھے ۔

جنگ میں شہید ہونے والے کو آپؐ غسل نہیں دیتے تھے۔ بلکہ زرہ اور ہتھیار وغیرہ اتار کر اسی کپڑے میں دفن کر دیتے تھے اور نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے۔ احرام کی حالت میں فوت ہونے والے کو آپؐ نے پانی اور بیر سے غسل دینے کا حکم دیا اور احرام ہی کے کپڑے میں کفن دیا، اسے خوشبو لگانے اور سر چھپانے سے آپؐ نے منع کیا۔ میت کے متعلقین کو آپؐ اچھے سفید کفن کا حکم دیتے تھے اور زیادہ مہنگے کفن سے منع کرتے تھے اگر کفن چھوٹا ہوا اور پورا بدن نہ چھپ سکے تو سر کی طرف کا حصہ چھپایا جائے گا اور پیر پر گھاس وغیرہ قسم کی کوئی چیز ڈال دی جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی مردہ نماز جنازہ کے لیے لایا جاتا تو آپؐ پوچھتے کہ اس پر قرض ہے یا نہیں؟ اگر قرض نہ ہوتا تو آپؐ اس پر نماز پڑھتے، اور اگر ہوتا تو خود نہ پڑھتے بلکہ صحابہ کو نماز کا حکم دیدیتے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آپؐ کی نماز مغفرت کو واجب بنانے والی شفاعت کا حکم رکھتی ہے، اور مقروض کا قرض اس کے جنت میں داخلہ کے مانع ہے۔ چنانچہ جب فتوحات کے سبب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دولت آگئی تو قرضدار پر آپؐ نماز پڑھنے لگے، کیونکہ اپنے مال سے اس کا قرض ادا کرنے کی سہولت آپؐ کو حاصل ہو گئی، آپؐ اس کا متروکہ مال اس کے ورثا کے حوالے کر دیتے تھے۔

جب آپؐ جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر، تحمید اور ثنا پڑھتے۔ ابن عباس نے ایک جنازہ پر نماز پڑھی تو پہلی تکبیر کے بعد بلند آواز سے سورہ فاتحہ پڑھی اور کہا "تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ سنت ہے۔

ہمارے شیخ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ سورہ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں، بلکہ سنت ہے ابوامامۃ بن سہل نے صحابہ کی ایک جماعت سے جنازہ کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر

درود کا ذکر کیا ہے۔

یحیٰی بن سعید انصاری نے سعید مقبری سے اور انھوں نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے عبادہ بن صامت سے نماز جنازہ کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں، ابتداء میں تکبیر کہو، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجو اور یہ دعاء پڑھو

اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ فُلَانًا كَانَ لَا يُشْرِكُ بِكَ، وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِهٖ، اِنْ كَانَ مُحْسِنًا فَزِدْ فِي اِحْسَانِهٖ، وَ اِنْ كَانَ مُسِيْئًا فَتَجَاوَزْ عَنْهُ، اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهٗ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهٗ۔

اے اللہ تیرا فلاں بندہ تیرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا، تو اس کو خوب جانتا ہے، اگر نیک ہو تو اس کی نیکی میں اضافہ کر، اگر بدکار ہو تو درگذر فرما، اے اللہ اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر، اور اس کے بعد ہمیں گمراہ نہ کر۔

مردہ پر نماز کا مقصد دعاء ہے، اسی وجہ سے یہ آپؐ سے ثابت ہے، اور دعاء کا جتنا ذکر ہے اتنا سورہ فاتحہ یا درود کا ذکر نہیں۔ آپؐ سے یہ دعاء بھی ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ فِي ذِمَّتِكَ وَحَبْلِ جِوَارِكَ، فَقِهٖ فِتْنَةِ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ، وَاَنْتَ أَهْلُ الْوَفَاءِ وَالْحَقِّ، فَاغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ، اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ

اے اللہ فلاں بن فلاں تیری پناہ اور تیری ہمسائگی کے امان میں ہے، تو اسے قبر کے فتنہ اور جہنم کی آگ سے نجات دے، تو وفا اور حق والا ہے، اے اللہ تو اسے بخش دے اور اس پر رحم فرما، بیشک بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

یہ دعاء بھی آپؐ سے ثابت ہے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبُّهَا وَاَنْتَ خَلَقْتَهَا وَ اَنْتَ رَزَقْتَهَا وَاَنْتَ هَدَيْتَهَا

اے اللہ تو اس میّت کا رب ہے، تونے اسے پیدا کیا، رزق دیا، اسلام کی توفیق دی اور اس

لِلْاِسْلَامِ وَ اَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَهَا، تَعْلَمُ سِرَّهَا وَعَلَانِيَتَهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهَا۔

کی روح قبض کیا، تو اس کے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، ہم سفارشی بنکر آئے ہیں، پس تو اسے بخش دے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میّت کے لئے دعاء کا حکم دیتے تھے۔

جنازہ کی نماز میں آپؐ چار تکبیریں کہتے تھے، پانچ تکبیریں بھی آپؐ سے ثابت ہیں، صحابہ سے چار، پانچ اور چھ تکبیریں بھی ثابت ہیں۔ علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ سے کہا کہ معاذ کے کچھ ساتھی شام سے آئے ہیں جنھوں نے اپنے مردہ کی نماز جنازہ میں پانچ تکبیریں کہی ہیں۔ انھوں نے کہا کہ میّت پر تکبیر میں کوئی وقت نہیں، امام جتنی تکبیریں کہے اتنی تکبیریں کہو اور جب ختم کرے تو ختم کردو۔

امام احمد سے پوچھا گیا کہ صحابہ میں سے کسی کے بارے میں آپ کو معلوم ہے کہ وہ جنازہ کی نماز میں دو سلام پھیرتے تھے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں، لیکن چھ صحابیوں کے بارے میں منقول ہے کہ وہ دائیں طرف ایک ہلکا سلام پھیرتے تھے، انھوں نے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ اور ابوہریرۃ کا نام لیا۔

نماز جنازہ میں رفع یدین سے متعلق امام شافعی کا قول ہے کہ اثر صحابی کی وجہ سے اور نماز میں سنت پر قیاس کرتے ہوئے جنازہ میں بھی رفع یدین کیا جائے گا۔ اثر سے ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت انس اور ابن عمر سے منقول ہے کہ وہ جنازہ کی ہر تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے۔ جنازہ پر نماز فوت ہو جاتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر نماز پڑھ لیتے تھے۔ ایک مرتبہ آپؐ نے ایک رات، ایک مرتبہ تین رات بعد اور ایک مرتبہ ایک مہینہ بعد نماز جنازہ پڑھی ہے۔ آپؐ سے اس سلسلہ میں کوئی وقت کی تحدید نہیں مذکور ہے امام مالک کے یہاں ولی کے علاوہ کسی کو بعد میں نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت نہیں۔

جنازہ کی نماز میں آپؐ مرد کے سر کے مقابل اور عورت کے درمیان میں کھڑے ہوتے تھے۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی آپؐ پڑھتے تھے۔ خودکشی کرنے والے اور غنیمت میں خیانت کرنے والے پر آپؐ نماز جنازہ نہیں پڑھتے تھے، زنا وغیرہ کی حدمیں مرنے والے پر آپؐ کی نماز پڑھنے کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ ثابت ہے کہ آپؐ نے قبیلہ جہینہ کی جس عورت کو رجم کیا تھا اس کی نماز جنازہ پڑھی تھی، البتہ ماعز کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے، جس کی توجیہ کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ روایت کے الفاظ میں تعارض نہیں، کیوں کہ اس میں صلاۃ سے دعاء مُراد ہے، اور ماعز کے جنازہ کی نماز آپؐ نے ازراہ تادیب وتحذیر چھوڑ دی تھی۔ یا پھر یہ کہا جائے کہ جب حدیث کے الفاظ میں تعارض ہے تو دوسری حدیث کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنازہ کی نماز کے بعد قبرستان تک پیدل جنازہ کے آگے آگے جاتے تھے، سوار کو آپؐ نے جنازہ کے پیچھے چلنے کا حکم دیا ہے، پیدل چلنے والے کے جنازہ کے قریب یا پیچھے یا آگے یا دائیں یا بائیں کہیں بھی رہنے کی اجازت ہے۔ جنازہ کو آپؐ تیزی سے چلنے کا حکم دیتے تھے چنانچہ صحابہ تقریباً دوڑتے ہوئے لیکر چلتے تھے آپؐ جنازہ کے پیچھے پیدل چلتے تھے اور فرماتے تھے کہ فرشتے پیدل چلتے ہیں، اس لئے میرا سوار ہوکر چلنا مناسب نہیں، البتہ واپسی میں اکثر سوار ہوکر آتے تھے۔ جنازہ کو رکھنے سے پہلے آپؐ بیٹھتے نہیں تھے اور فرماتے تھے کہ جب جنازہ کے ساتھ چلو تو اس کے رکھے جانے سے پہلے نہ بیٹھو۔

ہر مرنے والے کی نماز جنازہ غائبانہ پڑھنا آپؐ کی سنت نہیں، البتہ یہ ثابت ہے کہ نجاشی کی نماز جنازہ غائبانہ آپؐ نے پڑھی تھی۔ غائبانہ نماز کا پڑھنا اور چھوڑنا دونوں سنت ہے۔ اگر کوئی شخص ایسی جگہ مرجائے جہاں اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی گئی ہو تو اس کی نماز

پڑھی جائے گی، کیوں کہ نجاشی کا انتقال کافروں کے درمیان ہوا تھا اور وہاں ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے جنازہ گذرنے کے وقت کھڑے ہونے کا حکم دیا ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ گذرتے ہوئے آپؐ بیٹھے رہے۔ اس وجہ سے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ کھڑا ہونا منسوخ ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دونوں صورت جائز ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم استحباب کو بتانے کیلئے کھڑے ہوئے تھے اور جواز کو بتانے کے لئے نہیں کھڑے ہوئے۔ یہی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ مردہ کو سورج نکلنے، ڈوبنے اور زوال کے وقت دفن نہ کیا جائے۔

یہ بھی سنت ہے کہ قبر بغلی، گہری اور سرہانے، پائتانے کشادہ ہو۔ منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مردہ کو قبر میں رکھتے ہوئے یہ الفاظ ادا کرتے تھے، بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں، بِسْمِ اللّٰهِ وَفِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر (اس میت کو قبر میں رکھتا ہوں)۔

یہ بھی مذکور ہے کہ دفن کے وقت میت کے سرہانے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تین لپ مٹی ڈالتے تھے، اور جب دفن سے فارغ ہوتے تو صحابہ کے ساتھ قبر پر کھڑے ہو کر مردہ کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرتے، اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر بیٹھ کر پڑھتے نہیں تھے، نہ میت کی تلقین کرتے تھے، قبروں کو بلند کرنا، پکی بنانا، لیپنا یا ان پر قبہ بنانا آپؐ کا طریقہ نہیں۔ آپؐ نے حضرت علی کو یہ حکم دے کر بھیجا تھا کہ جو مجسمہ نظر آئے اسے مسخ کر دو، اور جو اونچی قبر ملے اسے برابر کر

دو۔ اسی وجہ سے تمام اونچی قبروں کو برابر کرنا سنت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر پہ گچ بنانے، کچھ تعمیر کرنے اور کچھ لکھنے سے منع فرمایا ہے۔ پہچان کے لئے آپؐ نے پتھر رکھنے کی اجازت دی ہے۔ قبروں کو مسجد بنانے اور ان پر چراغ جلانے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لعنت کی ہے۔ قبروں کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے اور اپنی قبر کو میلہ و عید بنانے سے بھی منع کیا ہے۔

قبروں کی توہین کرنا، ان کو روندنا، ان پر بیٹھنا اور ان پر ٹیک لگانا آپؐ کی سنت نہیں۔ جس جگہ قبروں کو مسجد، میلہ اور بت بنایا جاتا ہے وہاں قبروں کی تعظیم نہیں کرنی چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا و استغفار کے لئے صحابہ کی قبروں کی زیارت کرتے تھے، اسی طرح کی زیارت کو آپؐ نے مسنون بتایا ہے اور مسلمانوں کو زیارت کے وقت یہ دعا پڑھنے کا حکم دیا ہے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ، وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ، نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔	سلامتی ہو تم پر اے ایماندار اور مسلمان گھر والو، ان شاء اللہ ہم تم سے ملنے والے ہیں، ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ سے عافیت طلب کرتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبروں کی زیارت کے وقت وہی کچھ کرتے اور کہتے تھے، جو نماز جنازہ کے وقت کرتے اور کہتے تھے، لیکن مشرکوں نے میّت کو پکارنا، اس کو شریک کرنا، اس سے حاجتیں مانگنا، مدد چاہنا اور اس کی طرف توجہ کرنا شروع کر دیا جو آپؐ کی سنت کے بالکل مخالف ہے، آپؐ کی سنت میں توحید اور مردہ کے ساتھ بھلائی کا لحاظ ہوتا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم میّت کے گھر والوں کی تعزیت کرتے تھے لیکن کسی مُردہ

کے لئے جمع ہونا اور قبر وغیرہ پہ قرآن پڑھنا آپؐ کی سنت نہیں ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ بھی ہے کہ میت والے دوسروں کے لئے کھانا نہ تیار کریں بلکہ لوگ خود ان کے لئے کھانا تیار کریں۔ آپؐ مرنے والے کا باقاعدہ گلی کوچوں میں اعلان نہیں کراتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایسا کرنا جاہلی زمانہ کا فعل ہے۔

۲۲۔ فصل

صلاۃ خوف کا بیان

خوف اور سفر کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے نماز کے ارکان اور اس کی تعداد دونوں میں کمی کی اجازت دی ہے، اور اگر سفر میں خوف نہ ہو تو صرف تعداد میں کمی مباح ہے، اور جب صرف خوف ہو سفر نہ ہو تو تنہا ارکان میں کمی کی اجازت ہے۔ آیت قرآنی میں قصر کو سفر اور خوف سے مقید کرنے کی حکمت یہی ہے۔

جب دشمن قبلہ کی جانب ہوتا تھا تو خوف کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ اپنے پیچھے مسلمانوں کو دو صفوں میں تقسیم کر دیتے تھے، آپؐ نماز کے لئے تکبیر کہتے تو سب لوگ آپؐ کے ساتھ تکبیر کہتے، پھر سب لوگ رکوع کرتے اور رکوع سے اٹھتے، پھر پہلی صف کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سجدہ کرتے اور دوسری صف والے دشمن کے مقابل کھڑے رہتے، اور جب آپؐ دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہو جاتے تو دوسری صف والے اپنے دونوں سجدے کرتے، پھر کھڑے ہو کر دوسری صف کی جانب بڑھتے اور دوسری صف والے پیچھے آکر پہلی صف والوں کی جگہ لے لیتے

تاکہ پہلی صف کی فضیلت دونوں صف والوں کو حاصل ہو جائے اور دوسری صف والے بھی آپؐ کے ساتھ دو سجدے پا جائیں، یہ انتہا درجہ کے انصاف کی ایک مثال ہے۔
دوسری رکعت میں جب آپؐ رکوع کرتے تو دونوں صف والے پہلی رکعت کی طرح آپؐ کے ساتھ رکوع کرتے، اور جب آپؐ تشہد کے لئے بیٹھتے تو پچھلی صف والے اپنے دونوں سجدے کر لیتے، پھر تشہد میں سب آپؐ کے ساتھ ہو جاتے پھر آپؐ سلام پھیرتے
اور اگر دشمن قبلہ کے بجائے کسی اور سمت میں ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو مسلمانوں کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دشمن کے مقابلہ میں چھوڑ دیتے اور دوسرے گروہ کو لے کر نماز پڑھتے، یہ گروہ ایک رکعت پڑھ کر واپس ہو جاتا اور دوسرا گروہ آکر آپؐ کے ساتھ دوسری رکعت پڑھتا، پھر آپؐ سلام پھیر دیتے اور دونوں گروہ ایک ایک رکعت بعد میں پوری کر لیتے۔ کبھی آپؐ دو جماعتوں میں سے ایک کو ایک رکعت پڑھا کر کھڑے رہتے اور وہ دوسری پوری کر کے واپس چلی جاتی، اور پھر دوسری جماعت آکر آپؐ کے ساتھ دوسری رکعت ادا کرتی۔ جب آپؐ تشہد میں بیٹھتے تو یہ اُٹھ کر ایک رکعت پوری کرتی، آپ تشہد میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتے اور اس کی شرکت کے بعد سلام پھیرتے
کبھی آپؐ ایک جماعت کو دو رکعتیں پڑھا کر سلام پھیر دیتے، پھر دوسری جماعت آتی تو اس کو بھی آپؐ دو رکعت پڑھا کر سلام پھیر دیتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ آپؐ کے ساتھ ایک رکعت پڑھ کر ایک جماعت چلی جاتی اور ایک رکعت قضا نہ کرتی، پھر دوسری جماعت آتی تو اس کو بھی آپؐ ایک ہی رکعت پڑھاتے اور وہ بھی دوسری رکعت قضا نہ کرتی، اس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو رکعت پوری ہو جاتی اور عام لوگوں کی صرف ایک ایک رکعت ہوتی۔ یہ تمام صورتیں نماز میں جائز ہیں۔

امام احمد کا قول ہے کہ چھ یا سات طریقے مروی ہیں اور سب جائز ہیں۔ اور اس

کا صاف معنی یہ ہے کہ یہ صورت جائز ہے کہ ہر جماعت آپ کے ساتھ صرف ایک رکعت پڑھے اور پھر دوسری قضاء نہ کرے، یہ جابرؓ، ابن عباسؓ، طاؤس، مجاہد، حسن، قتادہ، حکم اور اسحاق کا مذہب ہے۔

بعض لوگوں نے نماز خوف کی دس صورتیں لکھی ہیں، ابن حزم نے تقریباً پندرہ صورتیں بتائی ہیں، لیکن صحیح وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے کیا ہے۔ لوگوں نے ایک ہی واقعہ میں راویوں کے اختلاف کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کی مختلف صورتوں پر محمول کیا ہے۔

۲۳۔ فصل

زکوٰۃ کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کے سلسلہ میں مکمل طریقہ پیش کیا ہے، اس کا وقت، مقدار و نصاب، کس پر واجب ہے اور کس پر خرچ کی جائے گی، ان تمام چیزوں کو آپؐ نے واضح فرمایا ہے، مالداروں اور مسکینوں سب کے فائدے کا آپؐ نے لحاظ فرمایا ہے۔ زکوٰۃ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال اور صاحب مال کے لئے باعث پاکی بتایا ہے یا مالداروں کی نعمت کو آپؐ نے زکوٰۃ کے ذریعہ محفوظ کیا ہے، چنانچہ مال کی نعمت زکوٰۃ دینے والے سے زائل نہیں ہوتی، بلکہ زکوۃ مال کی حفاظت اور اضافہ کا سبب ہے۔

آپؐ نے چار قسم کے سامان میں زکوٰۃ کا حکم دیا ہے، کیوں کہ یہی سامان لوگوں میں زیادہ رائج اور ان کے لئے ضروری ہیں۔

اول غلہ اور پھل

دوم جانوروں میں اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری۔

سوم سونا اور چاندی جن سے پوری دنیا کے مالی نظام کو قرار ہے۔
چہارم مختلف قسموں کے تجارتی مال۔

زکوٰۃ کی ادائیگی ہر سال ضروری ہے۔ پھل اور غلہ جب بھی مکمل طور پر تیار ہو جائے اس میں زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، اور یہی قرین انصاف ہے، کیونکہ ہر ہفتہ یا ہر مہینے زکوٰۃ ضروری قرار دینے میں مال کے مالکوں کا نقصان ہے، اور پوری زندگی میں صرف ایک مرتبہ زکوٰۃ ضروری قرار دینے میں مسکینوں کا نقصان ہے۔ پھر شریعت نے مال کے حصول میں آسانی یا محنت کے لحاظ سے زکوٰۃ میں واجب ہونے والی مقداریں بھی کمی بیشی رکھی ہے۔ چنانچہ مجموعی طور پر اتفاق سے حاصل ہو جانے والے مدفون مال (رکاز) میں پانچواں حصہ واجب ہے اور سال گذرنے کی شرط نہیں، اس سے کچھ زیادہ مشقت سے حاصل ہونے والے مال یعنی بارش سے سیراب ہونے والے پھل یا غلہ میں دسواں حصہ واجب ہے، جسے انسان خود سینچے اس میں بیسواں حصہ واجب ہے، اور جس مال میں مالک کی مسلسل کوشش اور تگ و دو کے بغیر اضافہ ممکن نہیں، اس میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔

پھر چونکہ ہر مال میں مواسات کی گنجائش نہیں اس لئے جس میں مواساۃ کی گنجائش ہے، اس میں اسی لحاظ سے نصاب مقرر کیا گیا ہے تاکہ مالکوں کا نقصان نہ ہو سکے اور غریبوں کا بھی کام چل جائے، چنانچہ چاندی کے لئے دو سو درہم، سونے کے لئے بیس مثقال (ساڑھے سات تولہ) غلہ اور پھل کے لئے پانچ وسق، بکریوں کے لئے چالیس، گائے کے لئے تیس اور اونٹ کے لئے پانچ کا نصاب مقرر کیا ہے، لیکن چونکہ اونٹ کے نصاب میں اسی کی جنس سے مواساۃ کی گنجائش نہیں اس لئے اس میں ایک بکری واجب کی گئی ہے، البتہ جب پچیس اونٹ ہو جائیں تو نصاب میں گنجائش کی وجہ سے ایک اونٹنی واجب ہو جاتی ہے جو دوسرے سال میں لگی ہو، پھر ۳۶ اونٹوں سے ۴۵ تک ایک ایک اونٹنی جو تیسرے

"

برس میں لگی ہو، اور چھیالیس سے لے کر ساٹھ تک ایک اونٹنی جو چوتھے برس میں لگی ہو۔ اور اکسٹھ سے لے کر پچھتر تک ایک اونٹنی جو چار سال مکمل کر چکی ہو، اور ۷۶ سے ۹۰ تک دو دو اونٹنیاں جو پانچ سال مکمل کر چکی ہوں اور جب ایک سو بیس اونٹ سے زیادہ ہوں تو ہر چالیس پر دو سالہ اونٹنی۔ اس طرح شریعت نے مال کے مالکوں اور مسکینوں، دونوں کا لحاظ رکھا ہے اور کسی ایک فریق پر ظلم کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کی خود ہی تقسیم کر دی ہے اور اس کے آٹھ مصارف بتا دیتے ہیں، جن میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو وہ جنھیں ضرورت کی بنا پر دیا جاتا ہے بعض زیادہ ضرورتمند ہوتے ہیں اور بعض کم مثلاً فقیر، مسکین، غلام اور مسافر۔ دوم وہ جنھیں مسلمانوں کے فائدے کے لیئے دیا جاتا ہے مثلاً زکوٰۃ وصول کرنے والے، دل جوئی کے مستحق لوگ، باہمی اصلاح کی وجہ سے مقروض اور راہ خدا میں جہاد کرنے والے۔ اسلیئے اگر کوئی محتاج نہ ہو یا اس سے مسلمانوں کو فائدہ نہ ہو تو اسے زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائیگا۔

۲۴۔ فصل

زکوٰۃ کے مال کی تقسیم کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ کا مال مستحق افراد کو دیتے تھے، اور اگر آپؐ سے کوئی ایسا آدمی مانگتا جس کے حال سے آپؐ کو واقفیت نہ ہو تو آپؐ اسے یہ بتا کر دیتے تھے کہ اس کا مستحق مالدار یا روزی کمانے پر قدرت رکھنے والا شخص نہیں ہے۔

جس شہر سے زکوٰۃ کا مال جمع ہوتا پہلے اسی کے مستحق لوگوں کو آپؐ دیتے تھے۔ ان کو دینے کے بعد جو مال بچتا اسے اپنے پاس منگا کر تقسیم کرتے تھے۔ محصلین کو آپؐ

بادیہ میں بھیجتے تھے لیکن شہروں میں نہیں، بلکہ حضرت معاذ کو آپؐ نے یہ حکم فرمایا تھا کہ یمن والوں سے زکوٰۃ لے کر وہیں کے فقیروں کو دے دی جائے۔

ظاہری جائدادیں جن کے پاس مویشی، کھیتی اور پھل ہوتے تھے اُنہیں کے پاس آپؐ محصل بھیجتے تھے۔ کھجور اور انگور کے باغ میں پھلوں کا اندازہ کرنے والوں کو ارسال کرتے تھے اور اندازہ کے مطابق زکوٰۃ متعین کرتے تھے، پھلوں کو نقصان پہونچنے کی صورت میں اندازہ کرنے والا اس کا لحاظ کرتا تھا۔ اندازہ کی ضرورت اس لئے پیش آتی تھی کہ پھل کے استعمال سے پہلے یہ بات معلوم ہو سکے کہ اس میں کتنی زکوٰۃ واجب ہے تاکہ مالکین کو اس میں تصرف کا موقع حاصل رہے، اور محصل کی آمد کا انتظار نہ کرنا پڑے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سواری کے گھوڑے، خدمت کے غلام، کام کاج کے خچر اور گدھے، ترکاریوں اور کھانے پکانے کے غلہ جات اور انگور وکھجور کے علاوہ ان پھلوں سے جو ناپے یا ذخیرہ نہ کئے جاسکیں، زکوٰۃ نہیں لیتے تھے۔ جب کوئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زکوٰۃ لے کر آتا تو کبھی آپؐ اس کو یہ دعاء دیتے:

اللّٰهُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَفِيْ اِبِلِهٖ — اے اللہ، اس میں اور اس کے اونٹوں میں برکت عطا فر

اور کبھی یہ فرماتے:

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ۔ — اے اللہ، اس پر رحمت نازل فرما۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپؐ زکوٰۃ میں چھانٹ کر اچھا مال نہیں لیتے تھے، بلکہ درمیانی لیتے تھے، اور صدقہ کرنے والے کو اپنا ہی مال یا سامان خریدنے سے آپؐ منع فرماتے تھے۔ مالدار آدمی کو فقیر کا ہدیہ میں دیا ہوا زکوٰۃ کا سامان کھانا جائز ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے فائدے کے لئے کبھی کبھی زکوٰۃ کے مال سے قرض لیتے تھے۔ صدقہ کے اونٹوں کو اپنے ہاتھ سے نشان لگاتے تھے۔ ضرورت کے وقت زکوٰۃ وقت سے

پہلے لیتے تھے، جیسا کہ حضرت عباس سے آپؐ نے ایک ساتھ دو سال کی زکوٰۃ لے لی تھی۔

صدقۂ فطر ہر شخص اور اس کے چھوٹے بڑے ماتحت لوگوں سے لیتے تھے جس کی مقدار ایک صاع ہوتی تھی، اس صدقہ میں کھجور، جو، پنیر اور منقی دیا جاتا ہے، ایک صاع آٹا اور آدھ صاع گیہوں بھی دینا آپؐ سے مروی ہے، جیسا کہ ابوداؤدؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور صحیحین میں یہ مروی ہے کہ آدھ صاع کا فیصلہ حضرت معاویہ نے قیمت کے لحاظ سے کیا تھا

صدقۂ فطر آپؐ عید کو جانے سے پہلے دیدیتے تھے، صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر لوگوں کے نماز کو نکلنے سے پہلے نکالنے کا حکم دیا ہے۔ سنن میں مروی ہے کہ جو نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کرے اس کا صدقہ مقبول اور باعث تزکیہ ہوگا کیونکہ جو نماز کے بعد ادا کرے وہ عام صدقہ کی حیثیت کا ہوگا۔ ان دونوں حدیثوں کا تقاضہ یہ ہے کہ صدقۂ فطر کو نماز سے مؤخر نہیں کرنا چاہیئے، اور نماز سے فراغت کے بعد اس کا وقت ختم ہو جاتا ہے، جس طرح قربانی اگر امام کی نماز سے قبل کیجائے تو عام ذبیحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

صدقۂ فطر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور پر مسکینوں کو دیتے تھے، اور زکوٰۃ جن آٹھ قسم کے لوگوں کو دی جاتی ہے ان کو نہیں دیتے تھے، ایسا کرنا صحابہ یا بعد کے کسی شخص سے بھی ثابت نہیں۔

۲۵۔ فصل

نفل صدقات کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ صدقہ دیتے

تھے، اور اللہ تعالیٰ کے لئے جو کچھ آپؐ دیدیتے تھے اسے زیادہ یا کم تصور نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کے پاس موجود کوئی چیز اگر کوئی مانگتا تو ضرور دیتے، اور لینے والے کو لے کر جتنی خوشی ہوتی اس سے زیادہ خوشی آپؐ دینے میں محسوس کرتے۔ کوئی محتاج آپؐ کے سامنے آجاتا تو لباس وخوراک کے معاملہ میں اس کو اپنے اوپر ترجیح دیتے تھے۔

آپؐ کی بخشش اور صدقہ کی صورتیں مختلف تھیں، کبھی تو آپؐ ہدیہ دیتے، کبھی صدقہ، کبھی ہبہ، کبھی کوئی چیز خریدتے پھر بیچنے والے کو سامان اور قیمت دونوں دے دیتے، کبھی قرض لے کر اس سے زیادہ واپس کرتے۔ جب ہدیہ قبول کرتے تو اس کا مختلف طور سے بدلہ دیتے۔ آپؐ دوسروں کے ساتھ مالی، عملی اور قولی ہر طرح کا تعاون کرتے تھے، چنانچہ اپنا مال صدقہ میں دیتے، دوسروں کو صدقہ کا حکم دیتے اور اس پر ابھارتے اور اس طرح بخیل آپؐ کو دیکھ کر صدقہ وخیرات کا سبق سیکھا کرتے تھے۔

آپؐ سے ملنے والے خود سخاوت ومروّت پر مجبور ہو جاتے تھے، آپؐ کا سینہ کھلا اور طبیعت پاکیزہ تھی کیوں کہ صدقہ اور احسان کی شرح صدر میں خاص دخل اور تاثیر ہے اللہ تعالیٰ نے رسالت کے ذریعہ بھی آپؐ کے سینہ کو کھول دیا تھا، محسوس طور پر بھی آپؐ کے سینہ کو کھول کر اللہ تعالیٰ نے شیطان کا حصّہ اس سے نکال دیا تھا۔

شرح صدر کا سب سے بڑا سبب تو توحید ہے، توحید میں جس قدر کمال، قوت اور زیادتی ہوگی اس لحاظ سے انسان کا سینہ کھلا رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰہُ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَھُوَ عَلٰی نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّہٖ ۔ (۲۲۔ الزمر)	اب کیا وہ شخص جسکا سینہ اللہ نے اسلام کیلئے کھولدیا ہو اور وہ اپنے رب کیطرف سے ایک روشنی پر چل رہا ہے۔

مزید فرمایا کہ:

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ	اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہتا ہے اس کا

يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ، وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا۔ (انعام-۱۲۵)

سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جس کو گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔

شرح صدر کا دوسرا سبب ایمان کی وہ روشنی ہے جسے اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے، ترمذی کی مرفوع حدیث میں وارد ہے کہ روشنی جب دل میں داخل ہوتی ہے تو وہ کشادہ ہو جاتا ہے اور کھل جاتا ہے۔

اس کا ایک سبب علم ہے، اس لئے کہ اس سے سینہ میں انشراح اور کشادگی پیدا ہو جاتی ہے، مگر یہ اثر صرف اس علم کا ہوتا ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں کو ملا ہو۔

ایک سبب اللہ کی طرف رجوع اور محبت قلبی ہے۔ شرح صدر میں محبت کی تاثیر بھی نرالی ہے، اس سے طبیعت میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے، محبت جس قدر قوی ہوگی، اس اعتبار سے سینہ کا انشراح ہوگا، اور جب بیکار باش لوگوں پر نظر پڑے گی تو سینہ تنگ ہوگا۔

ایک سبب دائمی مرکزہ ہے، اس کا بھی شرح صدر میں خاص اثر ہے۔

ایک سبب مخلوق کے ساتھ احسان ہے، خواہ بذریعہ مال ومنصب ہو، یا بذریعہ جسم ومحنت۔

ایک سبب بہادری ہے، بہادر آدمی کا دل ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ اسی لئے بزدل، بخیل، ذکر الٰہی سے غافل، دین سے ناواقف اور دل کو دوسروں سے متعلق رکھنے والوں کو روحانی سرور ولذت حاصل نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے دلوں کے انشراح یا انقباض کا کوئی اعتبار نہیں، کیوں کہ عارضی چیزیں اسباب ختم ہونے کے بعد ختم ہو جاتی ہیں، اعتبار صرف ان صفات کا ہوتا ہے جو دل کے ساتھ قائم اور اس کے انشراح وانقباض کا موجب ہوں۔ ایسی ہی صفات معیار ہیں۔

بڑے اسباب میں ایک سبب دل کو کینہ کپٹ اور مذموم صفات سے پاک رکھنا ہے، مثلاً غلط نگاہ ڈالنا، فضول باتیں کرنا، استماع و اختلاط رکھنا اور خوراک و نیند میں بے احتیاطی کرنا۔

۲۶۔ فصل

روزہ کے بارے میں سنت نبوی

روزہ کا مقصد نفس کو خواہشات سے روکنا ہے تاکہ اس کے اندر سعادت کو حاصل کرنے اور دائمی پاکیزہ زندگی کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔ بھوک اور پیاس سے نفس کی تیزی ختم ہو جائے اور مسکینوں کی فاقہ کشی کا اندازہ ہو سکے۔ خورد و نوش کی جگہیں تنگ ہوں تو اس کے ساتھ ہی جسم میں شیطان کے چلنے پھرنے کی جگہیں بھی تنگ ہوں۔ روزہ متقیوں کی زمام، مجاہدوں کی ڈھال اور نیک و مقرب بندوں کا چمن ہے۔ انسانی اعمال میں یہ عمل رب العالمین کے لئے مخصوص ہے، کیوں کہ روزہ دار اپنی خواہشات کو ترک کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرتا، یعنی اپنی تمام محبوب چیزوں کو اللہ کی محبت کے لئے چھوڑ دیتا ہے یہ بندہ اور خدا کے بیچ ایک راز ہے، بندے ظاہری مفطرات سے آگاہ ہو سکتے ہیں، لیکن اپنے معبود کے لئے اسے چھوڑ دینا ایک ایسا امر ہے جس سے کسی انسان کو واقفیت نہیں، اور یہی روزہ کی حقیقت ہے۔

ظاہری اعضاء اور باطنی قوتوں کو فاسد مادوں سے محفوظ رکھنے اور بیکار مادوں کو نکالنے میں روزہ کی عجیب تاثیر ہے، اور یہ تقویٰ کے لئے بہت بڑا سہارا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ — مومنو، تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے، جیسا کہ تم سے

الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ — پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

(بقرۃ ـ ۱۸۳)

نکاح کی خواہش رکھتے ہوئے شادی پہ قدرت نہ رکھنے والے کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا ہے کہ وہ روزہ رکھے کیوں کہ اس سے شہوت کو دبانے میں مدد ملتی ہے۔

روزہ کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت بے حد مکمل اور سہل تھی۔ اور چونکہ نفوس کو خواہشات ومالوفات سے دور رکھنا مشکل کام تھا اسلئے روزہ ہجرت کے بعد فرض کیا گیا، اور ابتدا میں یہ اختیار دیا گیا کہ اگر کوئی چاہے تو روزہ رکھے ورنہ ہر روزہ کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے، پھر یہ بتایا گیا کہ کھانا کھلانے کی اجازت صرف سن رسیدہ مردوں اور عورتوں کے لئے ہے۔ مریض اور مسافر کو افطار کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ بعد میں اس کی قضا کریں، اسی طرح حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے بارے میں بھی افطار کی اجازت ہے، بعد میں قضا کرنی ہوگی۔ اگر یہ عورتیں صرف بچّہ کے نقصان کے خوف سے افطار کریں تو انھیں قضا کے ساتھ ایک مسکین کو کھانا بھی کھلانا ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں مختلف قسم کی عبادتیں بہت زیادہ کرتے تھے۔ جبریل آپؐ کے ساتھ قرآن کا دَور کرتے تھے، اسی لئے آپؐ صدقہ، احسان، تلاوت، نماز، ذکر اور اعتکاف میں بہت زیادہ وقت لگاتے تھے۔

عبادت میں زیادہ وقت لگانے کے لئے آپؐ متواتر روزہ رکھتے تھے، لیکن اُمت کو آپؐ نے اس سے منع فرمایا ہے، صحابہ نے سوال کیا کہ آپؐ تو پیہم روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میرا حال تم سے مختلف ہے، مجھے اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔

۲۷۔ فصل

روزہ کے متفرق مسائل کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کا روزہ واضح طور پہ چاند دیکھنے یا کسی دیکھنے والے کی گواہی دینے کے بعد ہی شروع کرتے تھے۔ اگر چاند دیکھا نہ جاتا اور کہیں سے اس کی شہادت بھی نہ ملتی تو شعبان کے تیس دن آپؐ پورے کرتے تھے۔ مطلع اگر ابر آلود ہوتا تو ایسی صورت میں بھی آپؐ شعبان کے تیس دن پورے کرتے تھے۔ حدیث میں یہ حکم کہ اگر بدلی ہو تو اندازہ کرلیا کرو، اس پر محمول ہے کہ حساب لگا کر شعبان کے تیس دن پورے کئے جائیں گے۔

رمضان کے اختتام کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو افراد کی شہادت طلب کرتے تھے۔ اگر عید کی نماز کا وقت نکل جانے پر دو گواہوں کی گواہی میسر ہو جاتی تو آپؐ روزہ توڑ دیتے اور صحابہ کو بھی توڑنے کا حکم دیتے، پھر دوسرے دن وقت پر عید کی نماز ادا کرتے۔

افطار میں آپؐ جلدی کرتے اور سحری میں تاخیر۔ کھجور یا پھر پانی سے افطار کرنے کی آپؐ ترغیب دیتے تھے۔

روزہ دار کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجامعت، شور وشغب اور سب وشتم سے منع فرمایا ہے، اگر کوئی شخص روزہ دار کو برا بھلا کہے تو اس کو آپؐ نے حکم دیا کہ جواب میں صرف یہ کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔

رمضان میں آپؐ سے سفر ثابت ہے، اور سفر میں آپؐ نے روزہ بھی رکھا ہے

اور افطار بھی کیا ہے، اور صحابہ کو دونوں باتوں کا اختیار دیا ہے، البتہ اگر مسلمانوں کا لشکر دشمن سے قریب ہو جاتا تو آپؐ روزہ نہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ سفر کے سبب روزہ رکھنے میں آپؐ نے مسافت کا کوئی تعین نہیں کیا ہے، صحابہ کرام سفر شروع کر نیکے بعد گھروں کو چھوڑنے کا اعتبار کئے بغیر روزہ چھوڑ دیتے تھے، ان کا کہنا تھا کہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

فجر کے وقت مجامعت کے سبب اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کی حاجت ہوتی تھی تو ایسی صورت میں آپؐ فجر کے بعد بھی غسل کر لیتے تھے۔ اور روزہ رکھتے تھے رمضان میں روزہ کی حالت میں بعض بیویوں کا بوسہ لینا بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ آپؐ نے روزہ دار کے بوسہ لینے کو پانی سے کلی کرنے کے مشابہ بتایا ہے۔ بوسہ کے معاملے میں جوان اور بوڑھے کے مابین تفریق آپؐ سے ثابت نہیں کہ بوڑھے کو اجازت ہو اور جوان کو نہ ہو۔

اگر کوئی شخص روزہ کی حالت میں بھول کر کھا پی لیتا تو آپؐ اُسے روزہ قضا کرنے کا حکم نہیں دیتے تھے، بلکہ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کھلا پلا دیا ہے۔ روزہ توڑنے والی جو چیزیں ثابت ہیں وہ یہ ہیں: کھانا پینا، پچھنا لگوانا اور قے کرنا۔ قرآن میں جماع کا بھی ذکر ہے۔ سُرمہ کے بارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ ثابت نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ کی حالت میں مسواک کرنا ثابت ہے۔ امام احمد سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں سر پر پانی انڈیلتے تھے، اسی طرح کلی کرنا اور ناک میں پانی چڑھانا بھی ثابت ہے، البتہ روزہ دار کو آپؐ نے ناک میں زیادتی کے ساتھ پانی چڑھانے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ثابت نہیں کہ روزہ کی حالت میں آپؐ نے پچھنا لگوایا ہے۔ امام احمد کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ دار کو سُرمہ سے بچنے کا حکم دیا ہے، لیکن یہ حدیث صحیح نہیں۔ ابن معین نے اسے "منکر" کہا ہے۔

۲۸۔ فصل

نفلی روزوں کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ جب روزہ شروع کرتے تو صحابہ یہ خیال کرتے کہ اب آپؐ ترک ہی نہیں کریں گے، اور جب ترک کر دیتے تو وہ یہ سمجھتے کہ اب روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔ رمضان کے علاوہ کسی پورے مہینے کا روزہ آپؐ سے ثابت نہیں شعبان میں آپؐ ہر مہینہ سے زیادہ روزہ رکھتے تھے، اور کوئی مہینہ آپکا بغیر روزہ نہیں گذرتا تھا دوشنبہ اور پنجشنبہ کو آپؐ خاص طور پر روزہ رکھتے تھے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سفر یا حضر میں کسی بھی وقت ایام بیض (مہینہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ) کا روزہ ترک نہیں کرتے تھے، اسے نسائیؒ نے ذکر کیا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تاریخوں کے روزہ کی ترغیب بھی دیتے تھے۔

ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں کے روزے کے بارے میں آپؐ سے مختلف روایتیں منقول ہیں۔ ماہ شوال کے چھ روزے کے بارے میں آپؐ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ: رمضان کے ساتھ ان چھ دنوں کا روزہ ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔ عاشوراء کا روزہ بھی آپؐ بالقصد رکھتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں اور اس کی تعظیم کرتے ہیں، آپؐ نے فرمایا کہ: تمہارے مقابلہ میں ہم موسیٰ سے زیادہ قریب ہیں، پھر آپؐ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی روزہ کا حکم دیا۔ یہ واقعہ رمضان کے روزے فرض ہونے سے پہلے کا ہے۔ پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہو گیا تو آپؐ نے عاشوراء کے بارے میں اختیار دے دیا کہ جو چاہے روزہ

رکھے اور جو چاہے چھوڑ دے۔ میدان عرفات میں نویں ذی الحجۃ کو روزہ رکھنے سے آپؐ منع فرماتے تھے۔ یہ حدیث صحیحین اور سنن میں موجود ہے۔ امام مسلم نے ذکر کیا ہے کہ نویں ذی الحجۃ کا روزہ رکھنے سے ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ روزہ رکھنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں، آپؐ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو وہ نہ تو روزہ دار ہوگا نہ غیر روزہ دار۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ اگر جواب ملتا کہ نہیں، تو آپؐ فرماتے کہ پھر تو میں روزہ سے ہوں۔ کبھی نفل روزہ کی نیت کر کے آپؐ توڑ دیتے تھے۔ حضرت عائشہ کی جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپؐ نے ان سے اور حضرت حفصہ سے فرمایا کہ نفل روزہ کی قضا کرو، وہ حدیث معلول ہے۔ روزہ کی حالت میں اگر کسی کے یہاں آپؐ تشریف لیجاتے تو روزہ پورا کرتے تھے، جیسا کہ ام سلیم کے پاس جانے کے موقع پر آپؐ نے کیا، لیکن ام سلیم آپؐ کے لئے گھر والوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔ صحیح میں مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی روزہ دار ہو اور اسے کھانے کے لئے بلایا جائے تو وہ کہہ دے کہ میں روزہ سے ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مخصوص طور پر جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

۲۹۔ فصل

اعتکاف کا مسنون طریقہ

دل کی درستگی اور خدا پر چلنے میں استقامت، اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور دل جمعی پر موقوف ہے، اگر دل پراگندہ ہوگا تو انابت الی اللہ کا پیدا ہونا مشکل ہے۔ اور چوں کہ

کھانے، پینے، لوگوں سے تعلق رکھنے، سونے اور بات چیت میں زیادتی کرنیکے سبب دل کی پراگندگی میں اضافہ ہوتا ہے اور خدا تک پہونچنے کی رفتار میں سستی اور رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے روزہ فرض کیا جس سے کھانے پینے کی زیادتی میں کمی واقع ہوتی ہے اور اللہ تک رسائی حاصل کرنے میں جن خواہشات سے رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے ان سے دل صاف ہوتا ہے۔ پھر روزہ کے اندر بھی یہ مصلحت رکھی گئی کہ بندہ کو دنیا اور آخرت میں کسی طرح کا نقصان نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اعتکاف بھی مشروع قرار دیا جس کا مقصود اور خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کا دل مخلوق سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے، اور کسی اور سے مانوس ہونے کے بجائے اللہ تعالیٰ ہی سے انسیت حاصل کرے، اور یہی انسیت بندہ کو قبر کی وحشت میں کام آسکتی ہے۔

توجہ الی اللہ کا یہ مقصد چونکہ روزہ کے ساتھ ہم آہنگ تھا اس لئے رمضان کے سب سے افضل دنوں میں یعنی آخری عشرہ میں اعتکاف مشروع قرار دیا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے روزہ ہی کے ساتھ اعتکاف کا ذکر کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی روزہ کے بغیر اعتکاف نہیں کیا ہے۔ بات چیت کے سلسلہ میں احتیاط کا حکم اس لئے ہے کہ شریعت نے امت کو ایسی تمام باتوں سے زبان بند رکھنے کا حکم دیا ہے جو آخرت میں مفید نہ ہوں۔ اعتکاف کی حالت میں غیر ضروری نیند کو روکنے کے لئے شریعت نے رات کی نماز کا حکم دیا ہے جو بات چیت کے لئے جاگنے سے بہت بہتر اور مفید ہے، اس طرح دل اور جسم دونوں کو راحت حاصل ہو جائے گی اور بندہ کی نیکی میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی اہل ریاضت وسلوک کی ریاضت کا دارومدار انہیں چار چیزوں پر ہے، اور ان میں سب سے زیادہ سعادتمند وہ شخص ہے جو ریاضت کے لئے طریقۂ محمدی کو اختیار کرے اور غلو یا تقصیر کرنے والوں کی راہ سے پرہیز کرے۔ چونکہ ہم پہلے روزہ، قیام اللیل، اور کلام کے

بارے میں سنت نبوی کا ذکر کر چکے ہیں، اس لئے اب اعتکاف کا مسنون طریقہ بیان کرینگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف کرتے تھے، ایک مرتبہ آپؐ نے رمضان میں اعتکاف نہیں کیا تو شوال میں اس کی قضا کی۔ ایک مرتبہ آپؐ نے پہلے عشرہ میں اور ایک مرتبہ درمیانی عشرہ میں اور ایک مرتبہ آخری عشرہ میں اعتکاف کیا۔ اس طرح آپؐ شب قدر تلاش کرتے تھے، پھر آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے، اس وقت سے آپؐ نے تاحیات آخری ہی عشرہ کے اعتکاف کی پابندی کی۔ مسجد میں آپؐ کے لئے خیمہ لگا دیا جاتا تھا جس میں آپ عبادت کے لئے مصروف رہتے تھے۔ آپؐ جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز کے بعد خیمہ میں داخل ہو جاتے۔ ایک مرتبہ آپؐ کے حکم سے آپؐ کے لئے اور امہات المومنین کے لئے بھی خیمہ لگایا گیا، فجر کی نماز کے بعد آپؐ نے ان خیموں کو دیکھا، پھر اپنا خیمہ کھلوایا اور رمضان میں اعتکاف نہ کر کے شوال کے ابتدائی دس دنوں میں اعتکاف کیا۔ آپؐ ہر سال دس دن اعتکاف کرتے تھے، اور جس سال آپؐ کا وصال ہوا اُس سال بیس دن اعتکاف کیا۔ اور جبرئیلؑ آپؐ کے ساتھ ہر سال ایک مرتبہ قرآن کا دَور کرتے تھے، اور جس سال وصال ہوا اس سال حضرت جبرئیلؑ نے دو بار دَور کیا، اسی طرح ہر سال قرآن آپؐ پر ایک مرتبہ پیش کیا جاتا تھا اور وصال کے سال دو مرتبہ پیش کیا گیا۔

جب آپؐ اعتکاف کرتے تھے تو خیمہ میں تنہا داخل ہوتے تھے، اور پھر انسانی ضرورت کے بغیر گھر میں نہیں جاتے تھے، حضرت عائشہؓ کو کنگھا کرنے کے لئے آپؐ اپنا سر خیمہ سے باہر نکال دیتے تھے، وہ حیض کی حالت میں بھی آپؐ کے سر میں کنگھا کرتی تھیں اعتکاف کی حالت میں بعض بیویاں آپؐ سے ملنے کے لئے آتی تھیں، اس حالت میں آپؐ ازواج مطہرات کے ساتھ مباشرت نہیں کرتے تھے، نہ بوسہ وغیرہ لیتے تھے۔

جب آپؐ اعتکاف کرتے تو آپ کا بستر اور چارپائی اسی اعتکاف کی جگہ رکھ دی جاتی تھی۔

اعتکاف کی حالت میں جب کسی ضرورت سے آپؐ باہر نکلتے اور کسی مریض کے پاس سے گذر ہوتا تو اس کا حال دریافت کرتے۔ایک مرتبہ آپؐ نے ایک ترکی قبہ میں اعتکاف کیا جس کے اندر چٹائی بچھی ہوئی تھی۔(یا جس کا دروازہ چٹائی سے بند کر دیا گیا تھا) ان تفصیلات کے ساتھ اعتکاف کرنے سے اس کا مدعا حاصل ہوتا ہے، اور جاہل لوگ اعتکاف کے لئے میل ملاپ کی جگہ کا انتخاب کرتے ہیں اس میں اور اعتکافِ نبوی میں بہت فرق ہے۔

۳۰۔ فصل

حج اور عمرہ کے بیان میں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد کل چار مرتبہ عمرہ کیا، اور ہر بار ذی قعدہ کے مہینہ میں۔پہلا عمرۂ حدیبیہ ۶ھ میں۔اس موقع پر مشرکین نے آپ کو بیت اللہ تک جانے سے روک دیا تو آپؐ جس مقام تک پہونچے تھے وہیں اونٹوں کو ذبح کیا اور سر منڈھا کر احرام کھول دیا۔

دوسرا عمرۂ قضیتہ جو پہلے عمرہ کے بعد والے سال ہوا، اس موقع پر آپؐ مکہ میں داخل ہوئے اور تین دن قیام کے بعد واپس ہوئے۔

تیسرا عمرہ وہ جو آپؐ نے حج کے ساتھ کیا۔

چوتھا عمرہ وہ جو جعرانہ سے کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمرہ ایسا نہیں جسے مکہ میں رہتے ہوئے حل میں جاکر احرام باندھ کر کیا ہو، جیسا کہ آج کل عام رواج ہے۔بلکہ تمام عمرے آپؐ نے مکہ میں رہتے ہوئے

ہی کیئے ہیں۔ ہاں حضرت عائشہ کو آپؐ نے مقام تنعیم سے احرام باندھ کر عمرہ کرنے کی اجازت دی تھی، کیوں کہ وہ اپنے ایام کی مجبوری کی وجہ سے حج سے پہلے اپنے قافلہ کیساتھ عمرہ نہیں کرسکی تھیں، آپؐ نے ان کی دل جوئی کے لئے حج کے بعد اس عمرہ کی اجازت دی تھی۔ آپؐ نے تمام عمرے حج ہی کے مہینہ میں کئے اور اس طرح مشرکین کے اس خیال کی مخالفت کی کہ حج کے مہینوں میں عمرہ مکروہ ہے۔ آپؐ کے فعل سے یہ ثابت ہوا کہ حج کے مہینوں کا عمرہ بلا شبہ رجب کے عمرہ سے افضل ہے۔ رہا رمضان کے عمرہ کا سوال تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ہے لیکن آپؐ کے عمل کی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ رمضان میں آپؐ عمرہ سے زیادہ اہم عبادتوں میں مصروف رہا کرتے تھے۔ نیز آپؐ نے اُمّت کی سہولت کا خیال فرمایا کیوں کہ اگر رمضان میں آپؐ عمرہ کر لیتے تو ہر شخص آپؐ کی اتباع میں ایسا کرتا، اور اس طرح عمرہ اور روزہ دونوں عبادتیں ایک ساتھ ادا کرنا مشکل ہوجاتا، آپؐ نے اکثر محبوب عبادتوں کو اس خیال سے ترک کر دیا ہے کہ امت ان کی ادائگی کے لئے مشقت میں نہ پڑ جائے۔

آپؐ سے سال میں صرف ایک بار سے زائد عمرہ ثابت نہیں، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپؐ نے ہجرت کے بعد ۱۰ھ میں صرف ایک حج کیا، جب اس کی فرضیت نازل ہوئی تو آپؐ نے پھر تاخیر نہیں کی۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ وَاتموا الحجّ والعمرة لله۔ (سورہ بقرۃ آیت ۱۹۶) یعنی اللہ کے لئے حج اور عمرہ پورا کرو، تو یہ آیت ۶ھ میں نازل ہوئی تھی لیکن اس میں حج کی فرضیت کا ذکر نہیں بلکہ صرف یہ مذکور ہے کہ حج اور عمرہ شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حج کا ارادہ فرمایا تو سب کو اس کی خبر دے دی، اور صحابہ آپؐ کے ساتھ نکلنے کے لئے تیار رہتے۔ مدینہ کے مضافاتی علاقے کے لوگ بھی آپؐ

کے ساتھ ہو گئے، اور راستہ میں بھی بے شمار لوگ آپؐ کے ساتھ ملتے چلے گئے، یہ سب آپؐ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے چلتے تھے۔ آپؐ ۲۴ر ذیقعدۃ کو دوپہر میں ظہر کی چار رکعت نماز پڑھ کر مدینہ سے نکلے تھے، روانگی سے پہلے آپؐ نے ایک خطبہ دیا تھا جس میں احرام کے واجبات وسنن کو بیان فرمایا تھا، نماز کے بعد آپؐ نے کنگھا کیا، تیل لگایا، تہہ بند باندھا چادر اوڑھی اور نکل پڑے، ذوالحلیفہ پہونچکر عصر کی دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر وہیں پر رات کا قیام کیا اور مغرب، عشاء، فجر اور ظہر کی نمازیں بھی ادا کیں۔ اس سفر میں تمام ازواج مطہرات آپؐ کے ساتھ تھیں اور اس رات آپؐ ان سب کے پاس گئے۔ احرام کے وقت آپؐ نے دوسرا غسل کیا، حضرت عائشہ نے آپؐ کو خوشبو لگائی، جسے آپؐ نے دھلا نہیں۔ ظہر کی دو رکعت نماز ادا کرنے کے بعد آپؐ نے مصلی ہی سے حج وعمرہ کا احرام باندھا، احرام کے لئے دو رکعت نماز پڑھنا آپؐ سے منقول نہیں۔

احرام سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کو ہار پہنا دیا تھا اور کوہان کو دائیں طرف سے چیر دیا تھا۔

آپؐ نے حج قِران کا احرام باندھا تھا، اس کے متعلق بیس سے زیادہ صحیح حدیثیں وارد ہیں۔ اپنے سر کے بال کو خطمی وغیرہ لگا کر اس طرح چپکا لیا تھا کہ بکھر نہ سکے، پھر اونٹنی پر سوار ہو کر حج اور عمرہ دونوں کا اور کبھی صرف حج کا تلبیہ کہا، کیوں کہ عمرہ اسی کا ایک حصہ ہے۔ اسی وجہ سے آپؐ کے حج کو بعض لوگوں نے قِران بتایا، بعض نے تمتع اور بعض نے افراد۔ امام ابن حزم کا یہ قول ہے کہ آپؐ نے ظہر سے کچھ پہلے احرام باندھا تھا، وہم ہے، صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ نے ظہر کے بعد احرام باندھا تھا، چنانچہ کسی سے بھی ظہر سے پہلے احرام کی بات منقول نہیں، نہ معلوم ابن حزم کو کیسے دھوکہ ہو گیا۔

پھر آپؐ نے ان الفاظ کے ساتھ لبیک کہا:

لَبَّيْكَ، اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ۔	حاضر ہوں، اے اللہ حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، حاضر ہوں، بیشک سب تعریف اور نعمت تیرے ہی لئے ہے اور ملک بھی، تیرا کوئی شریک نہیں۔

یہ الفاظ ادا کرتے ہوئے آپؐ نے آواز بلند کی اور صحابہؓ کو بھی آواز بلند کرنے کا حکم دیا۔ آپؐ نے جس اونٹنی پر حج کیا اس پر کجاوہ رکھا ہوا تھا، محرم کے محل اور عماری پر سوار ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو احرام کے وقت حج میں افراد، قران اور تمتع تینوں کا اختیار دیا تھا، پھر مکہ سے قریب ہونے کے وقت قربانی ساتھ نہ رکھنے والے صحابہ کو حکم دیا کہ عمرہ کے افعال ادا کر کے حلال ہو جائیں اور حج یا قران کی نیت ختم کر دیں۔ پھر مروہ کے پاس پہونچ کر اس کو واجب قرار دیا۔

مقام سرف میں حضرت اسماء بنت عمیس کو بچہ پیدا ہوا تو آپؐ نے انھیں غسل کرنے کپڑا باندھ لینے اور احرام و تلبیہ کا حکم دیا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محرم کا غسل جائز ہے، حائضہ بھی غسل کرے گی اور اس کا احرام باندھنا جائز ہے۔

پھر آپؐ لبیک کے مذکورہ الفاظ پڑھتے ہوئے آگے بڑھے، آپؐ کے ساتھ چلنے والے صحابہ ان الفاظ میں کمی و زیادتی کرتے تھے، لیکن آپؐ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی۔

مقام روحاء میں آپؐ نے ایک زخمی نیل گائے کو دیکھا تو فرمایا کہ اسے چھوڑ دو ممکن ہے اس کا مالک آئے۔ جب مالک آگیا تو اس نے کہا کہ جو چاہو کرو، پھر آپؐ نے ابوبکرؓ کو حکم فرمایا تو انھوں نے اسے اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس واقعہ سے یہ ثابت ہوتا ہے

کہ محرم غیر محرم کا مارا ہوا شکار کھا سکتا ہے بشرطیکہ اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شکاری کے اثبات سے شکار کی ملکیت صحیح ہے۔

جب آپؐ "اثایۃ" میں پہونچے تو ایک درخت کے سایہ میں ایک ہرن کو پایا جس کے تیر لگا ہوا تھا، آپؐ نے ایک شخص کو وہاں کھڑے ہو جانے کا حکم دیا تاکہ کوئی اسے نقصان نہ پہونچا سکے۔ ہرن اور نیل گائے کے مابین فرق کا سبب یہ تھا کہ اس جگہ آپؐ کو علم نہ تھا کہ شکار کرنے والا غیر محرم ہے۔

پھر آپؐ آگے بڑھے اور جب مقام عرج پر پہونچے تو حضرت ابو بکرؓ کا غلام بغیر اونٹ کے پہونچا، انھوں نے پوچھا کہ اونٹ کہاں ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ گم ہو گیا، ابو بکرؓ نے کہا کہ ایک ہی اونٹ تھا اور تم نے اسے بھی گم کر دیا، یہ کہہ کر غلام کو مارنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ: ان کو دیکھو، احرام کی حالت میں کیا کر رہے ہیں!

جب آپؐ مقام ابواء میں پہونچے تو صعب بن جثامہ نے آپؐ کی خدمت میں نیل گائے کی ران بطور ہدیہ پیش کی، آپؐ نے اسے واپس کر دیا اور فرمایا کہ: چونکہ ہم احرام کی حالت میں ہیں اس لئے یہ ہدیہ واپس کیا ہے۔

وادی عسفان سے گذرتے ہوئے آپؐ نے حضرت ابو بکر سے دریافت فرمایا کہ یہ کون سی وادی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ وادی عسفان۔ آپؐ نے فرمایا کہ بیت اللہ کو حج کے لئے جاتے ہوئے اس وادی سے حضرت ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام سُرخ اونٹ پر سوار ہو کر گذرے ہیں، اسے امام احمد نے روایت کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام سرف میں پہونچے تو حضرت عائشہ اپنے ایام میں مبتلا ہو گئیں۔ آپ نے اسی جگہ صحابہ سے فرمایا کہ جس شخص کے پاس قربانی کا جانور نہ ہو اور وہ عمرہ کے بعد حلال ہونا چاہے تو ہو جائے، لیکن جس کے پاس جانور ہو اسے یہ اختیار نہیں

یہ اختیار میقات کے پاس والے اختیار سے بڑھ کر تھا، پھر جب آپؐ مکہ پہونچ گئے تو جن کے پاس قربانی کا جانور نہ تھا انھیں واجبی طور پر یہ حکم دے دیا کہ وہ عمرہ کر کے احرام کھول دیں، اور جن کے پاس جانور ہے وہ احرام ہی میں رہیں۔ حضرت سراقہ بن مالک نے سوال کیا کہ یہ حکم صرف اسی عمرہ کا ہے یا ہمیشہ کے لئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہمیشہ کے لئے۔ پھر آپؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور مقام ذی طوی میں پہونچے اور وہیں چار ذی الحجہ اتوار کی رات بسر کی، پھر صبح کی نماز ادا کی، غسل کیا اور مکہ کے لئے روانہ ہوئے، مکہ میں آپ حجون سے متصل بلند گھاٹی سے دن کو داخل ہوئے، لیکن عمرہ کے موقع پر آپؐ نشیبی علاقہ سے داخل ہوتے تھے، پھر آپؐ آگے بڑھے اور چاشت کے وقت مسجد میں داخل ہوئے۔ مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ آپؐ باب بنی عبد مناف سے جو باب بنی شیبہ سے موسوم ہے، داخل ہوتے تھے۔ امام احمد کا بیان ہے کہ آپؐ جب داریعلی سے داخل ہوتے تو بیت اللہ کو سامنے کر کے دعا فرماتے۔ طبری نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ آپؐ جب بیت اللہ کو دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے:

اللّٰھمّ زد ھٰذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ۔	اے اللہ اس گھر کو اور زیادہ عزت، عظمت، بزرگی اور رعب عطا فرما۔

ایک مرسل حدیث میں یہ بھی مروی ہے کہ آپؐ بیت اللہ کو دیکھ کر ہاتھ اٹھاتے، اللہ اکبر کہتے اور یہ دُعا پڑھتے:

اللّٰھمّ انت السّلام ومنك السّلام حینا ربّنا بالسّلام، اللّٰھمّ زد ھٰذا البیت تشریفا وتعظیما وتکریما ومھابۃ، وزد من حجہ	اے اللہ، تو سلام ہے اور تجھی سے سلامتی ہے، ہمیں سلامتی دے، اے اللہ، اس گھر کو اور زیادہ عزت، عظمت، کرامت، اور رعب دے اور جو اس کا حج یا عمرہ کرے اسے بھی عزت

او اعتمرۃ تکریما وتشریفا وتعظیما کرامت، عظمت اور نیکی عطا کر۔

و برا۔

جب آپؐ مسجد میں داخل ہوتے تو بیت اللہ کا قصد کیا اور تحیۃ المسجد نہیں پڑھا کیونکہ اس کی جگہ یہاں طواف ہے۔ جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اسے بوسہ دیا لیکن مزاحمت نہ کی اور نہ رکن یمانی کی طرف بڑھے نہ ہاتھ اُٹھایا، نہ یہ کہا کہ اس طواف سے میری یہ نیت ہے، نہ طواف سے پہلے اللہ اکبر کہا، نہ پورے جسم کو حجر اسود کے مقابل کیا پھر لوٹ کر اس کو دائیں طرف کیا، بلکہ اس کا سامنا کر کے بوسہ لیا پھر دائیں جانب چلے۔ دروازہ کے پاس یا میزاب کے نیچے یا کعبہ کی پشت یا ارکان کے پاس دعا نہیں کیا اور نہ طواف کے لئے کوئی مخصوص ذکر متعین کیا۔ البتہ دونوں رکن کے مابین یہ دعا پڑھنا آپؐ سے ثابت ہے۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی دے اور ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کے پہلے تین پھیروں میں رَمل کیا یعنی چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے ہوتے تیز چلے، اور اضطباع بھی کیا یعنی چادر کے درمیانی حصّہ کو دائیں کندھے کے نیچے کر کے چادر کے ہر دو کناروں کو بائیں کندھے پر ڈالا، اس طرح کہ داہنا کندھا کھلا ہوا تھا اور بایاں ڈھکا ہوا۔ آپؐ جب جب حجر اسود کے مقابل ہوتے تو اس کی جانب اشارہ کرتے اور اسے چھڑی سے چُھو کر چھڑی کو بوسہ دیتے۔

رکن یمانی کو چھونا آپؐ سے ثابت ہے، لیکن اسے بوسہ دینا یا اس کو چھونے کے وقت ہاتھ کو بوسہ دینا ثابت نہیں۔ آپ سے حجر اسود کو بوسہ دینا ثابت ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ہاتھ سے اسے چھوا، اس پر ہاتھ رکھا اور پھر اسے بوسہ دیا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ اسے چھڑی سے چھوا، یعنی کل تین صورتیں ثابت ہیں۔ طبرانی نے جید سند سے ذکر کیا

ہے آپؐ جب رکن کو چھوتے تو بسم اللہ واللہ اکبر کہتے اور جب حجر اسود کے پاس پہونچتے
تو اللہ اکبر کہتے۔ حجر اسود اور رکن یمانی کے علاوہ کسی اور حصّہ کو چھونا ثابت نہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب طواف سے فارغ ہوئے تو مقام ابراہیمؑ کے پیچھے
آئے اور یہ آیت پڑھی:

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى — اور مقام ابراہیم کو مصلے بنالو۔

پھر دو رکعت نماز پڑھی، پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکفرون
اور دوسری میں قل ھو اللہ احدؐ تلاوت کی۔ طواف کی دو رکعتوں سے آپؐ حجر اسود کی
طرف متوجہ ہوئے اور اس کا بوسہ لیا یا صرف چھوا، پھر مقابل کے دروازہ سے صفا کی طرف
گئے اور قریب ہو کر آیت کا یہ ٹکڑا تلاوت کیا:

اِنَّ الصَّفَاءَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ۔ — صفا اور مروہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ (سورہ بقرہ —)

پھر فرمایا:

أبدأ بما بدأ الله به۔ — میں بھی اسی سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا۔

پھر آپؐ صفا پر اتنی اوپر چڑھے کہ بیت اللہ نظر آنے لگا، قبلہ رُخ ہو کر آپؐ نے
اللہ کی توحید و تکبیر بیان کی پھر یہ دعا پڑھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ — اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، ملک اسی کا ہے اور اسی کے لئے حمد و تعریف زیبا ہے وہ ہر بات پر قادر ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس نے اپنا

وَنصرعبدہٗ وھزم الاحزاب   وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جماعتوں

وحدہٗ۔   کو تنہا شکست دی ''۔

ہر مرتبہ کچھ ٹھہر کر دعاء بھی مانگتے تھے پھر یہی کلمات فرماتے تھے، اسی طرح تین مرتبہ کیا، پھر پیدل مروہ کی طرف روانہ ہوئے۔ نشیب میں پہونچ کر دوڑنے لگے، وادی پار کر کے چڑھائی پر پہونچے تو معمول کے مطابق چلنے لگے۔ مروہ پہونچ کر اس پر چڑھ گئے اور بیت اللہ کا سامنا کر کے تکبیر و توحید بیان کی اور جو کچھ صفا پر کیا تھا اسے یہاں بھی دہرایا، جب مروہ کی دوڑ پوری کر چکے تو جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں تھا انھیں احرام کھولنے کا حکم دے دیا، اور فرمایا کہ یوم الترویۃ (آٹھویں ذی الحجہ) تک اسی طرح رہیں۔ چونکہ آپؐ کے ساتھ قربانی کا جانور تھا اس لئے آپؐ نے احرام نہیں کھولا اور فرمایا کہ ''جو بات مجھے اب معلوم ہوئی اگر پہلے معلوم ہو جاتی تو میں قربانی کا جانور ساتھ نہ لاتا اور صرف عمرہ کا احرام باندھتا۔ اسی جگہ آپؐ نے بال منڈوانے والوں کے حق میں تین مرتبہ اور چھوٹا کرانے والوں کے حق میں ایک مرتبہ مغفرت کی دعاء فرمائی۔

ازواج مطہرات نے احرام کھول دیا تھا لیکن حضرت عائشہ ماہواری کی مجبوری سے ایسا نہ کر سکیں۔ جن کے ساتھ قربانی کا جانور تھا انھیں آپؐ نے احرام میں رہنے کا اور جن کے ساتھ نہیں تھا انہیں حلال ہو جانے کا حکم دیا۔

مکہ میں جہاں آپؐ نے قیام فرمایا تھا وہاں چار روز تک قصر نماز ادا فرماتے رہے جمعرات کے دن چاشت کے وقت مسلمانوں کے ساتھ منیٰ کو نکلے، جنھوں نے احرام کھول دیا تھا پھر حج کا احرام باندھ لیا اور مسجد میں نہیں داخل ہوئے بلکہ مکہ کو اپنی پشت کے پیچھے کر کے احرام باندھا۔

جب آپؐ منیٰ پہونچے تو وہاں ظہر اور عصر کی نماز ادا کی اور وہیں رات بسر کی، سورج

طلوع ہونے کے بعد ضب کے راستہ سے عرفات گئے۔ صحابہ میں بعض لبیک پڑھ رہے تھے اور بعض اللہ اکبر، آپؐ دونوں اذکار سنتے تھے اور کسی کو منع نہیں فرماتے تھے۔ عرفات کے مشرقی حصہ میں مقام نمرہ میں آپؐ کا خیمہ نصب تھا، اس میں آپؐ نے قیام فرمایا۔ سورج ڈھلنے کے بعد قصواء اونٹنی پر سوار ہو کر وادیٔ عُرنہ کے نشیبی حصہ تک گئے۔

اسی مقام سے سواری ہی پر خطبہ دیا، اس عظیم الشان خطبہ میں آپؐ نے اسلامی اصول و قواعد کی وضاحت اور جاہلی اصول و رسوم کی تردید فرمائی، جان و مال اور عزت و آبرو کی حرمت کا اعلان فرمایا جسے دوسرے تمام مذاہب نے بھی تسلیم کیا تھا، اسی خطبہ میں جاہلی معاملات اور سود کے خاتمہ کا اعلان فرمایا اور عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کی تاکید فرمائی، اُن کے حقوق و فرائض کو بتایا اور یہ واضح کیا کہ خوراک و پوشاک ان کا حق ہے، لیکن اس کی کوئی تعیین آپؐ نے نہیں فرمائی۔ شوہر کو آپؐ نے یہ اجازت دی کہ اگر بیوی اس کی رضامندی کے بغیر کسی مرد کو گھر میں داخل کرے تو اسے مار سکتا ہے۔ اسی خطبہ میں آپؐ نے امت کو تمسک بالقرآن کا حکم دیا اور بتایا کہ جب تک مسلمان اس کو تھامے رہیں گے گمراہ نہیں ہوں گے، آپؐ نے مزید بتایا کہ صحابہ سے رسول کے متعلق پوچھا جائے گا، پھر آپؐ نے اُن کی شہادت لی، سب لوگوں نے شہادت دی کہ آپؐ نے رسالت کا فرض ادا کر دیا، یہ سن کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور تین بار اللہ تعالیٰ کو ان پر گواہ بنایا اور صحابہ کو یہ حکم دیا کہ جو موجود ہیں وہ غائبین تک میری بات پہونچا دیں۔ اس موقع پر آپؐ نے ایک ہی خطبہ دیا، درمیان میں بیٹھے نہیں۔

خطبہ پورا کرنے کے بعد آپؐ نے حضرت بلال کو حکم دیا، انھوں نے اذان اور اقامت کہی، پھر آپؐ نے سری قرآت کے ساتھ ظہر کی دو رکعت نماز ادا کی۔ یہ جمعہ کا دن تھا، آپؐ کے فعل سے یہ ثابت ہوا کہ مسافر جمعہ نہیں پڑھے گا۔ پھر آپؐ نے یہیں قیام فرمایا اور

عصر کی بھی دو رکعت نماز ادا کی، مکہ کے لوگ بھی آپؐ کے ساتھ تھے، سب نے قصر و جمع کے ساتھ نماز پڑھی۔ اس سے واضح طور پر یہ ثابت ہے کہ قصر والا سفر کسی معلوم مسافت سے محدود و مقید نہیں۔

نماز سے فارغ ہو کر آپؐ عرفات تشریف لائے اور پہاڑ کے دامن میں چٹانوں کے پاس قبلہ رُخ سواری ہی پر اس طرح کھڑے ہوئے کہ جبل مشاۃ آپؐ کے سامنے تھا، سورج غروب ہونے تک دعا و گریہ وزاری میں مصروف رہے۔ آپؐ نے لوگوں کو بتایا کہ میں عرفات میں ایک مخصوص جگہ ٹھہرا لیکن پورا عرفات ٹھہرنے کی جگہ ہے، لوگوں سے آپؐ نے کہلوا دیا کہ اپنے مشاعر پر رہیں اور وہیں ٹھہریں، یہ حضرت ابراہیمؑ کی میراث ہے۔ دعا میں آپؐ اپنا ہاتھ سینے تک اُٹھائے ہوئے تھے جیسے مسکین کھانا مانگتا ہو۔

آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ سب سے بہتر دعا عرفہ کے دن کی دعا ہے۔

عرفات میں درج ذیل دعائیں آپؐ سے ثابت ہیں:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ، اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَآبِیْ، وَلَکَ رَبِّ تُرَاثِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَۃِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا تَجِیْئُ بِہِ الرِّیْحُ۔

(ذکرہ الترمذی)

اے اللہ ہم جو حمد کرتے ہیں اور جو اس سے بہتر ہے سب تیرے ہی لئے ہے۔ اے اللہ تیرے ہی لئے میری نماز، قربانی، زندگی اور موت ہے تیری ہی طرف میرا لوٹنا ہے، تیرے ہی لیے میری میراث ہے، اے اللہ، میں قبر کے عذاب، دل کے وسوسے اور معاملہ کی پراگندگی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ، میں ان بُری چیزوں سے جنھیں ہوا لاتی ہے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

اسے امام ترمذی نے ذکر کیا ہے۔

اللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَتَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ، وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْءٌ مِّنْ اَمْرِیْ، اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ الْمُسْتَغِیْثُ الْمُسْتَجِیْرُ الْوَجِلُ الْمُشْفِقُ الْمُقِرُّ الْمُعْتَرِفُ بِذُنُوْبِہٖ، اَسْئَلُکَ مَسْأَلَۃَ الْمِسْکِیْنِ، وَاَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ، وَاَدْعُوْکَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ مَنْ خَضَعَتْ لَکَ رَقَبَتُہٗ وَفَاضَتْ عَیْنَاہُ وَذَلَّ جَسَدُہٗ وَرَغِمَ اَنْفُہٗ لَکَ، اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْنِیْ بِدُعَائِکَ شَقِیًّا وَکُنْ بِیْ رَؤُفًا رَحِیْمًا یَا خَیْرَ الْمَسْئُوْلِیْنَ وَیَا خَیْرَ الْمُعْطِیْنَ

ذکرہ الطبرانی۔

اے اللہ، تو میری بات سنتا ہے، میرے مقام کو دیکھتا ہے، میرے ظاہر و باطن کو جانتا ہے، تجھ سے میرا کوئی معاملہ پوشیدہ نہیں، میں محتاج، مدد اور پناہ کا طالب، ڈرنے والا اور گناہوں کا اعتراف کرنے والا ہوں۔ تجھ سے مسکین کی طرح مانگتا ہوں، اور ذلیل و گنہگار کی طرح عاجزی کرتا ہوں۔ ڈرنے والے کی طرح تجھے پکارتا ہوں جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہے، آنکھیں بہہ رہی ہیں، جسم ذلیل ہے اور ناک خاک آلودہ ہے، مجھے دعا کے بعد محروم نہ فرما اور میرے ساتھ شفقت و رحمت فرما، اے بہترین مسئول اور بہترین دینے والے۔

(اسے طبرانی نے ذکر کیا ہے)

امام احمد نے عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے روایت کیا ہے کہ عرفہ کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو اکثر پڑھتے تھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ، بِیَدِہِ الْخَیْرُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، ملک اسی کا ہے اور تعریف اسی کے لئے ہے، بھلائی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے

ان دعاؤں کی اسناد میں کچھ کمزوری ہے۔

اسی مقام پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا۔ (المائدۃ۔ آیت ۳)

"آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند کر لیا۔"

اس اثنا میں ایک صحابی سواری سے گر کر فوت ہو گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام ہی کے دونوں کپڑوں میں انھیں کفن دینے اور پانی و بیری کے پتوں سے غسل دینے کا حکم فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ انھیں خوشبو نہ لگاؤ اور نہ ان کا سر اور منہ ڈھانکو، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انھیں لبیک کہتے ہوئے اٹھائے گا۔

آپؐ کی اس حدیث میں کل بارہ احکام موجود ہیں: اول یہ کہ میّت کو غسل دینا واجب ہے۔ دوم یہ کہ کوئی موت سے نجس نہیں ہوتا کیوں کہ اگر نجس ہو جائے تو غسل سے نجاست میں اضافہ ہی ہوگا۔ سوم یہ کہ مردہ کو پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے گا۔ چہارم یہ کہ پاک چیزوں کے سبب اگر پانی میں تبدیلی ہو جائے تو اس سے اس کی پاکی پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ پنجم یہ کہ محرم کو غسل دینا مباح ہے۔ششم یہ کہ پانی اور بیری کے پتے محرم کے لئے ممنوع نہیں ہیں۔ ہفتم یہ کہ کفن میراث اور قرض پر مقدم ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وارث اور قرض سے متعلق پوچھے بغیر دونوں کپڑوں میں کفنانے کا حکم دیا۔ ہشتم یہ کہ کفن میں دو کپڑوں میں اقتصار کرنا جائز ہے۔ نہم یہ کہ محرم کے لئے خوشبو ممنوع ہے۔ دہم یہ کہ محرم کا سر چھپانا ممنوع ہے۔ یازدہم یہ کہ محرم کا چہرہ چھپانا منع ہے، چھ صحابی اس کی اباحت کے قائل ہیں، انھیں کے اقوال سے اباحت کے قائلین نے دلیل پکڑی ہے۔ اور "لَا تُخَمِّرُوۡا وَجۡهَهٗ" یعنی اس کا چہرہ نہ چھپاؤ، کے الفاظ کو غیر محفوظ بتایا ہے۔ دوازدہم یہ کہ احرام موت کے بعد رہتا ہے۔

جب آفتاب بالکل غروب ہو گیا اور زردی ختم ہو گئی تو آپؐ عرفہ سے واپس لوٹے

اور اپنے پیچھے زید بن اسامہ کو بٹھا لیا۔ آپؐ واپسی میں بالکل پرسکون تھے اور اونٹنی کی نکیل اس طرح کھینچے ہوئے تھے کہ اس کا سر آپؐ کے دونوں پیروں میں لگتا تھا، اور آپؐ فرماتے تھے کہ' اے لوگو! پرسکون رہو، کیونکہ تیز چلنا نیکی نہیں ہے۔ آپؐ 'مازمین' کے راستے واپس ہوئے اور ضب کے راستے سے تشریف لائے تھے۔ آپؐ کی یہ عادت تھی کہ عیدگاہ آنے جانے میں راستہ بدل دیتے تھے اور درمیانی چال سے چلتے تھے، جب کشادہ جگہ ہوتی تو رفتار بڑھا دیتے اور جب اونچی جگہ آتی تو لگام ڈھیلی کر دیتے تاکہ اونٹنی چڑھ سکے۔ آپؐ راستہ میں برابر لبیک پکارتے تھے، راستہ میں ایک مقام پر اتر کر آپؐ نے پیشاب کیا پھر وضو کیا، حضرت اسامہ نے کہا کہ، یا رسول اللہ نماز، تو آپؐ نے فرمایا کہ مصلے آگے ہے۔

پھر آپؐ مزدلفہ پہونچے اور وضو کر کے اذان کا حکم فرمایا اور اقامت کہلوائی اور مغرب کی نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگوں نے سامان اتارا اور سواریوں کو بٹھایا، پھر اقامت کہی گئی اور آپؐ نے عشاء کی نماز ادا کی، اذان نہیں دی گئی، نہ مغرب و عشاء کے درمیان آپؐ نے کوئی اور نماز پڑھی، اور صبح تک سوتے رہے۔

اس رات میں آپؐ نے عبادت نہیں کی، اور عیدین کی راتوں میں آپؐ سے کوئی عبادت ثابت نہیں۔ اس رات چاند ڈوبنے کے بعد آپؐ نے کمزور اہل دعیال کو فجر سے پہلے منی روانگی کا حکم دیدیا اور ان سے فرمادیا کہ آفتاب نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ ماریں۔ جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ ام سلمہ نے فجر سے پہلے کنکری ماری، وہ منکر ہے، امام احمد وغیرہ نے اس کا انکار کیا ہے، اور حضرت سودہ وغیرہ کی حدیثیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ، غور کرنے کے بعد ان حدیثوں میں ہمیں کوئی تعارض نہیں معلوم ہوا، آپؐ نے آفتاب نکلنے سے پہلے کنکری مارنے سے بچوں کو روک دیا کیونکہ اس کے لئے ان کا کوئی عذر نہیں، البتہ عورتوں کو آفتاب نکلنے سے پہلے کنکری مارنے کی اجازت اس عذر

وجہ سے دیدی کہ بعد میں بھیڑ ہو جائے گی اور ان کے لئے اندیشہ ہو جائے گا۔ احادیث سے یہی ثابت ہے کہ بیماری یا بڑھاپے کا عذر ہو تو آفتاب نکلنے سے پہلے کنکری مارنا جائز ہے، لیکن جو شخص طاقت و تندرستی رکھتا ہو اس کے لئے تقدیم جائز نہیں۔ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ روانگی میں جلدی چاند کے ڈوبنے کے بعد ہوگی، آدھی رات میں نہیں۔ اس کی تحدید کی کوئی دلیل نہیں۔

طلوع فجر کے بعد آپؐ نے اول وقت میں نماز فجر پڑھی اور اس کے لئے اذان اور اقامت دونوں کہلوائی، پھر اونٹنی پر سوار ہو کر مشعر حرام آئے اور قبلہ رُخ ہو کر دعا و تسبیح اور تکبیر و ذکر الٰہی کرتے رہے یہاں تک کہ خوب روشنی ہو گئی۔ مزدلفہ میں کھڑے ہونے کے بعد آپؐ نے یہ فرمایا کہ پورا مزدلفہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ پھر آپؐ حضرت فضل بن عباس کو اپنے پیچھے سواری پر بٹھا کر روانہ ہوئے اور لبیک لبیک پکارتے رہے۔ اسامہ قریش کے تیز رووں کے ساتھ پیدل چلتے رہے۔

مزدلفہ سے آتے ہوئے آپؐ نے حضرت فضل بن عباس سے فرمایا کہ وہ سات کنکریاں چن لیں، کنکریوں کو پہاڑ سے توڑ کر نہیں نکالنا چاہیئے نہ رات میں چننا چاہیئے۔ فضل بن عباس کی چنی ہوئی کنکریوں کو ہاتھ میں رکھ کر آپؐ جھاڑتے تھے اور فرماتے تھے کہ اسی طرح کی کنکری مارو اور دین میں غلو سے بچو، پچھلی قومیں دینی معاملات میں غلو ہی کے سبب ہلاک ہوئیں۔ جب آپؐ اصحاب فیل کے ہلاک ہونے کی جگہ وادیٔ مُحسّر[1] میں پہونچے تو اونٹنی کو تیز دوڑانے لگے۔ اور اسی طرح آپؐ ان تمام مقامات سے تیزی کے ساتھ گذرتے تھے جہاں دشمنان خدا پر عذاب نازل ہو چکا ہے۔ مقام حجر سے گذرتے ہوئے بھی آپؐ نے ایسا ہی کیا تھا۔

---

[1] محسر کا معنی ہے تھکانے والا، ہاتھی یہاں پر تھک کر اور عاجز ہو کر بیٹھ گئے تھے۔ اس لئے وادی کا یہ نام پڑا۔

محسر منی اور مزدلفہ کے مابین فاصل اور دونوں میں سے کسی سے بھی نہیں ہے۔ اور عرنہ، عرفہ اور مشعر حرام کے مابین فاصل ہے، پس منی حرم میں سے ہے اور مشعر بھی ہے اور محسر حرم میں سے ہے لیکن مشعر نہیں، اور مزدلفہ حرم اور مشعر دونوں میں ہے۔ عرفہ مشعر نہیں ہے اور حل کا علاقہ ہے، اور عرفہ حل اور مشعر دونوں میں ہے۔

آپؐ جب منی پہونچے تو درمیانی راستہ سے جمرۂ عقبہ کے پاس آئے اور جمرہ کے سامنے وادی میں اس طرح کھڑے ہوئے کہ مکہ آپؐ کے بائیں اور منی آپؐ کے دائیں ہاتھ تھا۔ سورج نکلنے کے بعد سواری پر سے آپؐ نے یکے بعد دیگرے کنکریاں ماریں، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے جاتے تھے اور لبیک کہنا بند کر دیا تھا۔ حضرت بلال اور حضرت اسامہؓ آپؐ کے ساتھ تھے، ایک آدمی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھا اور دوسرا کپڑے سے سایہ کئے ہوئے تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محرم کو محل وغیرہ کا سایہ حاصل کرنا جائز ہے۔

پھر آپؐ منی واپس آئے اور ایک بلیغ و مؤثر خطبہ دیا، اس میں لوگوں کو قربانی کے دن کی عظمت و فضیلت اور دیگر شہروں کے مقابلہ میں مکہ کے احترام سے آگاہ فرمایا اور یہ حکم دیا کہ وہ کتاب اللہ کے ذریعہ رہنمائی کرنے والوں کی فرمانبرداری کریں اور حج کے احکام آپؐ سے سیکھ لیں، ممکن ہے یہ آپؐ کا آخری حج ہو۔ آپؐ نے لوگوں کو حج کے مسائل سے آگاہ فرمایا اور مہاجرین و انصار کو ان کے مرتبوں پر رکھا اور یہ حکم دیا کہ آپؐ کے بعد کافر بن کر ایک دوسرے کو قتل نہ کریں، آپؐ نے تبلیغ احکام کا بھی حکم دیا اور بتایا کہ اکثر سننے والے بھول جاتے ہیں اور ان سے سیکھنے والوں کو یاد رہتا ہے۔ خطبہ میں آپؐ نے فرمایا کہ مجرم خود اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ مہاجرین کو آپؐ نے قبلہ کے دائیں طرف اور انصار کو بائیں طرف اتارا، دوسرے لوگ ان کے اردگرد تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے لوگوں کے اندر اتنی قوت سماعت پیدا کر دی تھی کہ منی کے لوگوں نے بھی آپؐ کی بات کو سن لیا تھا۔ آپؐ نے فرمایا، اپنے پروردگار کی عبادت کرو، نماز پڑھو، روزہ رکھو اور حاکم کی اطاعت کرو تو جنت میں داخل ہو جاؤ گے، اس موقع پر آپؐ نے لوگوں کو الوداع کہا تھا، اس لئے اس کو حجۃ الوداع کہنے لگے۔

پھر آپؐ منحر (قربان گاہ) تشریف لے گئے اور اپنے ہاتھ سے ترسٹھ اونٹوں کو ذبح کیا، اونٹ کو کھڑا رکھ کر اور اس کی اگلی بائیں ٹانگ باندھ کر آپؐ نے نحر کیا۔ زندگی کے سال کے مطابق ترسٹھ اونٹوں کو ذبح کرنے کے بعد سو میں سے بقیہ اونٹوں کو ذبح کرنے کے لئے آپؐ نے حضرت علی کو مامور فرمایا اور ان کے جھول، کھال اور گوشت کو مسکینوں میں تقسیم کرا دیا، قصاب کو اجرت میں قربانی کی کوئی چیز دینے سے منع فرما دیا اور بتایا کہ ہم اسے اپنے پاس سے اجرت دیں گے۔ پھر فرمایا کہ جو چاہے قربانی میں سے کاٹ کر لے جائے۔

اس موقع پر اگر یہ سوال پیدا ہو کہ صحیحین میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے سات اونٹوں کو ذبح کیا۔ تو اس کی تین توجیہہ کیجا سکتی ہے۔

اول یہ کہ آپؐ نے اپنے ہاتھ سے سات سے زیادہ اونٹ ذبح نہیں کئے اور ترسٹھ کی گنتی پوری کرنے کا حکم کسی شخص کو دیا، جب ترسٹھ اونٹ ذبح ہو گئے تو پھر سو کی گنتی پوری کرنے کے لئے آپؐ نے حضرت علی کو مامور کیا اور اس جگہ سے ہٹ گئے

دوم یہ کہ حضرت انس نے صرف سات ہی اونٹ کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا اور حضرت جابر نے تمام اونٹوں کو، دونوں اصحاب نے اپنے اپنے مشاہدہ کے مطابق تعداد کا ذکر کیا۔

سوم یہ کہ آپؐ نے تنہا صرف سات اونٹ ذبح کئے، پھر حضرت علی اور آپؐ دونوں نے مل کر برچھا پکڑ لیا اور تریسٹھ اونٹ ذبح کئے، جیساکہ غرفہ بن حارث کندی کا بیان ہے کہ انھوں نے قربانی کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ برچھے کا اوپری حصہ پکڑے ہوئے ہیں اور حضرت علی کو نچلا حصہ پکڑنے کا حکم دیا ہے، پھر دونوں نے مل کر اونٹوں کو ذبح کیا، تریسٹھ کے بعد تنہا حضرت علی نے سو تک ذبح کیا، جیساکہ حضرت جابر کا بیان ہے، واللہ اعلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ ہَدی اور قربانی دونوں ایک ساتھ کی جائے، حج کے موقع پہ ہدی ہی قربانی ہے، منی میں جو جانور ذبح کیا جائے وہ ہدی ہے اور دوسری جگہ ذبح ہو تو قربانی۔ حضرت عائشہ کی روایت میں یہ ذکر کہ آپؐ نے ازواج، مطہرات کی جانب سے گائے کی قربانی پیش کی، تو اس سے ہدی ہی مراد ہے، کیونکہ وہ متمتع تھیں اور ان پہ ہدی واجب تھی جسے ان کی طرف سے آپؐ نے ذبح کیا۔ لیکن یہاں یہ اشکال ہے کہ امہات المومنین کی تعداد نو تھی، اور گائے صرف سات افراد کے لئے کافی ہے۔ اس سے متعلق حدیث میں تین الفاظ آئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے بیچ آپؐ نے ایک گائے ذبح کی۔ دوسرا یہ کہ ان کی طرف سے اس دن آپؐ نے گائے کی قربانی پیش کی تیسرا یہ کہ ہمارے پاس قربانی کے دن گائے کا گوشت لائے، میں نے پوچھا کیا ہے؟ جواب ملا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی طرف سے ذبح کیا ہے۔

اونٹ اور گائے کی قربانی میں کتنے لوگ شریک ہو سکتے ہیں، اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک قول ہے کہ سات، اسحاق کا قول ہے کہ دس۔ مختلف حدیثوں کو ذکر کر کے امام ابن القیم نے لکھا ہے کہ ان احادیث کی تین توجیہ کیجا سکتی ہے، یا تو یہ کہا جائے کہ سات کی حدیثیں تعداد اور صحت میں دس کی حدیثوں سے زیادہ ہیں۔ یا یہ کہا جائے کہ غنیمت میں اونٹ کو دس بکریوں کے برابر اس لئے ٹھہرایا گیا ہے

کہ تقسیم منصفانہ ہو، لیکن ہدی اور قربانی میں سات اشخاص کی طرف سے کافی ہونے کا حکم شرعی اندازہ کی بنیاد پر ہے، یا یہ کہا جائے کہ وقت، جگہ اور اونٹوں کے لحاظ سے حکم میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

آپؐ نے منی کے اندر منحر میں جانور ذبح کیا لیکن یہ فرما دیا کہ پورا منی منحر ہے اور مکہ کی گلیاں راستہ اور منحر دونوں ہیں۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ منحر منی کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ مکہ کی گلیوں میں سے جہاں بھی قربانی ہو جائے گی کافی ہو گا، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، میں یہاں کھڑا ہوا اور پورا عرفہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے آپؐ سے لوگوں نے منی میں سائبان بنانے کی اجازت طلب کی تاکہ آپؐ کو گرمی سے بچا سکیں تو آپؐ نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ منی میں جو پہلے جہاں بیٹھ گیا وہیں کا وہ مستحق ہو گیا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تمام مسلمان اس میں شریک ہیں، جو پہلے جہاں پہونچے اس جگہ کا حقدار ہے، لیکن وہ جگہ اس کی ملکیت نہیں بن سکتی، البتہ منی سے روانگی تک اس کا قبضہ رہے گا۔

قربانی مکمل کرنے کے بعد آپؐ نے حلاق کو بلایا اور سر منڈھایا، حلاق سے آپؐ نے فرمایا کہ، اے معمر، تمہارے ہاتھ میں استرا ہے اور میں نے اپنے کان کی لو تمہارے حوالے کر دی ہے۔ انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، یہ مجھ پر اللہ کی نعمت اور اس کا احسان ہے، آپؐ نے فرمایا کہ، ہاں ایسی صورت میں میں تمہارے لئے اقرار کرتا ہوں، اسے امام احمد نے ذکر کیا ہے۔ آپؐ نے پہلے دائیں طرف کا سر منڈایا اور بال وہاں پر موجود لوگوں میں تقسیم کر دیا، پھر بائیں طرف کا منڈایا اور پوچھا کہ یہاں ابو طلحہ ہیں؟ پھر ان کو بال دے دیا۔

آپؐ نے سر منڈانیوالے کے لئے تین بار اور کترولنے والے کے لئے ایک بار

مغفرت کی دعا کی۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حلق ایک حج کی عبادت ہے۔ صرف ممنوع امر سے آزادی نہیں ہے۔

پھر آپؐ ظہر سے پہلے سواری پر مکہ تشریف لائے اور طواف افاضہ کیا، اس موقع پر نہ تو کوئی دوسرا طواف کیا نہ سعی کی، یہی دُرست ہے۔ طواف افاضہ اور طواف وداع دونوں میں آپؐ نے رَمل نہیں کیا، بلکہ صرف طواف قدوم میں رَمل کا ثبوت ہے۔

پھر آپؐ زمزم کے پاس تشریف لے گئے، لوگ وہاں پانی پی رہے تھے، آپؐ نے فرمایا کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ تم پر غالب آجائیں گے تو میں اتر کر تمہارے ساتھ پانی پیتا۔ پھر صحابہ نے آپؐ کو ڈول میں پانی دیا، آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔ اس واقعہ کی بنا پر بعض لوگوں نے یہ کہا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کرنا استحبابی امر ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ صرف حجاج کو کھڑے ہو کر پینے کی اجازت ہے، اور یہی زیادہ ظاہر ہے، صحیح میں ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اونٹ پر طواف کیا، آپؐ چھڑی سے رکن یمانی کو چھوتے تھے، اسی حدیث میں ہے کہ تاکہ لوگ آپؐ کو دیکھ لیں، آپؐ سب کو دیکھ سکیں اور آپؐ سے سوالات کر سکیں، کیونکہ لوگ آپؐ کو گھیرے ہوئے تھے۔ اور یہ طواف وداع نہیں تھا کیونکہ اسے آپؐ نے رات میں کیا تھا، اور طواف قدوم بھی نہ تھا کیوں کہ اس میں رَمل تھا، اور سواری کے رَمل کا کوئی قائل نہیں، اس کے بعد آپؐ منیٰ واپس آ گئے۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے ظہر کی نماز منیٰ میں ادا کی یا مکہ میں؟ اسی دن حضرت عائشہؓ نے ایک طواف اور ایک سعی کیا جو ان کے لئے حج اور عمرہ کا بدل تھی۔ حضرت صفیہ نے اسی دن طواف کیا پھر انہیں حیض آ گیا اور طواف وداع نہ کر سکیں۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اگر عورت طواف سے پہلے حائضہ ہو جائے تو وہ قِران کرے گی اور صرف

ایک طواف اور ایک سعی پر اکتفاء کرے گی، اور اگر طواف افاضہ کے بعد حائضہ ہو جائے تو طواف وداع کرنے کی ضرورت نہیں۔

منی واپس آکر آپؐ نے وہیں رات بسر کی اور سورج ڈھلنے کا انتظار کیا، جب سورج ڈھل گیا تو پیدل جمرۂ اولیٰ کے پاس گئے جو مسجد خیف کے پاس ہے، اور سات کنکریاں ماریں، ہر کنکری پر اللہ اکبر کہتے تھے، پھر اس سے کچھ آگے بڑھ کر قبلہ رُخ ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر سورۂ بقرہ پڑھنے کے برابر دعا کرتے رہے۔ اس کے بعد جمرۂ وسطیٰ کو کنکریاں ماریں اور بائیں طرف ہٹ کر دعا کی، یہ دعا پہلی دعا سے کچھ کم طویل نہ تھی، پھر آپؐ جمرۂ عقبہ تشریف لائے اور بیت اللہ بائیں طرف کرکے سات کنکریاں ماریں اور وہاں سے واپس آگئے، دعا نہیں کیا۔ بعض لوگوں نے اس کی یہ وجہ بتائی کہ جگہ تنگ تھی بعض لوگوں نے کہا کہ اس موقع کی دعا اسی عبادت کا ایک حصہ ہے، اس لئے رمی سے فارغ ہونے کے بعد دعا کا کوئی معنی نہیں، بلکہ عبادت کے دَوران ہی کی دعا افضل ہے۔ میرے ذہن میں برابر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ نماز سے پہلے رمی کرتے تھے یا بعد میں؟ غالب گمان یہ ہے کہ آپؐ نے نماز سے پہلے رمی کیا ہوگا، کیوں کہ حضرت جابر وغیرہ کا بیان ہے کہ آپؐ سورج کے ڈھل جانے کے بعد رَمی کرتے تھے۔

۳۱۔ فصل

منیٰ میں قیام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دَوران حج میں چھ مقامات پر دعا کے لئے ٹھہرے۔ صفا پہاڑی پر، مروہ پہاڑی پر، عرفہ میں، مزدلفہ میں، جمرۂ اولیٰ کے پاس اور جمرۂ ثانیہ کے پاس۔

آپؐ نے منیٰ میں دو خطبے دیئے، ایک قربانی کے دن، جس کا ذکر ہو چکا اور دوسرا ایام تشریق کے وسط میں۔ آپؐ سے حضرت عباس نے منیٰ کی راتیں مکہ میں بسر کرنے کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اجازت دیدی کیونکہ انھیں حاجیوں کو پانی پلانا رہتا تھا! اسی طرح اونٹ چرانے والوں کو منیٰ سے باہر اونٹوں کے پاس رات بسر کرنے کی اجازت طلب کی تو آپؐ نے انھیں بھی اجازت دیدی اور یہ فرمایا کہ قربانی والے دن کنکری مار لیں اور پھر بعد کے دو دنوں کی کنکریاں کسی ایک دن میں اکٹھا مار لیں۔ امام مالک کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپؐ نے دو دنوں میں سے پہلے دن رمی کے لئے فرمایا، پھر وہ نکلنے والے دن رمی کریں۔ اس حدیث کے بارے میں ابن عینیہ کا قول ہے کہ، چرواہوں کو آپؐ نے رخصت دی ہے کہ ایک دن کنکری ماریں اور ایک دن چھوڑ دیں، اور دونوں جماعتوں کے لئے سنت سے یہ ثابت ہے کہ منیٰ میں رات بسر کریں لیکن کنکری مارنا نہ چھوڑیں بلکہ تاخیر کرکے رات میں ماریں یا دو دنوں کے بدلہ ایک ہی دن کنکری مار لیں۔

اگر کسی شخص کو مال کے ضائع ہونے کا ڈر ہو، یا مریض کی نگہداشت کرنی ہو، یا وہ خود ہی مریض ہو جائے اور رات بسر کرنا ممکن نہ ہو تو یہ حکم ساقط ہو جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دن میں عجلت نہیں کی بلکہ تیسرے دن بھی رک کر کنکری ماری پھر منگل کے دن ظہر کے بعد محصب کی طرف لوٹے، وہاں ابو رافع نے آپؐ کے لئے قبہ بنا رکھا تھا۔ آپؐ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے، پھر اُٹھ کر مکہ گئے اور رات کو سحر میں طواف وداع کیا۔

اس رات حضرت عائشہ نے صرف عمرہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، آپؐ نے انھیں بتایا کہ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کر لینا حج اور عمرہ دونوں کا بدل ہے۔ لیکن انھوں نے اصرار کیا تو آپؐ نے ان کے بھائی کو حکم دیا کہ انھیں تنعیم سے عمرہ کرا لیں۔ وہ

عمرہ سے فارغ ہو کر محصب میں آپؐ کے پاس پہونچیں تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم دونوں فارغ ہو گئے؟ حضرت عائشہ نے جواب دیا کہ ہاں، پھر آپؐ نے کوچ کا اعلان فرمایا اور لوگ روانہ ہو گئے۔ علماء کا اس امر میں اختلاف ہے کہ محصب کو جانا سنت ہے یا اتفاقاً آپؐ وہاں گئے۔

۳۲۔ فصل

مدینہ کی واپسی

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ بیت اللہ میں داخل ہونا حج کی سنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدار ہے لیکن احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کسی حج یا عمرہ کے موقع پر بیت اللہ میں داخل نہیں ہوئے بلکہ فتح مکہ کے سال اس میں داخل ہوئے تھے اسی طرح ملتزم میں کھڑے ہونا جس کے متعلق مروی ہے کہ آپؐ نے فتح مکہ کے سال ایسا کیا تھا۔ رہی ابو داؤد کی روایت جس میں مذکور ہے کہ آپؐ نے اپنا سینہ، چہرہ، دونوں بازو اور دونوں ہتھیلیوں کو رکھا اور پھیلایا تو یہ احتمال ہے کہ آپؐ نے طواف وداع وغیرہ میں ایسا کیا ہو۔ لیکن مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ، طواف وداع کے بعد ملتزم میں کھڑا ہونا مستحب ہے۔ ابن عباس رکن اور دروازہ کی درمیانی جگہ کو لازم پکڑتے تھے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نکلنے کا ارادہ کیا اور ام سلمہ نے بھی جو مریض تھیں اور ابھی بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا، نکلنا چاہا تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ، جب صبح کی نماز شروع ہو جائے اور لوگ نماز میں مصروف ہوں اس وقت تم سواری پر طواف کر لو۔ انھوں نے ایسا ہی کیا اور نکلنے تک نماز نہیں پڑھی

یہ واقعہ یقیناً یوم النحر کا نہیں ہو سکتا، اس لئے طواف وداع سے متعلق ہوگا۔ اس سے یہ ظاہر ہے کہ اس دن صبح کی نماز آپؐ نے مکہ ہی میں ادا کی، ام سلمہ نے آپؐ کو نماز میں سورۃ طور پڑھتے ہوئے سنا، پھر مدینہ کی طرف لوٹنے کے لئے آپؐ نے کوچ کیا۔

جب آپؐ مقام روحا میں پہونچے تو ایک قافلہ ملا، آپؐ نے ان سے سلام کیا اور پوچھا کہ، کون لوگ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مسلمان، اور یہ پوچھا کہ آپؐ لوگ کون ہیں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رسول اللہ۔ یہ سن کر ایک عورت نے اپنے بچے کو آپؐ کی طرف بڑھا کر پوچھا کہ، یا رسول اللہ، اس کا بھی حج ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں اور تمہیں اجر ملے گا۔

ذوالحلیفہ میں پہونچ کر آپؐ نے رات بسر کی، جب مدینہ نظر پڑا تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھی:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اٰئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ سَاجِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اور حمد اسی کی ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ہم واپس لوٹے توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے، سجدہ کرتے ہوئے اور اپنے رب کی تعریف کرتے ہوئے۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، اپنے بندہ کی مدد کی اور جماعتوں کو تنہا شکست دی۔

۳۴۔ فصل

ہدی، قربانی اور عقیقہ کا مسنون طریقہ

سورۃ انعام میں مذکور آٹھ جوڑوں کے ساتھ یہ تینوں چیزیں مخصوص ہیں، اور یہ حکم قرآن کی چار آیتوں سے ماخوذ ہے۔

اُحِلَّتۡ لَكُمۡ بَهِيۡمَةُ الۡاَ نۡعَامِ۔ (سورۃ مائدہ آیت ــ ۱)	تمہارے لئے چار پائے مویشی حلال ہیں۔
لِيَذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمۡ مِنۡ بَهِيۡمَةِ الۡاَنۡعَامِ۔ (سورۃ حج ــ ۳۴)	تاکہ اللہ کے دیئے ہوئے چارپایوں پر اللہ کے نام ذکر کریں۔
وَمِنَ الۡاَنۡعَامِ حَمُوۡلَةً وَّفَرۡشًا۔ (سورۃ انعام ــ ۱)	اور خدا نے چوپایوں میں سے بعض بوجھ دار اور بعض زمین سے لگے ہوئے پیدا کئے۔
هَدۡيًا بَالِغَ الۡكَعۡبَةِ (سورہ مائدہ ـ ۹۵)	کعبہ تک پہونچنے والی قربانی۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ کو پہونچنے والی ہدی انھیں آٹھ جوڑوں میں سے ہوگی۔ یہ حضرت علی کا استنباط ہے۔

جن ذبیحوں کو عبادت کا درجہ حاصل ہے، وہ تین ہیں، ہدی، قربانی اور عقیقہ۔ ہدی میں آپؐ نے بکری اور اونٹ دونوں دیا، اور ازواج مطہرات کی طرف سے گائے کو ہدی میں دیا۔ ہدی کا ثبوت اقامت حج اور عمرہ تمام حالتوں میں ہے۔ بکری کو ہدی میں آپؐ بھیجتے تو قلادہ پہنا دیتے اور خون سے نشاندار نہ بناتے۔ اقامت کی حالت میں اگر ہدی بھیجتے تو کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام نہ فرماتے۔ ہدی میں جب اونٹ بھیجتے تو اس کو

ہار بھی ڈالتے اور نشان بھی لگاتے، نشان کا طریقہ یہ تھا کہ دائیں کوہان کو تھوڑا سا پھاڑ دیتے کہ خون بہہ نکلے۔ ہدی بھیجتے ہوئے آپؐ قاصد کو یہ حکم دیتے تھے کہ اگر کوئی جانور مرنے لگے تو اسے ذبح کر دے اور جوتے کو اس کے خون سے رنگ کر اس کے پہلو میں رکھ دے اس کا گوشت نہ تو خود کھائے نہ اپنے ساتھیوں کو کھلائے، بلکہ دوسروں میں تقسیم کر دے۔ گوشت کا استعمال کرنے سے روکنے کا مقصد یہ تھا کہ قاصد جانوروں کے تحفظ میں کوتاہی نہ کرے۔

اونٹ اور گائے کی ہدی میں آپؐ نے سات اشخاص کو شریک فرمایا، ہدی ہنکا کر لے جانے والے کے لئے بوقت ضرورت اس پر سواری کی اجازت آپؐ نے دی ہے تاوقتیکہ دوسرا جانور نہ ملے۔ حضرت علی کا قول ہے کہ، اس کے بچّہ سے فاضل دودھ آدمی خود استعمال کر سکتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ اونٹ کو کھڑا کر کے اور بایاں اگلا پیر باندھ کر نحر کرتے تھے اور اس وقت میں بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھتے تھے۔ قربانی اپنے ہاتھ سے ذبح فرماتے تھے، اور کبھی کبھی دوسرے سے بھی ذبح کرا لیتے تھے۔ جب بکری ذبح کرتے تو اس کے پہلو پر اپنے دونوں پیر رکھ کر بسم اللہ، اللہ اکبر پڑھتے پھر ذبح کرتے۔ اُمت کے لئے آپؐ نے اجازت دی ہے کہ ہدی اور قربانی کا گوشت کھائیں اور بطور توشہ رکھیں، لیکن تین دن سے زائد نہ رکھیں۔ یہ حکم اس سال لوگوں کی تکلیف کے خیال سے آپؐ نے دیا تھا۔ آپؐ ہدی کا گوشت تقسیم کر دیتے تھے، اور کبھی یہ فرما دیتے کہ جو چاہے کاٹ کر لیجائے۔ اس اجازت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ شادی وغیرہ میں اگر کوئی چیز نچھاور کی جائے تو اسے لوٹنا جائز ہے۔ کچھ لوگوں نے دونوں میں فرق بتایا ہے جو واضح نہیں ہے۔ عمرہ کی ہدی کو آپؐ مروہ کے پاس اور حج قِران کی ہدی کو منا میں ذبح کرتے تھے۔ ہدی کو ہمیشہ آپؐ نے حلال ہو کر سورج نکلنے اور کنکری مارنے کے بعد ذبح کیا۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ یوم النحر یعنی دسویں تاریخ کو حج کے چار کام بالترتیب کرنے ہیں، اول کنکری مارنا، دوم قربانی کرنا، سوم بال منڈانا، اور چہارم طواف کرنا۔ سورج نکلنے سے پہلے آپؐ نے قطعاً اجازت نہیں دی ہے۔

۳۴۔ فصل

قربانی کے جانور کا بیان

قرآن کی سنت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اسے ترک نہیں کرتے تھے۔ آپؐ نماز کے بعد دو مینڈھوں کی قربانی کرتے تھے۔ آپؐ نے یہ فرمایا ہے کہ نماز سے پہلے ذبح کرنے پر قربانی نہیں ہوگی بلکہ گوشت کھانے کے لئے ذبیحہ ہوگا، اسی کی پابندی ضروری ہے، نماز کے وقت کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپؐ نے یہ حکم دیا ہے کہ بھیڑ کا ایک سال کا بچہ ذبح کیا جائے اور دوسرے جانوروں سے جو جانور دو دانت والا ہو چکا ہو۔ آپؐ سے مروی ہے کہ، تشریق کے تمام دن ذبح کے دن ہیں۔ لیکن یہ حدیث منقطع ہے۔ امام عطاءؒ حسن اور شافعی کا یہی مذہب ہے، اور ابن المنذر نے اسی کو پسند کیا ہے۔

آپؐ کی سنت یہ تھی کہ قربانی کا جانور اچھی طرح دیکھ لیتے اور عیوب سے پاک جانور کو منتخب فرماتے۔ آپؐ نے کان کٹے ہوئے یا آدھی یا اس سے زیادہ سینگ ٹوٹے ہوئے جانور کی قربانی سے منع فرمایا ہے، اسے ابو داؤدؒ نے ذکر کیا ہے۔ آپؐ نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ آنکھ اور کان کو اچھی طرح دیکھ کر اطمینان کر لینا چاہیئے کہ ان میں کوئی عیب تو نہیں۔

لنگڑے جانور کی، یا جس کا کان یا آگے پیچھے سے کٹا ہو یا جس کا کان پھٹا ہو یا جس کے کان میں سوراخ ہو، کسی کی قربانی نہیں کرنی چاہیئے۔ اسے ابو داؤدؒ نے ذکر کیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ عیدگاہ میں قربانی کرنے کا تھا۔ ابو داؤد نے حضرت جابر سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دسویں ذی الحجہ کو دو سینگدار خصی کئے ہوئے بھورے مینڈھے ذبح کئے، ان کو زمین پر لٹا لینے کے بعد آپؐ نے یہ دعا پڑھی

وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ، لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ عَنْ مُحَمَّدٍ وَّاُمَّتِهٖ، بِسْمِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ اَكْبَرُ۔

میں نے یکسو ہو کر اپنا رُخ آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کی طرف کر دیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا اللہ کے لئے ہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے، اس کا کوئی شریک نہیں مجھے اسی کا حکم ہے اور میں پہلا مسلمان ہوں، اے اللہ تیرے لئے اور تیری ہی طرف سے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکی امت کی جانب سے، اللہ کے نام سے، اور اللہ بہت بڑا ہے۔

پھر آپؐ نے جانور کو ذبح فرمایا۔ آپؐ نے ذبح و قتل اچھی طرح کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان کو فرض کیا ہے۔ آپؐ کا یہ ارشاد ہے کہ ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر والوں کی جانب سے کافی ہے۔

۳۵۔ فصل

عقیقہ کا مسنون طریقہ

مؤطا میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق سوال کیا گیا تو

آپؐ نے فرمایا کہ میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا۔ گویا آپؐ نے اس لفظ کو مکروہ سمجھا حضرت عائشہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری عقیقہ میں ذبح کی جائے گی۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ، ہر لڑکا عقیقہ کا مرہون ہوتا ہے۔ عقیقہ کا جانور ساتویں دن ذبح کیا جائے گا اور اسی دن بچہ کا سر مونڈا جائے گا اور نام رکھا جائے گا۔

"رہن" کا معنی لغت میں روکنا ہے۔ گذشتہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جس لڑکے یا لڑکی کا عقیقہ نہ ہو اسے والدین کی شفاعت سے روک دیا جائے گا۔ ظاہری معنی یہ ہے کہ بچہ اپنی ذات سے متعلق مرہون ہوگا اور اس کے ساتھ ہونے والی کسی بھلائی کو روک دیا جائے گا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آخرت میں اسے سزا ملے گی۔ لڑکے سے بھلائی کبھی کبھی والدین کی کوتاہی سے بھی رک جاتی ہے، مثلاً جماع کے وقت بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ ابوداؤد نے مراسیل میں جعفر سے روایت کی ہے، وہ اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن اور حسین کے عقیقہ میں فرمایا کہ، دایہ کے گھر کسی کو بھیجدو، کھاؤ، کھلاؤ اور کوئی ہڈی نہ توڑو میمونی کہتے ہیں کہ ہم نے بحث کی کہ کتنے دن بعد بچہ کا نام رکھا جائے؟ ابوعبداللہ نے کہا کہ حضرت انس سے مروی ہے کہ تیسرے دن نام رکھنا چاہئے لیکن حضرت سمرۃ کا قول ہے کہ ساتویں دن نام رکھنا چاہئے۔

۳۶۔ فصل

نام اور کنیت کا مسنون طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ، اللہ عزوجل کے

نزدیک سب سے بُرا نام "ملک الاملاک" ہے۔ کیونکہ مالک اللہ کے علاوہ کوئی نہیں۔ آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ، اللہ کی نظر میں سب سے محبوب نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہے اور سب سے سچا نام حارث و ہمام۔ اور بدترین نام حرب اور مرۃ ہے۔ آپؐ کی یہ حدیث بھی ثابت ہے کہ، اپنے غلام کا یسار، رباح، نجیح اور افلح نام نہ رکھو۔ اس لئے کہ ضرورت کے وقت تم پوچھو گے کہ وہ فلاں جگہ ہے؟ اگر نہ ہوگا تو جواب ملے گا نہیں۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے عاصیۃ نام بدل کر جمیلۃ رکھ دیا، اور برہ بدل کر جویریۃ رکھدیا۔ زینب بنت ام سلمۃ کہتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام (برۃ) رکھنے سے منع فرمایا کہ، اپنی پاکی نہ جتاؤ، اللہ اہل خیر کو بخوبی جانتا ہے۔ آپؐ نے ابوالحکم نام بدل کر ابوشریح رکھدیا اور اصرام کی جگہ زرعۃ۔ ابن المسیب کے دادا کا نام حزن تھا، اس کی جگہ آپؐ نے سہل کر دیا تو انھوں نے انکار کیا اور کہا کہ سہل کو پیروں سے روند دیا جاتا ہے اور ذلیل کیا جاتا ہے۔

ابوداؤد کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاص، عزیز، عتلۃ، شیطان، حکم غراب، حباب وغیرہ نام بدل دیئے۔ شہاب کی جگہ ہشام، حرب کی جگہ سِلم اور مضطجع کی جگہ منبعث نام رکھے۔ زمین کو عفرہ کی جگہ خِضرۃ کہا، شعب ضلالت کو شعب ہدایت سے موسوم کیا اور بنو مغویۃ کو بنو رِشدۃ کا نام دیا۔

چونکہ اسماء، معانی کے قوالب اور اُن پر دال ہوتے ہیں، اس لئے حکمت کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں کے درمیان تعلق اور مناسبت ہو، ایسا نہ ہو کہ معنی نام کے ساتھ اجنبی محض ہو، حکمت اس کے منافی اور واقعہ کی شہادت اس کے خلاف ہے۔ بلکہ اسم مسمیٰ پر اثر کرتا ہے، اور مسمیٰ حسن و قبح، خفت و ثقل اور لطافت و کثافت میں اسم کا اثر قبول کرتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے۔

وقلّ ان بصرت عيناك ذالقب   الّا ومعناه ان فكرت فی لقبه

بہت کم ایسا ہوگا کہ تمہاری نظر کسی لقب والے پر پڑے اور اسکا معنی اسکے لقب میں نہ ہو، بشرطیکہ تم غور کرو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند کرتے تھے اور یہ حکم دیتے تھے کہ آپؐ کے پاس اگر قاصد کو بھیجا جائے تو اچھے نام اور اچھی شکل والا قاصد بھیجا جائے۔ ناموں کے معانی کا آپؐ خواب اور بیداری دونوں میں لحاظ کرتے تھے، جیسا کہ آپؐ نے خواب میں دیکھا کہ آپؐ صحابہ کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں تھے، اور ان لوگوں کے پاس ابن طاب کی تر کھجوریں (رطب) لائی گئیں۔ آپؐ نے اس کی تاویل یہ کی کہ دنیا کا اچھا انجام اور آخرت کی بلندی مسلمانوں ہی کے لئے ہے، اور جس دین کو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے اختیار کیا ہے وہ بارآور اور خوشگوار ہو چکا ہے۔ جب حدیبیہ کے دن آپؐ کے پاس سہیل آئے تو اس کی تاویل آپؐ نے معاملہ کی سہولت اور آسانی سے کی۔ ایک دن کچھ لوگوں سے آپؐ نے بکری دوہنے کے لئے کہا، ایک شخص اس کے لئے کھڑا ہوا، آپؐ نے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ 'مرۃ' یعنی تلخ، آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ۔ دوسرا کھڑا ہوا، آپؐ نے اس سے پوچھا، تو اس نے بتایا کہ 'حرب' یعنی جنگ۔ آپؐ نے فرمایا، بیٹھ جاؤ، پھر تیسرا کھڑا ہوا، آپؐ نے نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ 'یعیش' یعنی زندہ۔ آپؐ نے فرمایا کہ، تم اسے دوہو۔

اسی طرح آپؐ نے بُرے نام والی جگہوں کو اور وہاں سے گذرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو پہاڑوں کے درمیان سے گذرے اور ان کا نام پوچھا لوگوں نے بتایا کہ فاضِح اور مُخزی (یعنی بے عزت اور رسوا بنانے والی) یہ سُن کر آپؐ نے راستہ بدل دیا

چونکہ اسم و مسمیٰ کے مابین وہی ربط و مناسبت اور قربت ہوتی ہے جو اشیاء کے قالب اور ان کے حقائق یا روح و جسم کے مابین ہوتا ہے، اس لئے نام سن کر مسمیٰ کی

طرف عقل کا جانا ضروری ہے، جیسا کہ ایاس بن معاویہ وغیرہ کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ کسی شخص کو دیکھ کر یہ بتاتے تھے کہ اس کا نام فلاں ہوگا، اور یہ صحیح ہوتا تھا۔

اسی طرح حضرت عمرؓ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے بتایا کہ جمرۃ (چنگاری)، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تمہارے باپ کا نام؟ اس نے جواب دیا کہ شہاب (شعلہ)، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تمہارا گھر؟ اس نے کہا کہ حرۃ النار (آگ کی جلن) میں، حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ تمہاری سکونت؟ اس نے کہا کہ، ذات لظی (شعلہ والی جگہ) میں، حضرت عمرؓ نے یہ سن کر کہا کہ جاؤ تمہارا گھر جل گیا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ واپس گیا تو دیکھا کہ حقیقتہً اس کا گھر جل چکا تھا۔ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کا نام سمجھ کر معاملہ کی سہولت کو سمجھا۔ آپؐ نے اپنی اُمت کو یہ حکم دیا ہے کہ اچھے نام رکھیں، آپؐ نے یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن لوگوں کو ان کے نام سے پکارا جائے گا۔ یہ چیز غور کرنے کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف سے جو دو نام احمد اور محمد مشتق ہوئے وہ دونوں معنی کے مطابق تھے، چنانچہ صفات محمودہ کی کثرت کی بنا پر آپؐ محمد (تعریف کئے گئے) تھے۔ اسی طرح آپؐ نے ابو الحکم کو ابو جہل کی کنیت دی، اور اللہ تعالیٰ نے عبدالعزیٰ کو ابولہب کہا، کیونکہ اس کا ٹھکانہ شعلوں کے بیچ تھا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس کا نام یثرب تھا، آپؐ نے اسے طیبہ سے موسوم کیا، اور اس تسمیہ سے اس کے اندر خوشگواری پیدا ہوگئی اور تثریب (تخریب) کا مفہوم ختم ہوگیا۔ چونکہ اچھا اسم اپنے مسمیٰ کا مقتضی ہوتا ہے اس لئے آپؐ نے بعض عربوں سے کہا، اے بنی عبداللہ، اللہ تعالیٰ نے تمہارا اور تمہارے باپ کا نام اچھا رکھا۔ اس طرح آپؐ نے انھیں اللہ کی بندگی کی طرف بلایا۔

اس موقع پر ان چھ ناموں پر غور کرو جن سے موسوم لوگ ایک دوسرے کے

مقابلہ پر نکلے تھے، ایک کا نام ولید تھا جس کا معنی ہے بچّہ۔ اس سے ابتدائی کمزوری کا پتہ چلتا ہے۔ دوسرے کا نام تھا شیبہ یعنی بڑھاپا، اس سے اخیر کی کمزوری مترشح ہوتی ہے، تیسرے کا نام تھا عتبہ جو عتب بمعنی غصہ سے ماخوذ ہے، یعنی اس نام سے موسوم شخص مورد عتاب ہوگا۔ اب مقابل کے ناموں پر غور کرو یعنی علی، ابو عبیدہ اور حارث۔ علی سے بلندی ابو عبیدہ سے بندگی اور حارث سے آخرت کے لئے کوشش ثابت ہوتی ہے۔ اسی درجہ سے اللہ کے نزدیک اچھے نام وہی ہیں جن کا معنی اچھا ہو۔ چونکہ عبودیت اللہ کی نظر میں زیادہ محبوب ہے، اس لئے اس کے ناموں میں سے اللہ اور رحمٰن کی طرف اس کی اضافت القادر اور القاہر کی طرف اضافت سے زیادہ محبوب ہے، کیوں کہ بندے اور رب کے مابین جو تعلق ہے وہ رحمت خالص کا ہے، اسی کی رحمت سے بندے کا وجود و کمال ہے، اور جس مقصد کے لئے اسے پیدا کیا ہے وہ یہ ہے کہ بندہ محبّت، خوف اور اُمید کیساتھ اللہ کی بندگی کرے۔ اور چونکہ ہر بندہ ارادہ سے حرکت کرتا ہے، اور ارادہ کا مبدا اُھتر (قصد) ہوتا ہے، پھر ارادے کے نتیجہ میں محنت اور کمائی (حرث وکسب) ہوتا ہے، اس لئے سب سے سچّا نام حارث اور ہمام ہے۔ اسی طرح چونکہ سچی ملکیت اور بادشاہت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے زیبا ہے، اس لئے اس کے نزدیک سب سے بُرا نام ملک الملوک، سلطان السلاطین یا شہنشاہ (بادشاہوں کا بادشاہ) ہے۔ کیونکہ اللہ کے علاوہ کسی کے اندر یہ وصف نہیں، اس لئے اس نام سے کسی کو موسوم کرنا باطل ہوگا، اور اللہ باطل کو پسند نہیں کرتا۔ بعض لوگوں نے قاضی القضاۃ (فیصلہ کرنے والوں کا فیصلہ کرنے والا) کو بھی اسی درجہ میں رکھا ہے۔ سید الناس (لوگوں کا سردار) کے نام سے بھی کسی کو موسوم کرنا اسی طرح قبیح ہے، کیوں کہ یہ وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے لئے زیبا نہیں۔

چونکہ حرب (لڑائی) اور مرارۃ (تلخی) کا سبھی طبیعتوں کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اس لئے سب سے قبیح نام حرب اور مرۃ مانا گیا ہے، اور یہی حکم حنظلہ اور حزن وغیرہ ناموں کا بھی ہے۔ اور چونکہ انبیاء کرام کے اخلاق سب سے اشرف وافضل ہوتے تھے، اس لئے ان کے نام بھی سب سے اچھے ہوتے تھے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ حکم دیا کہ انبیاء کے نام پر نام رکھیں۔ چنانچہ سنن ابو داؤد اور نسائی میں مروی ہے کہ:

تسمّوا باسماءِ الانبیاءِ۔ "یعنی انبیاء کے نام اختیار کرو۔"

اس سے اگر کوئی اور فائدہ نہ ہو صرف اتنا ہو جائے کہ نام سے مسمی کی یاد آجائے اور اس کے معنی سے تعلق کا تقاضا نمایاں ہو جائے تو یہی بہت ہے۔

رہا غلام کو یسار وغیرہ نام سے موسوم کرنے سے روکنا تو اس کا سبب دوسرا ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے، یعنی یہ کہ جب تم پوچھوگے کہ وہ وہاں ہے الخ خدا معلوم یہ ٹکڑا حدیث ہی کا ہے یا اس میں اضافہ ہے۔ بہرصورت اس طرح کے نام بدفالی کا سبب بھی بن سکتے تھے اور اسے ختم بھی کر سکتے تھے، اس لئے اُمت پر شفیق رسول کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ انھیں ایسے اسباب سے محفوظ رکھا جائے جو کسی ناپسندیدہ امر کو سننے یا اس کے وقوع پذیر ہونے کو ضروری بنا دیں۔ اسی کے ساتھ یہ بھی امکان ہے کہ اسم اپنی ضد کا مسمی بن جائے، مثلاً یسار ایسے شخص کا نام پڑ جائے جو سراسر مشکل کا باعث ہو یا نجیح اس آدمی کا نام ہو جو کبھی کامیاب نہ ہو، یا رباح اس آدمی کو کہا جائے جو خسارہ پانے والوں میں ہو، اس طرح یہ نسبت اس پر بھی جھوٹ ہوگی اور اللہ تعالیٰ پر بھی، نیز لوگ اس سے یہ توقع رکھیں گے کہ اپنے نام کے مطابق کام کرے، اور وہ ایسا نہ کر سکے گا، پھر اسے بُرا بھلا کہا جائے گا، جیسا کہ اس شعر میں اشارہ ہے:

سموك من جهلهم سديدًا   والله ما فيك من سداد۔

لوگوں نے جہالت سے تمہارا نام سدید (دُرست) رکھ دیا لیکن بخدا تم میں کسی طرح کی درستگی نہیں۔

یہی صورت اس وقت ہوتی ہے جب کسی کی ایسی تعریف کی جائے جو درحقیقت اس کے لئے مذمت اور لوگوں کی نظر میں بے وقعتی کا سبب بن جائے، مثلاً اگر تعریف میں ایسی باتیں ممدوح کی طرف منسوب کی جائیں جو اس میں موجود نہیں تو سننے والے انھیں صفات کا اس سے مطالبہ کریں گے اور اس کو ان صفات کا حامل مانیں گے لیکن جب تجربہ کے بعد وہ اوصاف نہیں ملیں گے تو ممدوح کی وقعت ان کے دلوں سے نکل جائے گی اور خود مدح مذمت کی شکل اختیار کرلے گی۔ اگر ایسے شخص کو بغیر تعریف چھوڑ دیا جائے تو مذکورہ خرابی لازم نہیں آئے گی۔ ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ایسی تعریف سن کر انسان کو اپنی پاکی و برتری کا احساس ہو جائیگا، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے برّة، رشید، مطیع اور طائع وغیرہ نام رکھنے سے منع فرمایا۔ نیز کفار کو اس طرح کا نام نہ رکھنے دینا چاہیئے، نہ ان کو ایسے ناموں سے پکارنا چاہیئے۔

جہاں تک کنیت کا سوال ہے تو یہ ایک طرح کی تکریم ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صہیب کی ابو یحییٰ، حضرت علی کی ابو تراب اور حضرت انس کے بھائی کی بچپن ہی میں ابو عمیر کنیت رکھی تھی۔ آپؐ کی سنت یہ تھی کہ صاحب اولاد اور لاولد تمام لوگوں کی کنیت رکھتے تھے۔ کسی خاص کنیت کو اختیار کرنے سے ممانعت آپؐ سے ثابت نہیں البتہ ابو القاسم کنیت کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ کسی کی یہ کنیت رکھنا جائز نہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ کے نام کے ساتھ یہ کنیت جائز نہیں، اس کی تائید میں ایک حدیث وارد ہے جسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ آپؐ کے نام اور کنیت دونوں کو ایک ساتھ اختیار کرنا جائز ہے، کیونکہ

حضرت علی کی ایک حدیث میں مذکور ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگر آپؐ کے بعد میرے کوئی لڑکا ہوگا تو میں اس کو آپؐ کی کنیت اور آپؐ کا نام دوں گا۔ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ اس حدیث کو امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ممانعت کا تعلق آپؐ کی زندگی کے ساتھ مخصوص تھا۔

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ آپؐ کی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت آپؐ کی طرف سے ہے، اور زندگی میں یہ ممانعت زیادہ سخت تھی۔ اسی طرح کنیت اور نام دونوں اختیار کرنے کی بھی آپؐ سے ممانعت ہے، حضرت علی کی مذکورہ حدیث محل نظر ہے امام ترمذی تصحیح میں تساہل سے کام لیتے ہیں۔ پھر حضرت علی کا قول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں رخصت دی تھی، جسکا معنی یہ ہے کہ دوسروں کے حق میں ممانعت باقی ہے۔ رہی حضرت عائشہ کی حدیث:

مَا الَّذِی اَحَلَّ اِسْمِی وَحَرَّمَ کُنْیَتِیْ — کس چیز نے میرا نام حلال اور کنیت حرام کی ہے۔

تو یہ غریب ہے، اس سے صحیح حدیث کی مخالفت نہیں کی جا سکتی۔

سلف میں کچھ لوگوں نے ابو عیسیٰ کنیت کو ناپسند سمجھا ہے اور کچھ نے اجازت دی ہے، ابو داؤد نے زید بن اسلم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے ایک لڑکے کو ابو عیسیٰ کنیت اختیار کرنے پر مارا تھا۔ حضرت مغیرہ نے ابو عیسیٰ کنیت اختیار کی تو حضرت عمر نے ان سے کہا کہ ابو عبد اللہ کنیت کافی نہ تھی؟ انھوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اگلا پچھلا تمام گناہ معاف تھا، ہمارا انجام معلوم نہیں۔ اس کے بعد سے موت تک وہ ابو عبد اللہ کنیت ہی سے یاد کئے جاتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو کرم کہنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کرم مومن کا دل ہے۔ ایسا اس لئے فرمایا کہ لفظ خیر و منفعت کی کثرت کو بتاتا ہے آپؐ

نے یہ بھی فرمایا کہ، بدو تم پر تمہاری نماز کے نام کے بارے میں تم پر غالب نہ آجائیں، آگاہ رہو اس کا نام عشاء ہے، لیکن وہ لوگ اسے عتمۃ کہتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ، اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ عتمۃ (عشاء) اور صبح کی نماز میں کیا اجر ہے تو گھسٹتے ہوئے حاضر ہوں گے۔ اس لئے صحیح توجیہ یہ ہے کہ آپؐ نے عتمۃ کے لفظ کو مطلقاً استعمال کرنے سے منع نہیں فرمایا، بلکہ عشاء کا نام چھوڑ کر اسے اختیار کرنے سے منع فرمایا، اور ایسا اس نام کی محافظت کے خیال سے کیا جس سے عادتوں کو اللہ تعالیٰ نے موسوم کیا ہے یعنی انھیں چھوڑ کر ان کی جگہ دوسرے نام نہ اختیار کئے جائیں، جیسا کہ متاخرین نے منصوص ناموں کو چھوڑ کر نئی اصطلاحات کو اختیار کر لیا، اس کی وجہ سے جو جہالت اور خرابی پیدا ہوئی اس کو خدا ہی جانتا ہے۔ اسی طرح ان چیزوں کے مقدم کرنے پر آپؐ کی محافظت کا معاملہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے مقدم کیا ہے، مثلاً بقرعید میں آپؐ نے پہلے نماز پڑھی، پھر قربانی کی۔ اعضاء وضو کو دھونے میں پہلے چہرہ دھلا، پھر دونوں ہاتھ، پھر سر کا مسح کیا پھر دونوں پیر دھلا، اسی طرح صدقہ فطر نماز سے پہلے ادا کیا کیوں کہ آیت میں پہلے صدقہ ہی کا ذکر ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اِسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ (سورہ اعلیٰ ــ ۱۴-۱۵)

کامیاب ہے جس نے پاکی حاصل کی اور اللہ کو یاد کر کے نماز پڑھی۔

۳۷۔ فصل

گفتگو میں احتیاط اور مناسب الفاظ اختیار کرنے کا مسنون طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم تقریر اور گفتگو میں لوگوں کے لئے عمدہ اور نرم و پاکیزہ الفاظ منتخب

فرماتے تھے، کوئی فحش کلمہ آپؐ زبان پر نہ لاتے، نہ چیختے، نہ ترش روئی اختیار فرماتے۔ کسی عمدہ لفظ کو غیر عمدہ شخص کے لئے اور کسی ناپسندیدہ لفظ کو پسندیدہ شخص کے لئے استعمال نہیں فرماتے تھے۔

چنانچہ منافق کو سید، انگور کو کرم ابوجہل کو ابوالحکم کہنے سے آپؐ نے منع فرمایا، صحابہؓ میں جن کا ابوالحکم نام تھا ان کو ابوشریح کہا اور فرمایا کہ، حکم اللہ ہے اور وہی فیصلہ کریگا۔ غلام کو آپؐ نے بتایا کہ اپنے آقا کو رب نہ کہے، اور آقا کو حکم دیا کہ مملوک کو بندہ یا بندی نہ کہے۔ کسی نے آپؐ کے سامنے طبیب ہونے کا دعویٰ کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ، تم رفیق ہو طبیب تو پیدا کرنے والا ہے۔ جہلاء بعض قانون قدرت جاننے والے کافر کو حکیم (فلسفی) کہتے ہیں۔ اسی کی مثال ہے کہ جب خطیب نے کہا کہ وَمن یعصھما فقد غوی (جو اللہ اور رسول کی نافرمانی کرے وہ گمراہ ہوگیا) تو آپؐ فرمایا کہ تم بہت بُرے خطیب ہو۔ اسی طرح آپؐ نے فرمایا ماشاء اللہ وشاء فلان (جو اللہ اور فلاں چاہے) نہ کہو۔ اسی مفہوم کا قول ان کا ہے جو شرک سے پرہیز نہیں کرتے، ایسے لوگ کہتے ہیں، انا باللہ وبک (میں اللہ سے اور تم میں سے ہوں) انا فی حسب اللہ وحسبک (میں تمہاری اور اللہ کی کفایت میں ہوں) مالی الا اللہ وانت (میرے لئے اللہ اور تمہارے سوا کوئی نہیں) انا متوکل علی اللہ وعلیک (مجھے اللہ پر اور تم پر بھروسہ ہے) ھذا من اللہ ومنک (یہ اللہ کی اور تمہاری طرف سے ہے) واللہ وحیاتک (تمہاری اور اللہ کی قسم) اس طرح کے جملوں میں چونکہ کہنے والا اللہ کا ساجھی بنا دیتا ہے، اس لئے ان کی ممانعت اور قباحت "ماشاء اللہ وشئت" والے جملہ سے بڑھ جاتی ہے۔

البتہ اگر کوئی یوں کہے کہ، انا باللہ ثم بک، یا ماشاء اللہ ثم شئت تو اس میں کوئی قباحت نہ ہوگی، جیسا کہ تین اشخاص کے واقعہ والی حدیث میں یہ جملہ وارد

ہے کہ لا بلاغ لی الیوم الا باللہ ثم بك (میرے لئے آج اللہ کے پھر تمہارے علاوہ کوئی سہارا نہیں۔)

رہا مذمت والے الفاظ کا ان لوگوں کے حق میں استعمال جو ان کے اہل نہیں، تو اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

آپؐ نے زمانہ کو بُرا بھلا کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ ہی زمانہ ہے۔ ایسا کرنے میں اصل میں تین خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس طرح غیر مستحق کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔

دوم یہ کہ زمانہ کو بُرا بھلا کہنے سے شرک کا شائبہ ہوتا ہے، کیوں کہ انسان زمانہ کو بُرا بھلا یہ سوچ ہی کر کہتا ہے کہ وہ نفع نقصان پہونچا سکتا ہے، اور وہ ظالم ہے۔ لوگوں نے بہت سے اشعار میں زمانہ کو بُرا بھلا کہا ہے، اور بہت سے جاہل کھلم کھلا زمانہ پر لعنت بھیجتے ہیں۔

سوم یہ کہ بدکلامی ان کاموں کے کرنے والے پر واقع ہوتی ہے جن سے انسان ناراض ہوتا ہے، حالانکہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرے تو زمین و آسمان میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ جب واقعات ان کے موافق ہو جاتے ہیں تو یہ زمانہ کی تعریف شروع کر دیتے ہیں۔

اسی قبیل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ، تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ تَعِسَ الشَّیْطَانُ (شیطان ہلاک ہو) کیونکہ یہ سن کر شیطان خود کو گھر کی طرح بڑا تصور کرنے لگے گا اور کہے گا کہ میں نے اپنی طاقت سے بندہ کو زیر کیا۔ البتہ ایسے موقع پر بسم اللہ کہنا چاہیئے، یہ سن کر شیطان مکھی کی طرح چھوٹا ہو جائے گا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ بندہ جب شیطان کو لعن طعن کرتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ تم لعنت کی جگہ ہی پر

لعنت بھیجتے ہو۔ اسی طرح اخزی اللہ الشیطان (اللہ رسوا کرے شیطان کو) اور قبح اللہ الشیطان (اللہ برا کرے شیطان کا) کہنے سے بھی شیطان خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ، انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں نے اپنی طاقت سے اسے نقصان پہونچایا ہے اس طرح اسے بندوں کو گمراہ کرنے کا حوصلہ ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رہنمائی بھی فرمائی ہے کہ جس کو شیطان کوئی نقصان پہونچائے وہ اللہ کو یاد کرے اور شیطان کا نام ذکر کرکے اس سے اللہ کی پناہ چاہے، اس سے بندہ کو فائدہ پہونچے گا اور شیطان بھی ناراض ہوگا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ بھی کہنے سے منع فرمایا ہے کہ خَبُثَتْ نَفْسِی (میرا نفس خبیث ہوگیا) آپؐ نے فرمایا کہ لقست نفسی کہنا چاہئیے۔ دونوں جملوں کا معنی ایک ہی ہے، یعنی طبیعت وعادت میں خرابی پیدا ہوگئی ہے، لیکن خبث کا لفظ برا اور بھدا ہے، اس لئے آپؐ نے اس کے استعمال کو ناپسند فرمایا۔

کسی معاملہ یا موقع کے ہاتھ سے نکل جانے پر لوأنی فعلت کذا وکذا (کاش میں نے ایسا کیا ہوتا) کہنے سے بھی آپؐ نے منع فرمایا ہے، کیونکہ اس سے شیطان کے کام میں آسانی ہوتی ہے۔ آپؐ نے اس کی جگہ یہ تعلیم دی کہ بندہ قدر اللہ وما شاء فعل (یہ اللہ کا فیصلہ تھا، اور اللہ نے جو چاہا کیا) انسان کا یہ کہنا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہوتا تو فلاں موقع نہ کھوتا، یا جس مشکل میں پھنسا ہوں اس میں نہ پھنستا، ایک بے سود بات ہے جو کام گذر گیا پلٹ نہیں سکتا، اور اگر مگر سے لغزش کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ بندہ کے ایسے تصور میں یہ مفہوم پنہاں ہے کہ اگر اس کے اندازہ کے مطابق کام ہوتا تو فیصلۂ الٰہی کے خلاف کام ہوتا، حالانکہ مقدر کے خلاف کسی کام کا ہونا محال ہے۔ اس طرح ایسا کلام جھوٹ، نادانی اور محال پر مشتمل ہوگا، اگر تقدیر کی تکذیب نہ بھی لازم آئے تو کم از کم "اگر

مگر" سے اس کی مخالفت کا ارتکاب ضرور لازم آئے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس طرح
کے کلام میں بندہ جن اسباب کی تمنا کرتا ہے وہ بھی تو تقدیر ہی میں داخل ہیں؟ تو اس
کا جواب یہ ہوگا کہ یہ صحیح ہے، لیکن اس کا فائدہ ناپسندیدہ مقدر کے واقع ہونے سے
پہلے ہوسکتا ہے، اگر وہ واقع ہو جائے تو اسے روکنا یا ہلکا کرنا ممکن نہیں۔ اب بندے
کا کام یہ ہونا چاہیئے کہ اس فعل کا سامنا کرے جس سے اس واقع چیز کو دُور کر سکتا ہو
یا اس کے اثر کو کم کر سکتا ہو، جس صورت کے واقع ہونے کا امکان نہیں اس کی تمنّا سے
کوئی فائدہ نہیں، ایسا کرنا محض عاجزی ہے، اور اللہ تعالیٰ عاجزی پر عتاب کرتا ہے اور
ہوشمندی کو پسند کرتا ہے، اور اس کی صورت یہ ہے کہ انسان اسباب کو استعمال کرے
انہی سے خیر کا دروازہ کھلتا ہے، اور عاجزی شیطان کے کام کے لئے دروازہ کھولتی
ہے۔ بندہ جب اپنے لئے مفید کام کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو غلط آرزوؤں کا سہارا
لیتا ہے۔ اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عاجزی اور کسل سے پناہ مانگی ہے،
یہ دونوں اوصاف ہر برائی کی کنجی ہیں، انھیں سے رنج وغم، بزدلی وبخیلی، قرض اور
مغلوبیت پیدا ہوتی ہے، ان سب خرابیوں کا مصدر عاجزی اور کسل ہے، اور لو (اگر)
اس کا عنوان ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لو" شیطان کے کام کی
کنجی ہے۔ ایسی تمنا کرنے والا سب سے بڑا عاجز اور سب سے بڑا مفلس ہوتا ہے۔ تمام
معاصی کی جڑ عاجزی ہی ہے، اس لئے کہ بندہ جب اطاعت کے اسباب سے عاجز ہوتا
ہے اور اسی طرح ان اسباب سے عاجز ہوتا ہے جو اسے معاصی سے دُور رکھ سکیں
تو پھر وہ معاصی میں پڑ جاتا ہے۔ اس طرح حدیث کی اس دعا میں برائی کی اصل، اس کی
شاخیں، ابتداء وانتہا مورد و ماخذ ہر چیز کا احاطہ ہے۔ یہ آٹھ خصلتوں پر مشتمل ہے جن میں
ہر دو خصلتیں ایک ساتھ ہوتی ہیں۔ دعا کا پہلا جملہ ہے اعوذ بك من الھم والحزن

(میں تیری پناہ چاہتا ہوں رنج وغم سے) یہ دونوں وصف ایک ساتھ ہوتے ہیں، کیوں کہ دل پر جو ناپسندیدگی طاری ہوتی ہے اس کا سبب یا تو کوئی گذشتہ امر ہوتا ہے جس سے حزن پیدا ہوتا ہے، یا مستقبل میں متوقع امر جس سے ہَم یعنی رنج پیدا ہوتا ہے، اور یہ دونوں چیزیں عاجزی کی دلیل ہیں، جو چیز گذر چکی ہے وہ غم سے دُور نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کی تلافی رضا، حمد، صبر اور ایمان بالقدر سے ہو سکتی ہے اور یہ کہہ کر کہ قدر اللّٰہ و ما شاء فعل (یہ اللہ کا فیصلہ ہے، اللہ نے جو چاہا کیا) اسی طرح جو چیز مستقبل میں ہونے والی ہے اسے الجھن و رنج کے ذریعہ دُور نہیں کیا جا سکتا، اگر اس کو روکنے کی تدبیر ہو تو پھر عاجز نہیں بننا چاہیئے، اور اگر تدبیر نہ ہو تو پھر جزع فزع نہیں کرنا چاہیئے، بلکہ توحید، توکل اور رضائے الٰہی کے سہارے اس کو برداشت کرنا چاہیئے۔ رنج و غم سے انسان کا عزم کمزور ہوتا ہے، دل میں سستی پیدا ہوتی ہے، یہ دونوں اوصاف بندے کو منفعت بخش کام کے لئے کوشش سے روک دیتے ہیں، ان کی حیثیت انسان کی پشت پر بھاری بوجھ کی سی ہے۔

عزیز و حکیم خدا کی یہ حکمت ہے کہ اس نے ان دونوں سپاہیوں کو اپنی ذات سے اعراض کرنے والے دلوں پر مسلط کیا تاکہ بہت سی نافرمانیوں سے اسے روک سکیں، ایسے دلوں کی اس قید کا سلسلہ توحید کی فضا میں پہونچنے اور اللہ تعالیٰ کے متوجہ ہونے تک جاری رہتا ہے۔ اس قید سے دل کے چھٹکارے کا صرف یہی ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ کے بغیر یہ مقصود حاصل نہیں ہو سکتا، اس تک پہونچنے کے لئے اسی کی مدد کا سہارا ہو سکتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی اس سلسلہ میں رہنمائی نہیں کر سکتا۔ بندے کو اللہ تعالیٰ جس مقام میں رکھتا ہے تو حمد کے سبب رکھتا ہے، اور اس کی حکمت بندے کا اسی میں قیام ہے، بندے کا کوئی حق اللہ تعالیٰ اس سے روکتا نہیں، اور جو روکتا

ہے تو اس لئے روکتا ہے کہ بندہ اس کی محبوب چیزوں کو اس کی طرف وسیلہ بنا کر پہونچے پھر اللہ تعالیٰ اسے دے، اسے اپنی طرف لوٹانے کے لئے روکتا ہے، عزت دینے کے لئے اپنے سامنے ذلیل کراتا ہے، اپنا محتاج بنا کر غنی بناتا ہے، اپنے سامنے انکسار کے ذریعہ اسے قوی بناتا ہے، ہر طرف سے معزول کر کے بہترین ولایت دیتا ہے، اپنی قدرت میں حکمت اور عزت و غلبہ میں رحمت کا مشاہدہ کراتا ہے، اس کا روکنا عطیہ ہے، سزا تادیب ہے، دشمنوں کو مسلط کرنا اللہ کی طرف ہنکانے والے کے مانند ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کے محل کو خوب جانتا ہے، اور یہ بھی جانتا ہے کہ کہاں پر اپنے رسول کو بھیجے، ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ (الانعام، آیت ۵۳)	"اسی طرح ہم نے آزمایا بعض کو بعض کے ذریعہ تاکہ وہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر ہمارے بیچ اللہ نے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ شکر گذاروں کو جانتا نہیں۔

اللہ تعالیٰ تخصیص کے مقام کو خوب جانتا ہے۔ نہ دینے سے اگر کوئی شخص اللہ کا محتاج بن جائے تو یہ محرومی اس کے حق میں عطیہ ہے اور اگر کوئی شخص عطیہ کے سبب اس سے اعراض کرے تو یہ محرومی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے استقامت کا طالب ہے اور یہ کہ ہم اس کا راستہ اپنائیں، اور اس نے ہم کو یہ بتایا ہے کہ یہ مقصد بغیر اس کی مشیئت و مدد کے حاصل نہیں ہو سکتا، ارشاد ہے کہ:

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (تکویر۔ ۲۹)	تمہارا چاہنا بغیر اللہ رب العزت کے چاہے نہیں ہے۔

پس اگر بندے کے ساتھ ایک دوسری روح ہو جس کا اس کی روح سے وہی

تعلق ہو جو اس روح کا اس کے بدن سے ہے، اور اس روح کے ذریعہ ارادۂ الٰہی بندے سے چاہے کہ وہ کوئی فعل انجام دے تو بھی بندہ انجام نہیں دے سکتا، ورنہ اس کا محل عطیہ کے قابل نہیں، اور اس کے ساتھ ایسا کوئی ظرف نہیں جس میں عطیہ رکھا جائے، اور جو بھی بغیر ظرف آئے گا محروم لوٹے گا، بس اسے صرف خود کو ملامت کرنا چاہیئے۔

اور مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رنج وغم سے پناہ مانگی اور یہ دونوں مقارن ہیں، اسی طرح آپؐ نے عاجزی اور کسل سے پناہ مانگی ہے اور یہ دونوں بھی قرین وساتھی ہیں، کیوں کہ بندے کی کامیابی اور اس کے کمال کا حاصل نہ ہونا یا تو عدم قدرت سے ہوگا اور اسی کو عجز کہتے ہیں، یا قدرت ہوگی اور انسان چاہتا نہ ہوگا، اور اسی کو کسل (سستی) کہتے ہیں۔ ان دونوں اوصاف سے ہر طرح کی بھلائی ضائع ہو جاتی ہے، اور برائی پیدا ہو جاتی ہے، اسی برائی کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان اپنے بدن سے نفع اندوز نہیں ہوتا، جسے جبن کہتے ہیں، اور اسی طرح اپنے مال سے نفع اندوز نہیں ہوتا، جسے بخل کہتے ہیں۔ پھر اس کو دو چیزیں مغلوب کرتی ہیں، ایک غلبہ حق کے ذریعہ ہوتا ہے یعنی قرض کا، اور دوسرا باطل کے ذریعہ یعنی آدمیوں کا، اور یہ سب کچھ ثمرہ ہے عاجزی اور کسل کا۔ یہی مفہوم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صحیح حدیث کا ہے، جس میں آپؐ نے اس شخص کے لئے جس کے خلاف فیصلہ ہو جائے اور وہ حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھے فرمایا کہ، اللہ تعالیٰ عاجزی پر سرزنش کرتا ہے، لیکن تم ہوشمندی اختیار کرو، پھر کسی معاملہ میں مغلوب ہو جاؤ تو حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھو۔ مذکورہ شخص نے ہوشمندی اختیار کئے بغیر تھک کر مذکورہ کلمہ پڑھا تھا، اگر وہ ہوشمندی اختیار کرتا تو فیصلہ اس کے حق میں ہوتا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کا سبب یہی تھا، ورنہ اسباب کو اختیار کرنے کے بعد اگر اس کلمہ کو پڑھا جائے تو ضرور مؤثر ہوگا، چنانچہ ابراہیم خلیل اللہؑ نے جب تمام مشروعہ وسائل

اختیار کر لئے اور اس سلسلہ میں کسی طرح کی سستی کا اظہار نہیں کیا پھر بھی دشمن ان پر غالب آگیا اور انھیں آگ میں ڈال دیا گیا، اس وقت انھوں نے حسبی اللہ ونعم الوکیل پڑھا تو اس کلمہ کا صحیح استعمال ہوا اور اس نے اپنا اثر دکھایا۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے احد کی لڑائی سے واپسی کے بعد جب یہ کہا گیا کہ:

اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ — لوگوں نے تمہارے لئے جمع کر لیا ہے۔

توان لوگوں نے تیاری کی اور دشمنوں کی طرف نکلے، پھر مذکورہ کلمہ کہا اور اس نے اپنا اثر دکھایا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا
وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ
وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ
(سورۂ طلاق — ۳)

جو اللہ سے ڈرے گا اس کے لئے وہ خلاصی کی صورت پیدا کر دے گا اور ایسی جگہ سے رزق دے گا جسے وہ سوچ نہ سکے، اور جو اللہ پر توکل کرے گا، اس کے لئے معانی ہے۔

اس لئے مشروع وسائل اختیار کئے بغیر توکل اور کفایت کا یقین سراسر عاجزی ہے، لہٰذا بندے کو چاہیئے کہ اپنے توکل کو عاجزی اور عاجزی کو توکل نہ بنائے، بلکہ توکل کو بھی انھیں اسباب میں رکھے جن کے بغیر مقصود کا حصول ناممکن ہے۔

اس مقام پر دو گروہ غلطی کا شکار ہوئے ہیں، ایک کا خیال ہے کہ توکل تنہا ایک مستقل سبب ہے، اس نے ان تمام اسباب کو چھوڑ دیا جن کی خود حکمت الٰہی مقتضی ہے دوسرے گروہ نے اسباب کو اختیار کیا لیکن توکل سے اعراض کیا۔ یہاں مقصود یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائے کمال کی جانب بندوں کی رہنمائی کی ہے اور بتایا ہے کہ نفع بخش چیزوں پر دھیان ضروری ہے اور کوشش کرنا بھی لازم ہے، اسی

صورت میں حسبی اللہ پڑھنے کا فائدہ ہوگا، لیکن کوشش میں کوتاہی کے بعد حسبی اللہ کہنے پر اللہ تعالیٰ بندہ سے ناخوش ہوتا ہے اور اس کے لئے کفایت کا انتظام نہیں فرماتا، وہ تو صرف ان لوگوں کے لئے کافی ہے جو اس سے ڈریں، پھر اس پر توکل کریں۔

۳۸۔ فصل

ذکر الٰہی کا مسنون طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سب سے مکمل طور پر اللہ عزوجل کا ذکر کرتے تھے، بلکہ آپ کی ہر بات اللہ کا ذکر اور اس کو پسند ہوتی تھی، حکم دینا، روکنا اور اُمت کے لئے احکام صادر کرنا بھی ذکر تھا، اللہ تعالیٰ کے نام صفات، احکام و افعال اور وعدہ وعید سے متعلق خبر دینا بھی ذکر تھا، نعمتوں پر آپؐ اللہ کی جو تعریف، تمجید اور تسبیح وتحمید کرتے تھے یہ بھی ذکر تھا۔ اللہ سے سوال و دعاء، اس سے ڈرنا اور آس لگانا بھی ذکر تھا، آپؐ کی خاموشی بھی ذکر تھی، کیونکہ اس حال میں آپؐ دل سے اللہ کو یاد کرتے تھے اس طرح آپؐ ہمہ وقت اللہ کے نزدیک ذکر میں مصروف رہتے تھے، ذکر الٰہی آپؐ کے ہر دم کا مشغلہ تھا، اُٹھتے بیٹھتے لیٹتے چلتے پھرتے سوار ہوتے اور اُترتے نیز سفر و حضر ہر وقت اور ہر حال میں آپؐ خدا کو یاد کرتے تھے۔

جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ۔

تمام تعریفیں اُس اللہ کے لئے جس نے ہم کو مارنے کے بعد زندہ کیا، اور اسی کے پاس اٹھ کر جانا ہے۔

اس کے بعد مصنف نے وہ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں درج ذیل مواقع کی دعائیں مذکور ہیں۔ نیند سے بیدار ہونا، نماز شروع کرنا، گھر سے نکلنا، مسجد میں داخل ہونا، صبح و شام کی دعا، کپڑا پہننے کی دعا، گھر میں داخلہ کی دعا، بیت الخلاء میں داخلہ کی دعا، وضو کی دعا، اذان کی دعا، چاند دیکھنے کی دعا، کھانا کھانے کی دعا اور چھینکنے کی دعا۔

۳۹۔ فصل

گھر میں داخل ہونے کا مسنون طریقہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک بلا علم گھر میں نہیں داخل ہوتے تھے، بلکہ آگاہی کے بعد اندر جاتے تھے اور داخلہ کے وقت سلام کرتے تھے، پھر دریافت فرماتے کہ تمہارے پاس کچھ ہے؟ کبھی پوچھتے کہ دوپہر کا کھانا ہے؟ اور کبھی خاموش رہتے اور جو کچھ موجود ہوتا سامنے آتا۔

آپؐ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے پیشاب کی حالت میں آپؐ کو سلام کیا تو آپؐ نے جواب نہیں دیا اور پھر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں بات چیت کو ناپسند کرتا ہے۔ آپؐ پیشاب پاخانہ کے وقت قبلہ کی طرف رُخ یا پشت نہیں کرتے تھے، ایسا کرنے سے آپؐ نے منع بھی فرمایا ہے۔

۴۰۔ فصل

اذان کا بیان

آپؐ سے ترجیع کے ساتھ اور بغیر ترجیع دونوں طرح اذان ثابت ہے۔ اقامت اکہری اور دوہری دونوں کو مشروع بتایا، البتہ قد قامت الصلوۃ دونوں صورتوں میں دو بار کہا جائے گا۔ اسی طرح اذان کے شروع میں اللہ اکبر چار بار کہنا ثابت ہے، دو بار نہیں۔

اذان کے وقت اور اس کے بعد پانچ قسم کے اذکار کی آپؐ نے اُمت کو تعلیم دی ہے۔

اول یہ کہ جو مؤذن کہتا ہے وہی سننے والے بھی کہیں، صرف حی علی الخ سن کر لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کہیں، حی علی الخ کے ساتھ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ کہنا یا صرف حی علی الخ کو دہرانا اور لاحول نہ کہنا آپؐ سے ثابت نہیں، اور یہی حکمت کا تقاضا ہے، کیوں کہ اذان کے کلمات ذکر ہیں، لیکن حی علی الخ میں نماز کی دعوت ہے، اس لئے سننے والے کے لئے آپؐ نے یہ مسنون قرار دیا کہ اس دعوت کو سُن کر وہ اعانت کے کلمہ سے استعانت چاہے۔

دوم یہ کہ یہ دعا پڑھے:

رَضِیْتُ بِاللہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلًا۔

میں اللہ کو رب، اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر راضی ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس دعا کو پڑھنے والے کے گناہ

بخش دیئے جاتے ہیں۔

سوم یہ کہ مؤذن کے جواب سے فراغت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے، اور اس کی سب سے مکمل صورت وہی ہے جو خود آپؐ نے اُمت کو سکھائی ہے، کھینچ تان کرنے والے جو بھی کہیں۔

چہارم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود کے بعد یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا نِالْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدًا۔	اے اللہ اس مکمل پکار اور ہمیشہ قائم رہنے والی نماز کے پروردگار! تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور بزرگی دے اور آپؐ کو مقام محمود پر پہونچا۔

پنجم یہ کہ اس کے بعد اپنے لئے دعا کرے۔ سنن میں آپؐ سے مروی ہے کہ اذان اور اقامت کے مابین کی دعا رد نہیں ہوتی، صحابہ نے پوچھا کہ تو ہم اس وقت میں کیا کہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ، اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کا سوال کرو۔ یہ حدیث صحیح ہے۔

آپؐ ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں بہت زیادہ دعا کرتے تھے، اور زیادہ تہلیل، تکبیر اور تحمید کا حکم فرماتے تھے۔ آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ نویں ذی الحجہ کی فجر سے تشریق کے آخری دن (۱۳ ذی الحجہ) کی عصر تک ان الفاظ کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ۔

اس حدیث کی اسناد اگرچہ صحیح نہیں لیکن عمل اسی پر ہے، اس دعا میں اللہ اکبر

مکرر ہے، حضرت جابر وابن عباس کی روایت میں تین مرتبہ اللہ اکبر ان کا اپنا فعل ہے اور دونوں صورتیں بہتر ہیں۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اگر یوں کہے کہ اللہ اکبر کبیرا، والحمد للہ کثیرا، وسبحان اللہ بکرۃ واصیلا، تو یہ بھی بہتر ہوگا۔

۴۱۔ فصل

کھانا کھانے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانے میں ہاتھ ڈالتے تو بسم اللہ پڑھتے اور لوگوں کو اسی کا حکم دیتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر بسم اللہ کہنا بھول جائے تو یہ کہے، بِسْمِ اللّٰہِ فِیْ اَوَّلِہٖ وَاٰخِرِہٖ۔ یہ صحیح حدیث ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ کھانے کے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے، جو اسے چھوڑ دیتا ہے اس کے کھانے پینے میں شیطان شریک ہوجاتا ہے۔ بسم اللہ کے حکم پر مشتمل حدیثیں صحیح ہیں اور صریح بھی، ان کی مخالفت میں نہ تو کوئی حدیث ہے اور نہ اجماع۔

رہا یہ سوال کہ متعدد لوگوں کی مجلس میں اگر ایک شخص بسم اللہ پڑھ لے تو کیا شیطان کی شرکت کا اندیشہ رہتا ہے؟ امام شافعی کا اس سلسلہ میں یہ قول ہے کہ ایک آدمی کا پڑھ لینا کافی ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جو بسم اللہ پڑھے گا صرف اسی کے کھانے سے شرکت ختم ہوگی۔ امام ترمذی نے حضرت عائشہ کی اس حدیث کو تصحیح کیساتھ ذکر کیا ہے کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابیوں کیساتھ کھانا کھا رہے تھے، ایک اعرابی آیا اور کل کھانا دو لقموں میں کھا گیا، آپؐ نے فرمایا کہ اگر وہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہوتا۔ یہ معلوم ہے کہ آپؐ اور صحابہ اس کھانے پر

بسم اللہ پڑھ چکے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ سب کا پڑھنا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے حضرت حذیفہ کی حدیث میں مذکور ہے کہ ہم ایک کھانے میں شریک ہوتے۔ ایک لڑکی تیزی کے ساتھ آئی اور اپنا ہاتھ کھانے میں ڈالنے لگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک اعرابی آیا، آپؐ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا، شیطان اس کھانے کو حلال سمجھ لیتا ہے جس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے، وہ اس لڑکی کو اسی لئے لایا تھا کہ اس کھانے کو اپنے لئے حلال بنائے، اور جب میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا تو پھر اسی مقصد کے لئے اس اعرابی کو لے آیا لیکن میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ بخدا شیطان کا ہاتھ دونوں ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ پھر بسم اللہ پڑھ کر آپؐ نے کھانا تناول فرمایا۔ لیکن اس حدیث کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ آپؐ کے شروع کرنے سے پہلے لڑکی نے شروع کر دیا تھا، اس لئے آپؐ نے اس کا ہاتھ پکڑا رہا سلام کرنے اور چھینکنے والے کے جواب کا مسئلہ تو یہ محل نظر ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت بھی ہے کہ، جب تم میں سے کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو ہر سننے والے مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا جواب دے۔ اور اگر دونوں میں حکم تسلیم کر لیا جائے تو بھی ان کے اور کھانے کے مسئلہ کے مابین فرق ظاہر ہے، اس لئے کہ شیطان کو کھانے والے کی مشارکت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ بسم اللہ نہ پڑھے، اور دوسرا جب وہ بسم اللہ پڑھے گا تو صرف اس کے حق میں مشارکت ختم ہو گی لیکن نہ پڑھنے والے کے حق میں باقی رہے گی۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ جب برتن میں پانی پیتے تو تین سانس میں پیتے اور ہر سانس پر اللہ کی تعریف کرتے اور اخیر میں اس کا شکر ادا کرتے۔ آپؐ نے کبھی کسی کھانے کو برا نہیں کہا، اگر آپؐ کو ناپسند ہوتا تو چھوڑ دیتے اور خاموش رہتے

اور کبھی یہ بھی فرما دیتے کہ، مجھے اس کی خواہش نہیں ہے۔ کبھی آپؐ کھانے کی تعریف بھی کرتے تھے، جیسے آپؐ کا یہ ارشاد کہ نعم الادام الخل (سرکہ بہترین سالن ہی) یہ آپؐ نے اس شخص سے کہا تھا کہ ہمارے پاس صرف سرکہ ہے، یہاں آپؐ کا مقصد اسے پیش کرنے والے کی دلجوئی تھی، یہ نہیں کہ تمام کھانوں پہ آپؐ اسے برتری دے رہے تھے۔ روزہ کی حالت میں آپؐ کے سامنے کھانا پیش کیا جاتا تو آپؐ فرما دیتے کہ میں روزہ سے ہوں۔ روزہ کی حالت میں اگر کسی کے سامنے کھانا پیش ہو تو اس کو آپؐ کی یہ تعلیم ہے کہ وہ پیش کرنے والے کو دعا دے، اور اگر روزہ سے نہ ہو تو کھانا کھالے۔

جب کسی کھانے کی آپ کو دعوت دی جاتی اور جاتے ہوئے کوئی اور آپؐ کے ساتھ ہولیتا تو آپؐ میزبان کو اس کی خبر دیدیتے اور فرماتے کہ، یہ ہمارے ساتھ آگیا ہے، اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو اور اگر چاہو تو یہ لوٹ جائے۔ آپؐ کھانے کے دوران بات بھی کرتے تھے، چنانچہ اپنے پروردہ سے آپؐ نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور اپنے آگے سے کھاؤ، اکثر آپؐ میزبان سے فرماتے کہ کھانا بار بار لوگوں کے سامنے پیش کریں جیسا کہ اہل سخاوت کی عادت ہے۔ ابوہریرۃ کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ان سے بار بار دودھ پینے کے لئے کہا۔ جب آپؐ کسی کے یہاں کھانا کھاتے تو اس کے حق میں دعا کئے بغیر وہاں سے نہ اُٹھتے۔ ابوداؤد نے آپؐ سے ابوالہیثم کے واقعہ میں روایت کیا ہے کہ لوگ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو آپؐ نے فرمایا کہ:

أَثِيبوا أَخاكم۔ "اپنے بھائی کو ثواب دو۔"

لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ کس طرح ثواب دیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ آدمی

جب کسی کے گھر میں بلایا جائے اور کھائے پیئے تو اس کے لئے دعا کرے، یہی ثواب دینا ہے۔ آپ سے ثابت ہے کہ رات کے وقت گھر میں تشریف لائے اور کھانا ڈھونڈا، لیکن نہیں ملا، اس وقت آپ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنِیْ وَاسْقِ مَنْ سَقَانِیْ۔ — اے اللہ جو مجھے کھلائے اسے تو کھلا، اور جو پلائے اسے تو پلا۔

آپ اس شخص کے حق میں دعا کرتے تھے جو مسکینوں کی مہمان نوازی کرے اور ان کی تعریف کرے۔ آپ کسی کو اپنے ساتھ کھلانے سے پرہیز نہیں کرتے تھے خواہ کھانے والا چھوٹا ہو یا بڑا، آزاد ہو یا غلام۔ اور آپ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم دیتے تھے اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرماتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ، شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اسی سے پیتا ہے۔ اس حدیث سے بائیں ہاتھ سے کھانیکی حرمت ثابت ہوتی ہے اور یہی صحیح ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ سے عدم آسودگی کی شکایت کی تو آپ نے ان کو بتایا کہ وہ اکٹھا کھائیں، متفرق نہ ہوں اور بسم اللہ پڑھ لیا کریں۔ آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ، اپنے کھانے کو اللہ کے ذکر سے ہضم کیا کرو اور کھا کر فوراً نہ سوؤ، اس سے تمہارا دل سخت ہو جائے گا۔ قرین قیاس ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، تجربہ اس کا شاہد ہے۔

۴۲۔ فصل

سلام، اجازت طلبی اور چھینک کے جواب کا مسنون طریقہ

صحیحین میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، بہتر اسلام یہ ہے

کہ تم کھانا کھلاؤ اور جاننے نہ جاننے والوں کو سلام کرو۔

انھیں میں یہ بھی مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کو پیدا کیا تو ان سے فرمایا کہ ان فرشتوں کے پاس جاؤ اور سلام کرو اور ان کا سلام سنو، کیونکہ وہی تمہارا اور تمہاری اولاد کا سلام ہوگا، آدم نے ان سے السلام علیکم کہا، ان لوگوں نے جواب میں کہا کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ، ان کے سلام میں ورحمۃ اللہ کا اضافہ تھا۔

انھیں میں مذکور ہے کہ آپؐ نے سلام کو پھیلانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ایسا کرنے سے محبت پیدا ہوگی، اور لوگ بغیر ایمان جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اور ایمان بغیر محبت پیدا نہیں ہو سکتا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عمار کا یہ قول نقل کیا ہے کہ، تین چیزیں جس کے اندر جمع ہو جائیں وہ ایمان کو پالے گا، اوّل اپنے معاملہ میں انصاف، دوم سب کیلئے سلام، سوم محتاجی کے باوجود خرچ فی سبیل اللہ۔

ان کلمات میں چھوٹی بڑی تمام بھلائیاں سمٹ گئی ہیں، اس لئے کہ انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ انسان، اللہ اور بندوں کے تمام حقوق کو ادا کرے اور لوگوں کے ساتھ وہی معاملہ کرے جسے اپنے حق میں پسند کرے، اس میں اپنی ذات کیساتھ انصاف کی بات بھی داخل ہے، اس لئے اپنے بارے میں انسان کو کسی ایسے وصف کا دعویٰ نہیں کرنا چاہئیے جو موجود نہ ہو اور نہ نفس کو اللہ کی نافرمانی سے پلید کرنا چاہئیے۔

اسی انصاف سے اللہ تعالیٰ کی اور اپنی معرفت حاصل ہوگی۔ بندہ کو نفس کے ذریعہ اس کے خالق سے مزاحمت نہیں کرنی چاہیئے، اور اپنی مُراد کو اللہ تعالیٰ اور نفس کی مُراد کے مابین تقسیم نہیں کرنا چاہئیے، کیونکہ یہ ظالمانہ تقسیم ہے، ایسی تقسیم مشرکین کرتے تھے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے :

هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا — یہ ان کے خیال میں اللہ کا ہے، اور یہ ہمارے

فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝

شرکاء کا، اور جو شرکاء کا ہے وہ اللہ تک نہیں پہونچتا اور جو اللہ کا ہے وہ شرکاء تک پہونچتا ہے ان کا یہ فیصلہ کس قدر برا ہے۔

بندے کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ ایسی تقسیم کرنے والوں میں نہ داخل ہو جائے جو جو اپنی ذات، اپنے شرکاء اور اللہ تعالیٰ کے مابین تقسیم کرتے ہیں، ورنہ وہ غیر شعوری حالت میں التباس و شبہ میں پڑ جائیگا، کیوں کہ پیدائشی طور پر وہ ظالم و نادان ہے۔ اور جو ظالم و جاہل ہو اس سے انصاف کا مطالبہ کیسے کیا جا سکتا ہے؛ مخلوق کے معاملہ میں وہ شخص کیونکر انصاف کر سکتا ہے جو خالق کے معاملہ میں انصاف نہ کر سکا۔ ایک اثر میں مذکور ہے کہ ابن آدم، تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، میری طرف سے تمہارے پاس برائی آتی ہے۔ ایک دوسرے اثر میں مذکور ہے کہ، ابن آدم، تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا، میں نے تجھے پیدا کیا اور تو میرے سوا دوسرے کو پوجتا ہے، میں تجھے روزی دیتا ہوں اور تو دوسرے کا شکر کرتا ہے۔ اس لئے جو اپنے ساتھ انصاف نہ کر سکا وہ دوسرے کیساتھ کیسے انصاف کرے گا۔ ایسا شخص اپنی ذات کے اکرام کے خیال میں اس پر قبیح ترین ظلم کا مرتکب ہو جاتا ہے گا۔

تمام لوگوں کے ساتھ سلام کا جو ذکر ہے اس سے تواضع پیدا ہوتی ہے اور انسان کسی کے ساتھ تکبر سے پیش نہیں آتا۔

محتاجی میں خرچ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اللہ پر پورا بھروسہ، مکمل یقین، توکل، رحم، زہد اور سخاوت کے اوصاف موجود ہوں اور بندہ شیطان کی تکذیب کرے جو فقر کا اندیشہ پیدا کرتا ہے اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ بچوں کے پاس سے گذرے تو

ان سے سلام کیا۔ امام ترمذی نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ عورتوں کی جماعت کے پاس سے گذرے تو ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔ امام ابوداؤد نے حضرت اسماء بنت یزید سے ذکر کیا ہے کہ، ہم عورتوں کے پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گذرے تو ہمیں سلام کیا، اور یہی ترمذی کی حدیث کی روایت ہے، بظاہر یہ دونوں ایک واقعہ ہے، اس روایت میں جس سلام کا ذکر ہے اسے آپؐ نے ہاتھ کے اشارہ ہی سے کیا ہوگا۔ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ صحابہ جمعہ کی نماز سے لوٹتے ہوئے ایک بڑھیا کے پاس سے گذرتے تھے تو اُسے سلام کرتے تھے، اور وہ اُنھیں کچھ کھانا وغیرہ پیش کرتی تھی۔ عورتوں کو سلام کرنے کے سلسلہ میں صحیح قول یہی ہے کہ بوڑھی اور محرم عورتوں کو سلام کیا جائے گا، ان کے علاوہ کسی کو نہیں۔

صحیح بخاری میں ہے کہ چھوٹا بڑے کو، گذرنے والا بیٹھنے والے کو، سوار پیدل چلنے والے کو اور تھوڑے لوگ زیادہ لوگوں کو سلام کریں۔ ترمذی کی روایت میں ہے کہ چلنے والا کھڑے کو سلام کرے۔ مسند بزار میں ہے کہ دو پیدل چلنے والوں میں جو پہلے سلام کرے وہی افضل ہوگا۔ سنن ابوداؤد میں ہے کہ لوگوں میں اللہ سے زیادہ قریب سب سے پہلے سلام کرنے والا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت تھی کہ جب لوگوں کے پاس آتے تو سلام کرتے اور جب واپس ہوتے تو بھی سلام کرتے۔ آپؐ سے یہ ثابت ہے کہ، جب تم میں سے کوئی بیٹھے یا کھڑا ہو تو دونوں اوقات میں سلام کرے، دونوں حالتیں یکساں اہمیت رکھتی ہیں۔ ابوداؤد نے بیان کیا ہے کہ، تم میں سے جب کوئی اپنے ساتھی سے ملے تو اسے سلام کرے، اگر دونوں کے بیچ میں درخت یا دیوار حائل ہو جائے پھر سامنا ہو تو اس وقت پھر سلام کرے۔ حضرت انس کا یہ بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

اصحاب چلتے رہتے تھے، جب کوئی درخت یا ٹیلہ آجاتا تو دائیں بائیں ہٹ جاتے، آگے پھر ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

آپؐ کی سنت یہ تھی کہ مسجد میں آنے والا دو رکعت نماز پڑھے پھر آئے اور سلام کرے، اس طرح تحیۃ المسجد حاضرین کے سلام پر مقدم ہوگا، تحیۃ المسجد اللہ کا حق ہے اور سلام بندوں کا، اور ایسے حالات میں اللہ کا حق مقدم کیا جائے گا، البتہ مالیاتی مسائل میں نزاع ہے، اور دونوں کے مابین فرق آدمی کی ضرورت کے لحاظ سے ہوتا ہے اور یہ دیکھ کر کہاں ہیں دونوں قسم کے حقوق کو ادا کرنے کی وسعت ہے یا نہیں، ایسی صورت میں مسجد میں اگر کوئی داخل ہوا اور اس میں کچھ لوگ موجود ہوں تو بہ ترتیب وہ تین سلام کرے گا، پہلے جب داخل ہوگا تو بسم اللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ کہے گا، پھر تحیۃ المسجد پڑھے گا، پھر موجود لوگوں کو سلام کرے گا۔

جب گھر والوں کے پاس آپؐ رات کو تشریف لیجاتے تو سلام کرتے، لیکن اس طرح کہ سونے والا بیدار نہ ہو اور جاگنے والا سُن لے۔ اسے امام مسلم نے ذکر کیا ہے۔ ترمذی نے یہ روایت ذکر کی ہے کہ بات چیت کرنے سے پہلے سلام کیا جائیگا۔ امام احمد نے ابن عمر سے مرفوعا ذکر کیا ہے کہ سلام، سوال سے پہلے ہے، جو شخص سلام سے پہلے سوال کرے اس کا جواب نہ دو۔ آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس شخص کو اجازت نہ دو جو سلام سے ابتدا نہ کرے۔

جب آپؐ کسی کے گھر تشریف لیجاتے تو دروازہ کے سامنے نہیں کھڑے ہوتے تھے، بلکہ دائیں یا بائیں گوشہ میں کھڑے ہوتے تھے اور السلام علیکم کہتے تھے۔ جو سامنے ہوتا اس سے خود سلام کرتے۔ آپ دوسروں کو سلام پہونچاتے بھی تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت خدیجہ کو سلام لے آئے تھے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ

سے فرمایا تھا کہ حضرت جبریل تمہیں سلام کہتے ہیں۔ آپؐ سلام کو وبرکاتہ پر ختم کرتے تھے۔ بخاری میں حضرت انس سے مروی ہے کہ آپ تین بار سلام کرتے تھے لیکن ایسا شاید اس وقت ہوتا تھا جب لوگ زیادہ ہوتے تھے اور ایک بار میں سب کو سلام نہیں پہونچ پاتا تھا، آپؐ کو جب یہ خیال ہوتا کہ پہلی اور دوسری بار سن نہیں سکے ہیں تو سہ بارہ سلام کرتے۔ آپؐ کی سنت پر غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلام کا تکرار عارضی چیز تھی۔

آپؐ جس سے ملتے خود سلام کرتے، اور جب کوئی آپؐ سے سلام کرتا تو اس کا ویسا ہی یا اس سے بہتر جواب فوراً دیتے، البتہ اگر قضائے حاجت وغیرہ جیسا کوئی عذر ہوتا تو جواب میں تاخیر کرتے۔ نماز کے علاوہ کسی اور وقت میں آپؐ جواب میں ہاتھ سر، یا انگلی سے اشارہ نہیں کرتے تھے، صرف نماز میں اشارہ سے جواب دیتے تھے۔

ابتداء میں آپؐ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے، اور ابتداء میں سلام کرنے والے کے علیک السلام کہنے کو آپؐ ناپسند کرتے تھے۔ سلام کرنے والے کا جواب آپؐ وعلیکم السلام سے دیتے تھے، جواب سے اگر واو حذف کر دیا جائے تو ایک جماعت کا خیال ہے کہ جواب کا فرض ادا نہ ہوگا، کیونکہ یہ سنت کی مخالفت ہے، نیز اس سے یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس نے جواب دیا کہ ابتداء سلام کیا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اس طرح کا جواب صحیح ہوگا، امام شافعی نے اس کی وضاحت کی ہے اور اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ قالوا سلما، قال سلام۔ (سورہ ذاریات: ۲۵) لیکن اس جگہ جواب میں واو اس لئے حذف کیا گیا کہ ابتداء میں بھی جملہ میں کچھ حذف ہے۔ امام شافعی کے خیال کی تائید آدم کو فرشتوں کے جواب سے بھی ہوتی ہے کیونکہ اس میں واو نہیں تھا۔

۳۴۔ فصل

اہل کتاب کو سلام کرنے سے متعلق سُنّت نبوی

آپؐ سے ثابت ہے کہ اہل کتاب سے سلام کی ابتدار نہ کرو، اور جب ان سے راستہ میں ملو تو انھیں تنگ راستہ کی طرف ہٹنے کے لئے مجبور کرو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کا تعلق اس وقت سے ہے جب آپؐ بنو قریظہ کی طرف جا رہے تھے۔ اب یہ سوال ہے کہ یہی حکم تمام حالات کے لئے ہوگا یا کوئی اور؟ لیکن صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ یہود و نصاریٰ سے سلام کی ابتدار نہ کرو، اور جب راستہ میں ان سے ملو تو تنگ راستہ کی طرف انہیں مجبور کرو، بظاہر یہ حکم عام ہے۔

ان کے سلام کا جواب دینے میں علمار کا اختلاف ہے، صحیح قول یہ ہے کہ جواب دینا واجب ہے، اور ان میں اور اہل بدعت میں یہ فرق ہے کہ ہم ان کو چھوڑنے پر مامور ہیں۔ اور آپؐ سے یہ ثابت ہے کہ ایک مجلس سے آپؐ کا گذر ہوا جس میں مسلمان اور مشرکین سب بیٹھے تھے، آپؐ نے ان سے سلام کیا، اسی طرح ہرقل وغیرہ کے نام خط لکھا تو، السلام علی من اتبع الہدیٰ لکھا۔ آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ گذرنے والی جماعت میں سے ایک شخص اگر سلام کرلے تو کافی ہوگا، اور بیٹھے ہوئے لوگوں میں سے ایک شخص جواب دیدے تو یہ بھی کافی ہوگا۔ اسی کی طرف وہ لوگ گئے ہیں جو جواب کو فرض کفایہ کہتے ہیں۔ لیکن اگر یہ حدیث ثابت ہو تو مذکورہ قول بہت خوب، مگر اس کی سند میں سعید بن خالد ہیں جس کے بارے میں ابو زرعۃ کا قول ہے کہ ضعیف ہے، اور یہی ابوحاتم نے بھی کہا ہے۔

آپؐ کی سنت یہ بھی تھی کہ جب کوئی آپؐ کو کسی کا سلام پہونچاتا تو اس کو اور پہونچانے والے دونوں کو آپؐ جواب دیتے۔

اگر کسی سے خلاف شرع کام ہو جاتا تو توبہ تک آپؐ نہ اس سے سلام کرتے نہ اس کے سلام کا جواب دیتے۔

۴۴۔ فصل

اجازت طلبی کا مسنون طریقہ

صحیح حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ، اجازت تین بار طلب کیجائے گی، اگر مل جائے تو بہتر ہے ورنہ آدمی واپس چلا جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ، دیکھنے سے بچنے ہی کے لئے اجازت طلب کرنیکا حکم دیا گیا ہے۔ ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی آنکھ پھوڑنے کا ارادہ ظاہر کیا جو گھر کے سوراخ سے دیکھے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ اجازت طلب کرنے سے پہلے آدمی سلام کرے گا۔ ایک شخص نے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا کہ أَأَلِجُ؟ کیا میں گھس آؤں؟ آپؐ نے ایک شخص کو بھیجا کہ جاؤ اسے اجازت طلب کرنے کا طریقہ بتاؤ اور کہو کہ پہلے السلام علیکم کہے، پھر پوچھے أَأَدْخُلُ؟ کیا میں آجاؤں۔ آپؐ کو یہ فرماتے ہوئے اس شخص نے سن لیا تو پھر اسی طرح اجازت لے کر اندر آیا۔ اس حدیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ پہلے اجازت طلب کی جائے گی پھر سلام کیا جائے گا، اور ان کی بھی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگر صاحب مکان پر داخلہ سے پہلے نظر پڑ جائے تو پہلے سلام کریگا، ورنہ پہلے اجازت طلب کرے گا۔

یہ بھی سنت ہے کہ تین بار اجازت طلب کرنے کے بعد اگر اجازت نہ ملے تو واپس آجائے، اس سے اس قول کی تردید ہوتی ہے کہ اگر گھر والے سُن نہ سکیں تو تین بار سے زیادہ بھی اجازت مانگ سکتا ہے، اور اس قول کی بھی کہ الفاظ بدل کر اجازت مانگے۔ یہ بھی سنت ہے کہ اجازت طلب کرنے والے سے اگر پوچھا جائے کہ کون ہو تو وہ یہ کہے کہ فلاں بن فلاں یعنی اپنی کنیت بتائے، لیکن یہ نہ کہے کہ "میں"، ابو داؤد نے آپؐ سے روایت کیا ہے کہ، آدمی اگر کسی کے پاس اپنا قاصد بھیجے تو یہ اس کے اذن کی دلیل ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے، پھر ایک حدیث ذکر کی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اجازت طلب کرنے کا اعتبار دعوت کے بعد بھی ہو گا، اس حدیث میں اصحاب صفّہ سے متعلق ایک صحابی کا بیان ہے کہ، میں نے انھیں دعوت دی، وہ لوگ آئے اور اجازت طلب کی۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مدعو اگر فوراً آجائے تو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، اور اگر دعوت کے کچھ یا زیادہ دیر بعد آئے تو پھر اجازت طلب کرنی ہوگی۔ کچھ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ داعی کے پاس مدعو کے آنے سے پہلے کچھ ایسے لوگ ہوں جن کو وہ دعوت دے چکا ہو تو اب مدعو کو اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہ ہوگی، ورنہ وہ اجازت طلب کرے گا۔ آپؐ تخلیہ کے لئے اگر کسی گھر میں جاتے تو کسی کو دروازہ پر مقرر کر دیتے، پھر کوئی بلا اجازت آپؐ کے پاس جا نہیں پاتا تھا۔

خادموں اور نابالغوں کو فجر سے پہلے، دوپہر کے وقت اور سونے کے وقت اجازت طلب کرنے کا جو حکم قرآن میں دیا گیا ہے اس کا حکم ابن عباس لوگوں کو دیتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ لوگوں نے اس پر عمل چھوڑ دیا ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے، لیکن اس کی کوئی دلیل اس نے ذکر نہیں کی۔ ایک

جماعت کا خیال ہے کہ مستحب ہے، لیکن امر کے صیغہ کو ظاہری معنی (وجوب) میں مستعمل نہ ماننے کی اس کے پاس بھی کوئی دلیل نہیں۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ حکم صرف عورتوں کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن یہ خیال کھلے طور پر غلط ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ حکم صرف مردوں کے لئے ہے، ان کا استدلال الذین کے لفظ سے ہے۔ جو مردوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، لیکن کلام کا سیاق اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ یہ حکم ضرورت کی وجہ سے تھا جب ضرورت ختم ہوگئی تو حکم بھی باقی نہ رہا؟ چنانچہ ابوداؤد نے سنن میں ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگوں نے ابن عباس سے کہا کہ اس آیت کے بارے میں آپؓ کا کیا خیال ہے، ہمیں اس کا حکم ملا ہے لیکن اس پر کوئی عمل نہیں کرتا، ابن عباس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں پر رحیم و شفیق ہے، اسے پردہ پسند ہے، پہلے لوگوں کے گھروں میں پردے کا انتظام نہ تھا، اکثر خادم، لڑکا یا زیر پرورش یتیم گھر میں ایسی حالت میں داخل ہو جاتا جب مرد اپنی بیوی کے پاس ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے مذکورہ اوقات میں اجازت لینے کا حکم دیا، پھر لوگوں میں پردے کا انتظام ہوگیا تو میں نے کسی کو اس آیت پر عمل کرتے ہوتے نہیں دیکھا۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کی صحت کا انکار کیا ہے اور عکرمہ کو مطعون کیا ہے، لیکن یہ کچھ نہیں، اسی طرح عمرو بن عمرو کو بھی مطعون کیا ہے، لیکن اس سے صحیحین کے مصنف نے دلیل پکڑی ہے اس لئے مذکورہ طعن بے سبب ہے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ مذکورہ آیت محکم ہے اور اس کا کوئی معارض نہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ آیت کا حکم ایک سبب سے متعلق ہے جس کی طرف آیت میں اشارہ موجود ہے، یعنی اگر اجازت کے قائم مقام کوئی چیز موجود ہو مثلاً دروازہ کھول دیا جائے یا پردہ اٹھا دیا جائے یا لوگ آجا رہے ہوں تو ایسی صورت میں اجازت طلب کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر ایسا نہ ہو تو پھر اجازت

طلب کرنا ضروری ہے اور آیت کا حکم برقرار ہے ۔

۴۵۔ فصل

چھینکنے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے ۔ لہٰذا جب تم میں سے کوئی چھینکے اور الحمد للہ کہے تو سننے والے ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللهُ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے ۔ رہی جمائی تو یہ شیطان کی طرف سے ہے، اس لئے جب کسی کو جمائی آئے تو ممکن حد تک اسے روکے، کیونکہ تم میں سے جب کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے، اسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے ۔ بخاری شریف ہی میں مذکور ہے کہ، جب تم میں سے کوئی چھینکے تو الحمد للہ کہے اور اس کا بھائی یرحمک اللہ پھر چھینکنے والا کہے، یھدیکم اللہ ویصلح بالکم ۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ، تم میں سے کوئی جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو تم اس کا جواب دو، اور اگر الحمد للہ نہ کہے تو جواب نہ دو ۔ اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر چھ حق ہے، جب تم اس سے ملو تو سلام کرو، جب تمہیں دعوت دے تو قبول کرو، جب نصیحت طلب کرے تو نصیحت کرو، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو یرحمک اللہ کہو، جب مرجائے تو جنازہ میں شرکت کرو، اور جب بیمار ہو تو عیادت کرو ۔ ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں چھینکنے کے وقت یہ کہنے کی تعلیم دی، الحمد للہ علیٰ کل

حال۔ امام مالک نے بروایت نافع عن ابن عمر ذکر کیا ہے کہ تم میں کوئی چھینکے اور اس سے یرحمک اللہ کہا جائے تو وہ یَرْحَمُنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ وَیَغْفِرُ لَنَا وَلَکُمْ کہے۔ ابتدا میں جو حدیث مذکور ہوئی اس کا مفہوم یہ ہے کہ چھینکنے والے کا جواب دینا فرض عین ہے۔ ابن ابی زید نے اسی کو اختیار کیا ہے اور اس کا کوئی معارض بھی نہیں

چونکہ چھینکنے والے کو چھینک سے نعمت ملتی ہے اور جسم میں پھنسے ہوئے بخار کے نکلنے کا فائدہ ملتا ہے، اس لئے اس نعمت کے حصول پر اللہ کی تعریف اس کیلئے مشروع کی گئی ہے، زمین کو جس طرح جھٹکا لگتا ہے اسی طرح کا جھٹکا چھینک میں بدن کو لگتا ہے، مگر اللہ کا یہ احسان ہے کہ اس جھٹکے کے باوجود تمام اعضا اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔

آپؐ جب چھینکتے تھے تو ہاتھ یا کپڑا منہ پر رکھ کر آواز کو پست کر دیتے تھے۔ آپؐ سے منقول ہے کہ اونچی جمائی اور سخت چھینک شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔

یہ بھی ثابت ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے پاس چھینکا تو آپؐ نے یرحمک اللہ کہا، پھر اسے دوبارہ چھینک آئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اسے زکام ہے، یہ مسلم کے الفاظ ہیں۔ ترمذی میں مذکور ہے کہ آپؐ نے مذکورہ بات تیسری چھینک کے بعد کہی تھی، ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد نے ابوہریرہ سے موقوفاً روایت کیا ہے کہ' اپنے بھائی کی چھینک کا تین بار تک جواب دو، اس کے بعد بھی اگر چھینک آئے تو اس کا سبب زکام ہے۔ اگر یہ سوال ہو کہ زکام کی حالت میں انسان دعاء کا زیادہ محتاج ہوتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ایسے شخص کو مریض والی دعاء دینا چاہیئے، لیکن چھینک کی جو سنت اللہ کو پسند ہے اور جسے نعمت بتایا گیا ہے وہ تین چھینکوں ہی تک ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس آدمی کے لئے فرمایا کہ' وہ

مزکوم ہے، تو اس سے ہر بات پر تنبیہ مقصود تھی کہ اس کے حق میں عافیت کی دعا کرنی چاہیئے، اور یہ معذرت بھی تھی کہ تین مرتبہ کے بعد جواب کیوں نہیں دیا۔

چھینکنے والا جب الحمدللہ کہے اور اسے سب لوگ نہ سن سکیں تو صحیح مذہب یہ ہے کہ جو نہ سنے وہ بھی اس کا جواب دے بشرطیکہ الحمدللہ کہنا متحقق ہو، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جب الحمدللہ کہے تو تم جواب دو۔ اگر چھینکنے والا الحمدللہ کہنا بھول جائے تو ابن العربی کا قول ہے کہ اسے یاد نہیں دلایا جائے گا۔ حدیث کے ظاہری الفاظ سے اس قول کی وضاحت ہوتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بھولنے والے کو یاد نہیں دلایا، حالانکہ آپؐ سنت پر عمل کرنے اور اس کی تعلیم دینے کے زیادہ پابند تھے۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس امید پر چھینکتے تھے آپؐ ان کے جواب میں یرحمکم اللہ کہیں گے، لیکن آپؐ یہ نہ کہہ کر صرف يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَيُصْلِحُ بالكم کہتے تھے۔

۴۶۔ فصل

سفر کے آداب اور سنتوں کا بیان

صحیح حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، تم میں سے کوئی جب کسی کام کا ارادہ کرے تو دو رکعت نماز ادا کرے الخ۔ اس طرح آپؐ نے جاہلیت کے رواج کی تردید کی اور اس کی جگہ ایسی دعا بتائی جو توحید اور توکل پر مشتمل ہے اور جس میں ایسی ذات سے سوال کی تعلیم دی گئی ہے جو بھلائیوں کی لانے والی اور برائیوں کو دور کرنے والی ہے۔ جاہلیت کے دور میں لوگ پرندوں اور تیروں سے شگون

لیتے تھے اور قرعہ کے ذریعہ یہ جاننے کی کوشش کرتے تھے کہ غیب میں ان کے حصّہ میں کیا ہے، ستاروں سے بھی مستقبل کے حالات کے بارے میں بتاتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دعا کی تعلیم دی وہ اہل سعادت کا شگون ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ اور ربوبیت عامہ کا اقرار، اس پر توکل کا اعلان اور اپنی مصلحتوں سے ناواقفیت اور ان پر عدم قدرت کا اعتراف ہے۔ امام احمد نے حضرت سعد سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ انسان کی نیک بختی یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ کرے اور اس کے فیصلہ پر راضی ہو، اور اس کی بدبختی یہ ہے کہ وہ اللہ سے استخارہ چھوڑ دے اور اس کے فیصلہ پر ناراض ہو۔ یہاں پر قابل غور امر یہ ہے کہ مقدر دو صفتوں کے درمیان مذکور ہے، ایک تو توکل جو مقدور سے پہلے استخارہ کا مضمون ہے اور دوم اللہ کے فیصلہ پر رضامندی جو مقدور کے بعد کی چیز ہے۔

آپؐ جب سواری پر بیٹھتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہہ کر یہ دعا پڑھتے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا ھٰذَا وَ مَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَ اِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اسے ہمارے لئے مسخر کیا، اور ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

پھر آپؐ یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ فِیْ سَفَرِیْ ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی، وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی، اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلَیْنَا السَّفَرَ وَاطْوِعَنَّا بُعْدَہٗ، اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَالْخَلِیْفَۃُ

اے اللہ میں اس سفر میں تجھ سے نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں اور ایسے عمل کا جس کو تو پسند کرے۔ اے اللہ، سفر آسان کر اور اس کی دوری سمیٹ دے، اے اللہ، تو سفر کا ساتھی، اور گھر والوں کا محافظ ہے۔ اے اللہ سفر میں

فِی الْاَھْلِ، اَللّٰھُمَّ اَصْحِبْنَا فِی سَفَرِنَا — ہمارے ساتھ رہ اور گھر والوں کی حفاظت
وَاخْلُفْنَا فِی اَھْلِنَا۔ — فرما۔

جب واپس تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے :

آئبون تائبون عابدون لربنا — ہم لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، اپنے رب
حامدون۔ — کی عبادت اور تعریف کرنے والے ہیں۔

امام احمد نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ جب شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے :

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا، لَا یُغَادِرُ — ہم لوٹ کر آئے ہیں، اللہ کے آگے توبہ کرتے
حَوْبًا۔ — ہیں، وہ ہمارے تمام گناہوں کو معاف کردیگا۔

جب سواری کے وقت آپؐ رکاب میں پیر رکھتے تو بسم اللہ پڑھتے، اور جب سواری کی پشت پر بیٹھ جاتے تو الحمد للہ پڑھتے پھر سُبحان الذی سخرلنا والی دعا پڑھتے۔

آپؐ جب سفر پر جانے والے کو رخصت کرتے تو یہ دعا پڑھتے :

اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ — تیرا دین، تیری امانت (اہل وعیال ومال وغیرہ)
وَخَوَاتِیْمَ عَمَلِکَ۔ — اور تیرا انجام کار خدا کی حفاظت میں دیتا ہوں۔

آپؐ سے ایک شخص نے کہا کہ میرا سفر کا ارادہ ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ، تجھے میں اللہ سے ڈرنے اور ہر اونچی جگہ پر اللہ اکبر کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ آپؐ اور صحابہ جب اونچی جگہ چڑھتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے، اسی ہیئت پر نماز بھی رکھی گئی ہے۔ حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی اونچی زمین یا ٹیلہ پر چڑھتے تو یہ دعا پڑھتے :

اَللّٰھُمَّ لَکَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ — اے اللہ تیرے ہی لئے بزرگی ہے جو ہر بزرگی

وَلَكَ الْحَمْدُ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ پر فوقیت رکھتی ہے، اور تیرے ہی لئے ہر حال میں سب تعریفیں ہیں ۔

آپؐ فرماتے تھے کہ ایسی جماعت کے ساتھ فرشتے نہیں ہوتے جس میں کتا اور باجا ہو۔

آپؐ رات میں تنہا سفر کو ناپسند کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ، اگر تنہائی کی خرابی کو لوگ جان لیں تو کوئی رات میں تنہا نہ چلے ۔ بلکہ آپؐ تنہا سفر ہی کو ناپسند کرتے تھے ۔ اور فرماتے تھے کہ، ایک اور دو شیطان ہیں اور تین سے قافلہ بنتا ہے ۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب کسی جگہ تم اترو تو یہ دعا، پڑھو :

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ اللہ کے پورے کلموں کے ذریعہ ان سب چیزوں کی مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۔ برائی سے پناہ مانگتا ہوں جنھیں اس نے پیدا کیا

اس سے کوچ کرنے تک کوئی چیز اس کو نقصان نہ پہونچا سکے گی ۔ آپؐ فرماتے تھے کہ، جب شاداب زمین میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین سے ان کا حق دو، اور جب قحط زدہ جگہ میں پہونچو تو وہاں سے تیزی کے ساتھ گذر جاؤ، اور جب رات میں اترو تو راستو سے بچو کیونکہ وہ چلنے والوں کا راستہ اور رات میں زہریلے جانوروں کا ٹھکانہ ہیں ۔

آپؐ مسافر کو دشمن کی زمین میں قرآن لے کر جانے سے منع فرماتے تھے، کہ کہیں اس کی بے حرمتی نہ ہو۔ عورت کو بغیر محرم ایک برید (۱۲ میل تقریبًا) کی مسافت کے سفر سے بھی آپؐ منع فرماتے تھے ۔ مسافر کے لئے آپؐ نے فرمایا کہ جب ضرورت پوری ہو جائے تو فورًا گھر لوٹ آئے ۔ طویل سفر کے بعد رات کو گھر واپس آنے سے آپؐ نے منع فرمایا ہے ۔ آپؐ جب سفر سے واپس تشریف لاتے تو گھر کے بچوں سے ملتے ۔ سفر سے آنے والوں سے آپؐ معانقہ کرتے تھے اور اپنے اہل وعیال کو بوسہ

دیتے تھے۔ شعبی کا قول ہے کہ صحابہ جب سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے تھے۔
آپؐ جب سفر سے آتے تو پہلے مسجد جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے۔

۴۷۔ فصل

خطبۃ الحاجۃ کا بیان

حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ضرورت کیوقت کے لئے اس خطبہ کی تعلیم دی:

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّأٰتِ اَعْمَالِنَا، وَمَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔	تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے اپنے گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم اللہ کی پناہ چاہتے ہیں نفس کی برائیوں اور بُرے اعمال سے، جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے وہ گمراہ کردے اسے کوئی راستہ نہیں دکھا سکتا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اسکے بندے اور رسولؐ ہیں

پھر آپؐ درج ذیل تین آیتیں پڑھتے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ۔ الخ۔ (آل عمران: ۱۰۲)	اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ۔ الخ — اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔

(النساء۔ ۱)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا۔ الخ — اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور کہو، (الاحزاب۔ ۷۰۔ ۷۱)

شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحاق سے کہا کہ یہ نکاح کے خطبہ کی بات ہے یا دوسرے خطبوں کی بھی؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہر ضرورت کے لئے ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ، جب تم میں سے کوئی عورت، خادم یا جانور کو لے چلے تو اس کی پیشانی پکڑ کر اللہ سے برکت کی دعا کرے، بسم اللہ کہے اور یہ دعا پڑھے

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَيْهِ۔ — اے اللہ، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اسکی بھلائی اور جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اسکی بھلائی مانگتا ہوں اور اسکی برائی اور جس پر یہ پیدا کی گئی ہے اس کی برائی سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔

شادی کرنے والے کو آپؐ یہ دعا دیتے:

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِیْ خَيْرٍ۔ — اللہ تیرے لئے برکت دے، اور تجھ پر برکت نازل کرے اور تم دونوں کو بھلائی میں متفق رکھے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا، جو شخص کسی مریض کو دیکھ کر ذیل کی دعا پڑھے تو اس کو وہ بیماری خواہ کچھ بھی ہو لاحق نہ ہوگی۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِيْرٍ — اللہ کا شکر ہے جس نے مجھ کو تیرے مرض سے اور بہت سی مخلوق پر فضیلت بخشی۔

مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا۔

آپؐ کے پاس شگون کا ذکر ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اس میں بہتر فال ہے لیکن وہ مسلمان کے پاس نہیں آسکتی، جب تم کوئی بُرا شگون دیکھو تو یہ دعا پڑھو:

اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ اِلَّا اَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ اِلَّا اَنْتَ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِكَ۔	اے اللہ تیرے سوا کوئی بھلائی نہیں لاسکتا، اور تیرے سوا کوئی برائی کو دور نہیں کرسکتا، گناہ سے رکنے اور نیکی کی طاقت و توت صرف تجھ سے ہے۔

۴۸۔ فصل

خواب کا بیان

صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ: اچھا خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور بُرا خواب شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، لہذا جو شخص کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو بائیں طرف پھونک مار دے اور اعوذ باللہ پڑھ لے تو اسے کوئی نقصان نہیں پہونچے گا اور کسی کو اس کی خبر نہ دے، اگر کوئی اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور صرف اسی کو خبر دے جس سے محبت ہو۔ آپؐ نے بُرا خواب دیکھنے والے کو پہلو بدلنے کا اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیا۔ اس طرح کل پانچ چیزوں کا حکم دیا گیا ہے۔ بائیں طرف پھونک مارنے کا، شیطان سے پناہ مانگنے کا، کسی کو خبر نہ دینے کا، کروٹ بدلنے کا اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا۔ آپؐ نے فرمایا کہ، خواب کی جب تک تعبیر نہ کیجائے اڑتا رہتا ہے۔ اور جب تعبیر بیان کر دی جاتی ہے تو واقع ہو جاتی ہے، خواب دیکھنے والا صرف اسی کو بتائے جس سے محبت ہو یا جو صاحب رائے ہو۔ آپؐ سے منقول ہے کہ خواب دیکھنے والے سے آپؐ پہلے یہ فرما دیتے تھے کہ تم نے اچھا خواب دیکھا ہے، پھر اس کی تعبیر

بیان فرماتے تھے۔

۴۹۔ فصل

وسوسہ میں مبتلا شخص کیا کہے اور کیا کرے؟

عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے کہ، انسان کے دل میں ایک القاء فرشتہ کی طرف سے ہوتا ہے اور ایک شیطان کی طرف سے۔ فرشتہ بھلائی کا وعدہ کرتا ہے حق کی تصدیق کرتا ہے، اور ثواب کی امید دلاتا ہے۔ اور شیطان کا القاء برائی کے وعدے حق کی تکذیب اور بھلائی سے مایوسی پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہٰذا تم جب شیطان کا القاء محسوس کرو تو اللہ کی تعریف کرو اور اس کی مہربانی کا سوال کرو، اور جب شیطان کا القاء محسوس کرو تو اللہ کی پناہ مانگو اور اس سے بخشش طلب کرو۔

آپؐ سے حضرت عثمان بن ابی العاص نے کہا کہ، میرے اور میری نماز و قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو جاتا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اس کا نام خنزب ہے، تم جب اسے محسوس کرو تو اللہ کی پناہ چاہو اور بائیں طرف تین بار تھوک دو۔

صحابہ نے آپؐ سے شکایت کی کہ ان کے دل میں ایسے خیالات آتے ہیں، جن کے اظہار کے مقابلہ میں وہ جل کر راکھ ہونے کو بہتر سمجھتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ، اللہ اکبر، اللہ اکبر، سب تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے شیطان کی چال کو وسوسہ کی طرف پھیر دیا۔

ایجاد و فعل کے سلسلہ میں کسی کو وسوسہ پیدا ہو اور یہ خیال ذہن میں آئے کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ تو ایسے شخص کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

یہ تعلیم ہے کہ وہ یہ آیت پڑھے :

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ	وہی اول و آخر، ظاہر اور باطن ہے، اور وہ
وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۔ (حدید ۔ ۳)	ہر چیز کو جانتا ہے ۔

اس طرح ابو زمیل نے حضرت ابن عباس سے کہا کہ میں اپنے جی میں کیا پا رہا ہوں ابن عباس نے پوچھا کیا ہے ؟ انھوں نے جواب دیا کہ، بخدا میں اسے کہہ نہیں سکتا ۔ ابن عباس نے پوچھا کہ کیا کچھ شک وغیرہ ہے ؟ انھوں نے کہا کہ 'ہاں' ۔ ابن عباس نے کہا کہ اس سے کوئی بچ نہیں سکا یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ	اگر تمہیں ہماری اتاری ہوئی کتاب میں شک ہو
فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ	تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو تم سے پہلے کتاب
مِنْ قَبْلِكَ ۔ الخ (سورہ یونس ۔ ۹۴)	پڑھتے ہیں ۔

پھر اگر دل میں کچھ محسوس کرو تو ھو الاول والاخر والظاھر والباطن الخ پڑھ لو ۔ اس طرح آیت کے ذریعہ آپؐ نے رہنمائی فرمائی کہ تسلسل بداہۃً باطل ہے ۔ ابتداء میں مخلوقات کا سلسلہ ایسی ذات پر ختم ہوتا ہے جس سے پہلے کچھ نہیں، اور آخر میں ایسی ذات پر ختم ہوتا ہے جس کے بعد کچھ نہیں ۔ اور اس ذات کے ظہور کا یہ معنی ہے کہ اس کے اوپر کچھ نہیں، اور اس کے بطون کا یہ معنی ہے کہ اس کے احاطہ کے بعد کچھ نہیں باقی بچا ۔ اگر اس سے پہلے کوئی چیز مانی جائے جو اس میں مؤثر ہو تو وہی رب خلاق ہوگی، اس لئے ضروری ہوگا کہ یہ سلسلہ ایسے خالق پر ختم ہو جو دوسرے سے بے نیاز ہو اور ہر چیز اس کی محتاج، وہ خود قائم ہو، اور جو خود قائم ہوگا وہ بذات خود موجود ہوگا اور جو خود ہو وہ قدیم و بے ابتداء ہوگا، اس کے علاوہ تمام چیزوں کا وجود اسی کی ذات سے باقی ہے اور ہر چیز کی بقاء اسی سے ہے ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، لوگ برابر سوال کرتے رہیں گے یہاں تک کہ کہنے والا یہ کہے گا کہ اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا لیکن اللہ کو کس نے پیدا کیا ؟ تو جس کے دل میں ایسا خیال آئے وہ اللہ کی پناہ چاہے اور مزید سوچنے سے باز رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ۔ الخ (فصلت ـ ۲۶)

اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کسی قسم کی چھیڑ پہونچے تو خدا کی پناہ لیا کرو۔

چونکہ شیطان کی دو قسمیں ہیں، ایک انسانی شیطان جو نظر آتا ہے اور دوسرا جناتی جو دیکھا نہیں جاتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ انسانی شیطان کے شر سے بچنے کے لئے اعراض، عفو اور بہتر مدافعت سے کام لیں، اور جناتی شیطان سے اعوذ باللہ کے ذریعہ بچیں۔ سورۂ اعراف، مؤمنون اور فصلت میں دونوں قسموں کا ذکر کیا گیا ہے :

فما ھوالا الاستعاذة ضارعا او الدفع بالحسنی فما خیر مطلوب

(عاجزی کیساتھ اعوذ باللہ پڑھنا اور بھلے طور پر مدافعت کرنا بہترین مطلوب ہے)

فھذا دواء الداء من شر ما یری وذاک دواء الداء من شر محجوب

(یہ نظر آنے والی چیزوں کے شر کی اور وہ پوشیدہ شر کی کامیاب دوا ہے)

۵۰۔ فصل

غصہ اور دیگر وقت کے آداب کا بیان

غصہ جب سخت ہو جائے تو اس کی آگ بجھانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ انسان وضو کر لے اور کھڑا ہو تو بیٹھ جائے، بیٹھا ہو تو لیٹ جائے، اور شیطان سے اللہ کی پناہ چاہے۔ چوں کہ انسان کے دل میں غصہ اور شہوت کی حیثیت

آگ کے دو شعلوں کی سی ہے، اس لئے انہیں مذکورہ ترکیب سے بجھانے کا حکم دیا گیا ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ الخ (البقرۃ - ۴۴)	کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

اور اس پر آمادہ کرنے والی چیز چونکہ شہوت کی شدت ہوتی ہے، اس لئے اس کے شعلہ کو نماز اور صبر کے ذریعہ بجھانے کا حکم دیا گیا اور شیطان سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ اور چوں کہ تمام نافرمانیاں غضب اور شہوت سے پیدا ہوتی ہیں، اور قوت غضب کا نتیجہ قتل کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور قوت شہوت کا نتیجہ زنا کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے، اس لئے دونوں چیزوں کو سورۃ انعام، اسراء اور فرقان میں ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو آپؐ فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ۔	تمام تعریفیں اس خدا کے لئے جس کی نعمت سے نیک کام پورے ہوتے ہیں۔

اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔	ہر حال میں سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

جب کوئی شخص آپؐ کے پاس پسندیدہ چیز پیش کرتا تو اس کو دعاء دیتے، چنانچہ حضرت ابن عباس نے وضوء کے لئے پانی رکھا تو ان کو آپؐ نے یہ دعاء دی:

اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاْوِیْلَ۔	اے اللہ! انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر سکھا۔

ابو قتادہ نے رات کے وقت سواری پر آپؐ کو سہارا دیا تو ان کو یہ دعاء دی:

حَفِظَكَ اللّٰهُ بِمَا حَفِظْتَ بِهِ نَبِيَّهُ — اللہ تمہاری حفاظت کرے جس طرح تم نے اس کے نبی کی حفاظت کی ۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کے ساتھ کسی نے کوئی احسان کیا اور اس نے جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا کہہ دیا تو یہ تعریف پوری ہوگئی ۔ایک قرضدار نے قرض ادا کر دیا تو اسے آپؐ نے ان الفاظ سے دعا دی :

بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِي أَهْلِكَ وَمَالِكَ — اللہ تمہیں مال و اولاد میں برکت دے، بلاشبہ

إِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ الْحَمْدُ وَالْأَدَاءُ — قرض کی جزا خدا کی تعریف اور ادائیگی ہے ۔

آپؐ کو جب کوئی ہدیہ ملتا تو اس سے بہتر بدلہ دیتے، اور اگر لینا نہ چاہتے تو پیش کرنے والے سے معذرت کر دیتے، جیسا کہ صعب سے آپؐ نے فرمایا کہ، چونکہ ہم احرام میں ہیں، اس لئے شکار واپس کر دیا ۔

امت کو آپؐ نے یہ حکم دیا کہ جب گدھے کی آواز سنیں تو شیطان ملعون سے خدا کی پناہ مانگیں، اور جب مُرغ کی آواز سنیں تو اللہ سے اس کا فضل مانگیں ۔ یہ بھی مروی ہے کہ آگ لگ جائے تو اللہ اکبر کہیں، اس سے وہ بُجھ جائے گی ۔

مجلس والوں کے حق میں آپؐ نے فرمایا کہ مجلس کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہونا چاہیئے ۔ نیز فرمایا کہ جو کسی جگہ بیٹھ جائے اور اللہ کا ذکر نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر حسرت نازل فرماتا ہے، اور جو لیٹ جائے اور اللہ کو یاد نہ کرے تو اس پر بھی حسرت نازل ہوتی ہے ۔آپؐ نے فرمایا، جو کسی مجلس میں بیٹھے اور وہاں شور وشغب ہو تو اٹھنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لے :

سبحٰنك اللّٰهم وبحمدك، اشهد — اے اللہ، ہم تیری پاکی اور حمد بیان کرتے ہیں

أن لا اله الا انت، استغفرك — اور گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود

واتوب الیک۔ نہیں، تجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔

تو اس کے اس مجلس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ سنن ابو داؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس سے اٹھنا چاہتے تھے تو مذکورہ دعا پڑھتے تھے، آپؐ سے دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ: مجلس میں جو کچھ ہوا اس کا یہ کفارہ ہے۔

۵۱۔ فصل

ایسے الفاظ جن کا بولنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ناپسند تھا

ایسے الفاظ میں سے بعض یہ ہیں، خَبُثَتْ یا جَاشَتْ نَفْسِیْ، انگور (عنب) کو کرم کہنا، کسی کا یہ کہنا کہ، ھلك الناس (لوگ ہلاک ہو گئے) آپؐ نے فرمایا کہ جس نے ایسا کہا خود لوگوں کو ہلاک کیا۔ فسد الناس (لوگ بگڑ گئے) اور فسد الزمان کا بھی یہی مفہوم ہے۔ آپؐ نے اس طرح کے جملوں سے بھی منع فرمایا کہ مُطِرنَا بنوء کذا وکذا (ہمیں فلاں فلاں نچھتر سے پانی ملا) مَا شَاءَ اللّٰہُ وَ شِئْتَ (جو اللہ چاہے اور تم چاہو۔

غیر اللہ کی قسم کھانے سے اور قسم میں یہ کہنے سے کہ وہ اگر ایسا کرے تو یہودی ہے، آپؐ نے منع فرمایا۔ کسی بادشاہ کو شہنشاہ کہنا اور آقا کا اپنے ہاتھوں کو عَبْدِی اور اَمَتِی (میرے بندے اور بندی) کہنا بھی ممنوع ہے۔ ہوا، بخار اور مرغ کو برا بھلا کہنا دورِ جاہلیت کے نعرے لگانا بھی، جن میں قبیلہ، مذہب، طریقہ یا مشائخ کے حق میں تعصب کا اظہار ہو، ممنوع ہے۔ عشار کی نماز کو عتمۃ کا نام دینا جس سے عشار کا نام متروک ہو

جائے، غلط ہے۔ مسلمان کو برا بھلا کہنا، تیسرے شخص کو چھوڑ کر دو آدمیوں کا سرگوشی کرنا یا کسی عورت کا اپنے شوہر کو دوسری عورت کے محاسن سے آگاہ کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ یہ کہنا بھی ممنوع ہے کہ اے اللہ، اگر تو چاہے تو مجھے بخشدے۔ زیادہ قسم کھانا، قوس قزح کہنا، کسی سے ذاتِ الٰہی کے واسطے مانگنا، مدینہ کو یثرب کہنا، بلاضرورت کسی سے یہ پوچھنا کہ اپنی عورت کو کیوں مارا، میں نے پورے رمضان کا روزہ رکھا اور پوری رات کا قیام کیا کہنا بھی غلط ہے۔

مکروہ الفاظ ہی میں یہ بھی داخل ہے کہ اشارہ سے بتائی جانے والی چیزوں کو صراحت کیساتھ ذکر کیا جائے، یا اطال اللہ بقاءک وغیرہ کہا جائے۔ یا روزہ دار یہ کہے کہ اس ذات کی قسم جس کی مہر میرے منہ پر ہے، کیوں کہ مہر تو کافر کے منہ پر لگتی ہے، یا ٹیکس کو حقوق سے تعبیر کیا جائے، یا اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والا یہ کہے کہ دنیا میں میں نے بہت سا مال خرچ کیا، یا اجتہادی مسائل میں مفتی یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حرام کی ہے اور فلاں چیز حلال، یا قرآن وسنت کے دلائل کو مجازات سے اور متکلمین کے شبہات کو قواطع عقلیہ سے تعبیر کیا جائے، خدا گواہ ہے کہ اس طرح کے ناموں سے دین و دنیا کی بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ یا کمینوں کی طرح انسان ان واقعات کو پیش کرے جو اس کے اور بیوی کے مابین پیش آتے ہیں۔ اسی طرح زعموا، ذکروا اور قالوا بھی مکروہ الفاظ میں سے ہیں، اور یہ کہ بادشاہ کو خلیفۃ اللہ کہا جائے کیوں کہ خلیفہ ایسی ذات کا ہوتا ہے جو غائب ہو، اور اللہ تعالیٰ خود غائب شخص کے اہل کا خلیفہ و محافظ ہے۔

"میں" "میرا" اور "میرے پاس" وغیرہ الفاظ میں تکبر کا جو شائبہ ہے اس سے بھی پوری طرح پرہیز کرنا چاہیئے، اس لئے کہ ان الفاظ کے ذریعہ ابلیس، فرعون اور قارون

کی آزمائش ہوئی تھی، ابلیس نے کہا تھا کہ، میں حضرت آدم سے بہتر ہوں۔ فرعون نے کہا تھا کہ، مصر کی بادشاہت میری ہے، اور قارون نے کہا تھا کہ، میرے پاس جو علم ہے اس کے طفیل مجھے دولت ملی ہے۔ یں کا سب سے بہتر استعمال بندے کے اس طرح کے جملے میں ہے کہ، یں گنہگار اور استغفار کرنے والا ہوں۔ میرا کا بہتر استعمال اس طرح کے جملوں میں ہے، گناہ اور جُرم میرا ہے، محتاجی اور ذلت میرے لئے ہے، اور میرے پاس کا پسندیدہ استعمال یہ ہے، اے اللہ میری سنجیدگی، مذاق اور دانستہ و نادانستہ، گناہوں کو بخشدے، یہ سب کچھ میرے پاس ہے۔

۵۲۔ فصل

جہاد وغزوات سے متعلق سنتِ نبوی

چونکہ جہاد اسلام کی انتہائی بلندی کا نشان ہے اور مجاہدوں کا جنت میں سب سے اونچا مقام اور دنیا میں ان کے لئے برتری ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اسکے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ جہاد کی جتنی قسمیں ہیں ان سب پر آپؐ کو قدرت تھی۔ اللہ کی راہ میں دل وجان، دعوت وبیان اور سیف وسنان کے ذریعہ جہاد کا جو حق ہے اسے آپؐ نے ادا کیا۔ آپؐ کے تمام اوقات جہاد کے لئے وقف تھے، اسی لئے اللہ کے نزدیک تمام لوگوں سے آپؐ کا مرتبہ بڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ابتدار نبوت سے ہی جہاد کا حکم دیا تھا، چنانچہ ارشاد ہے

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا۔ (فرقان ۔ ۵۲)	آپؐ کافروں کی اطاعت نہ کیجئے اور اُن کے ساتھ بڑا جہاد کیجئے۔

یہ مکی سورہ ہے، اس میں آپؐ کو جہاد بالبیان کا حکم دیا گیا ہے، اسی طرح منافقین کے ساتھ دلائل کے ذریعہ جہاد کا حکم ہے جو کفار سے جہاد کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے۔ یہ جہاد امت کے خواص اور وارثان رسول کا حصہ ہے، دنیا میں تھوڑے سے لوگ اس کو انجام دیتے ہیں اور اس راہ میں انھیں کی مدد ہوتی ہے، ایسے لوگ تعداد میں تھوڑے ہوتے ہیں، لیکن اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ بڑا ہوتا ہے۔

چونکہ سب سے افضل جہاد مخالف کی قوت اور اس کی سطوت کے خوف کے باوجود حق بات کا کہنا ہے، اس لئے انبیاکرام کو اس کا سب سے زیادہ حصہ عطا کیا گیا۔ اور ان میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ دوسروں سے مکمل اور پورا تھا۔ اور خارج میں دشمنوں سے جہاد نفس کے ساتھ کی ایک شاخ ہے، جیساکہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ، مجاہد وہ ہے جو اللہ کی ذات کے معاملہ میں اپنے نفس کیساتھ جہاد کرے، اس لئے نفس کے ساتھ جہاد کو دشمن کے ساتھ جہاد پر مقدم اور اس کی اصل قرار دیا گیا ہے۔ ان دونوں دشمنوں کے ساتھ جہاد کے ذریعہ بندے کو آزمایا گیا ہے، اور ان کے علاوہ انسان کا ایک تیسرا دشمن بھی ہے جس کے ساتھ جہاد کئے بغیر مذکورہ دونوں دشمنوں کے ساتھ جہاد ممکن نہیں، یہ دشمن شیطان ہے جو مذکورہ دشمنوں کے مابین کھڑا ہوکر بندے کو ان کے ساتھ جہاد سے روکتا ہے اور اس کی ہمت کو پست کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا۔ (سورہ فاطر — ۶) شیطان تمہارا دشمن ہے، اس لئے تم اسے دشمن سمجھو۔

اور شیطان کو دشمن بنانے کا حکم دیا گیا ہے اس میں یہ تنبیہ ہے کہ اس کیساتھ جنگ میں پوری قوت صرف کر دینا چاہیئے۔ مذکورہ تینوں دشمنوں کے ساتھ لڑائی کا حکم بندے کو دیا گیا ہے اور یہ تینوں دشمن بطور آزمائش اس پر مسلط ہیں، بندے کو

بندے کو ان کے مقابلہ کی قوت و مدد بھی دی گئی ہے، اور فریقین میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ آزمایا گیا ہے، بعض بعض کے لئے فتنہ ہیں تاکہ ان کے معاملہ کا امتحان ہو سکے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو کان، آنکھ، عقل اور قوت سے نوازا ہے، ان کے لئے کتابیں نازل کی ہیں، رسولوں کو بھیجا ہے، فرشتوں سے انکی مدد کی ہے۔ دشمن کے ساتھ لڑائی میں جو چیز مددگار بن سکتی ہے اس سے آگاہ کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ اگر اللہ کی فرمانبرداری کرتے رہیں گے تو اس کے اور اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے، اور جب کسی حکم پر عمل چھوڑ دیں گے تو اللہ تعالیٰ دشمن کو ان پر مسلط کر دے گا، لیکن ایسی صورت میں بھی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، اس زخم کا بھی مداوا ممکن ہے، صبر کے ذریعہ دشمن کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ متقیوں، نیکوکاروں، صبر کرنے والوں اور ایمانداروں کے ساتھ ہے، اپنے مومن بندوں کی ان سے بہتر مدافعت کرتا ہے، اسی کی مدافعت سے انھیں غلبہ حاصل ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو ان کے دشمن انھیں تباہ کر ڈالیں۔

اللہ کی طرف سے ہونے والی یہ مدافعت بندوں کے ایمان کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر ایمان قوی ہو تو مدافعت بھی قوی ہوتی ہے، اس لئے جو بھی بھلائی دیکھے اللہ کی تعریف کرے، اور جو بھلائی کے علاوہ کچھ اور دیکھے تو صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ اللہ نے بندوں کو یہ حکم دیا ہے کہ اس کی راہ میں اس طرح کا جہاد کرو جس طرح جہاد کرنا چاہیئے، جس طرح یہ حکم دیا کہ اس سے کماحقہ ڈریں۔ اور اس کی صورت یہ ہے کہ اطاعت کریں، نافرمانی نہ کریں، اسے یاد کریں اور فراموش نہ کریں، اس کا شکر بجالائیں اور ناشکری نہ کریں۔ اللہ کی راہ میں جہاد کا حق یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرے تاکہ اس کا دل، زبان اور اعضاء اللہ کے لئے اور اسی کے لئے

جھکیں، اپنے لئے نہیں۔ شیطان کے ساتھ جہاد کی صورت یہ ہے کہ اس کے وعدہ کی تکذیب کیجائے اور اس کے حکم کی نافرمانی، اس لئے کہ وہ آرزوؤں کا وعدہ کرتا ہے اور دھوکہ کی خواہشات پیدا کرتا ہے، بیحیائی کا حکم دیتا ہے اور ہدایت کی باتوں اور تمام اخلاق ایمانیہ سے روکتا ہے۔ ان دونوں جہادوں سے بندے کے اندر ایک قوت اور سہارا پیدا ہوجائے گا، جس کے ذریعہ وہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قلبی، لسانی، مالی اور دستی جہاد کرسکے گا جس کا مقصد کلمۂ الٰہی کی بلندی ہوگی۔

جہاد کے حق میں سلف کی تعبیرات مختلف ہیں، حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جہاد نام ہے پوری قوت کو صرف کردینے کا اور یہ کہ اللہ کے بارے میں کسی کی ملامت کی پروا نہ ہو۔ ابن مبارک کہتے ہیں کہ نفس اور خواہشات کے ساتھ مقابلہ کا نام جہاد ہے۔

اس بنا پر کہ دونوں آیتوں میں مقدور سے باہر کام کا مطالبہ ہے، انھیں منسوخ بتانا صحیح نہیں، کیوں کہ کما حقہ ڈرنے اور جہاد کرنے کی طاقت ہر شخص کے اندر ہے، اور بندوں کے حالات میں اختلاف سے اس میں بھی اختلاف ہوتا ہے، غور کرو کس طرح اس حکم کے بعد یہ فرمایا کہ:

هُوَ اجْتَبٰـكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج — ۷۸) اسی نے تم کو برگزیدہ بنایا اور دین کے سلسلہ میں تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں رکھی۔

آیت میں حَرَج سے تنگی ہی مُراد ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ، مجھے توحید کا آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دین، روزی اور عفو و مغفرت کے سلسلہ میں بہت زیادہ وسعت سے کام لیا ہے، جب تک جسم میں جان ہو توبہ کا موقع ہے، ہر بُرائی کا کفارہ ہے، ہر حرام کے بدلہ میں حلال چیز

موجود ہے، ہر تنگی سے پہلے اور بعد میں آسانی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسی تکلیف نہیں دے سکتا جس کی بندوں کو طاقت نہ ہو۔

۵۳۔ فصل

جہاد کے درجات کا بیان

اس توضیح کے بعد یہ جاننا چاہیئے کہ جہاد کے چار درجات ہیں، نفس کا جہاد شیطان کا جہاد، کفار کا جہاد، اور منافقین کا جہاد۔

پھر نفس کے ساتھ جہاد کے بھی چار درجات ہیں۔

اوّل یہ کہ نفس سے ہدایت کو سیکھنے پر جہاد کیا جائے۔

دوم یہ کہ علم کے بعد عمل کے لئے اس سے جہاد کیا جائے۔

سوم یہ کہ ہدایت کی جانب دوسروں کو بلانے کے لئے نفس کے ساتھ جہاد کیا جائے، ورنہ آدمی کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی چیز کو چھپاتے ہیں۔

چہارم یہ کہ دعوت کی راہ میں جو دشواریاں پیش آئیں، ان پر صبر کے لئے جہاد اور اس کو اللہ کے لئے برداشت کرنا۔ اور جب یہ چاروں درجات مکمل ہو جائیں تو پھر بندہ ربّانی بن جاتا ہے، اس لئے کہ سلف کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عالم اس وقت تک ربّانی نہیں بن سکتا جب تک حق کو نہ پہچانے، اس پر عمل نہ کرے، اس کی تعلیم نہ دے اور اس کی طرف دوسروں کو دعوت نہ دے۔

جہاد کا دوسرا مرتبہ شیطان کے ساتھ جہاد ہے، اس کے صرف دو درجے

ہیں۔ اوّل یہ کہ وہ جن شبہات کو پیدا کرتا ہے انھیں دور کرنے کے لئے اس کے ساتھ جہاد کیا جائے۔

دوم یہ کہ جو خواہشات وہ اُبھارتا ہے انھیں دبانے کے لئے اس کے ساتھ جہاد کیا جائے۔ پہلی قسم کے لئے یقین کا ہتھیار کام دے گا، اور دوسری کے لئے صبر کا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ۔ (السجدہ — ۲۴)	ہم نے انھیں صبر کے بعد امام بنا دیا، ہمارے حکم سے وہ راہ دکھاتے تھے، اور انہیں ہماری نشانیوں کا یقین تھا۔

تیسرا مرتبہ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا ہے، اس کے بھی چار درجات ہیں، جہاد بالقلب، جہاد باللسان، جہاد بالمال اور جہاد بالنفس۔ کفار کے ساتھ جہاد کو ہاتھ کے ساتھ اور منافقین کے ساتھ جہاد کو زبان کے ساتھ زیادہ تعلق ہے۔

جہاد کا چوتھا مرتبہ ظالموں، گنہگاروں اور بدعتیوں کے ساتھ جہاد کا ہے، اس کے صرف تین درجے ہیں، پہلا ہاتھ کے ذریعہ اگر قدرت ہو، دوسرا زبان کے ذریعہ جب کہ پہلی صورت ممکن نہ ہو، اور تیسرا دل کے ذریعہ جب کہ سابقہ دونوں صورتیں، دائرہ اختیار سے باہر ہوں۔

اس طرح جہاد کے کل تیرہ درجات ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

من مات ولم یغز ولم یحدث نفسہ بالغزو مات علی شعبۃ من النفاق۔	جو شخص مر جائے اور غزوہ نہ کر سکے نہ اپنے جی کی ساتھ اس کی بات کر سکے تو اس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوگی۔

اور جہاد بغیر ہجرت کے پورا نہیں ہو سکتا، اور یہ دونوں چیزیں بغیر ایمان مکمل

نہیں ہو سکتیں۔ جنھیں اللہ کی رحمت کی امید ہے وہی ان تینوں چیزوں کو ادا کر سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (البقرۃ — ۲۱۸)	جو لوگ ایمان لائے، ہجرت کی اور راہ خدا میں جہاد کیا یہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بخشنے والا، رحم کرنے والا ہے۔

جس طرح ہر شخص پر ایمان فرض ہے، اسی طرح دو طرح کی ہجرتیں بھی ہمہ وقت فرض ہیں۔ ایک ہجرت اللہ کی طرف بذریعہ اخلاص، اور دوسری ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بذریعہ اتباع۔ اسی طرح نفس کے ساتھ اور شیطان کیساتھ جہاد بھی فرض ہے، اور یہ سب فرض عین ہیں، ان میں کوئی کسی کی نیابت نہیں کر سکتا البتہ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد میں اُمت کے صرف بعض افراد پر اکتفا ممکن ہے۔

۵۴۔ فصل

مجاہد مومن کامل ہے

اللہ کی نظر میں سب سے کامل وہی شخص ہوگا جس کے یہاں جہاد کے تمام درجات موجود ہوں، اور چوں کہ یہ وصف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بدرجۂ اتم موجود تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپؐ کا مرتبہ سب سے مکمل اور برتر ہے آپؐ نے جہاد کی طرح جہاد کیا اور تمام درجات کی تکمیل کی، بعثت سے وفات تک آپؐ کا یہی مشغلہ تھا، جب آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ:

يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ (مدثر۔ ۱-۴)

اے چادر پوش، اٹھ اور ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی کر اور کپڑوں کو پاک کر۔

تو آپؐ دعوت کے لئے بالکل آمادہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی عائد کی ہوئی ذمہ داری کو مکمل طور پر انجام دیا، لوگوں کو اس کے دین کی دعوت رات و دن اور خفیہ و علانیہ طور پر پیش کی، پھر جب آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی کہ :

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (الحجر ــ ۹۴)

جس چیز کا آپؐ کو حکم ہوا ہے اسے کھول کر بیان کر دیجئے

تو اس وقت آپؐ نے کھلے طور پر اللہ کے حکم کا اعلان شروع کر دیا اور کسی کی ملامت وغیرہ کی پرواہ نہیں کی، آپؐ نے بڑے وچھوٹے، آزاد وغلام، مرد و عورت اور جن و انسان ہر ایک کو اللہ کی طرف بلایا۔

جب آپؐ نے اللہ کے حکم کا اعلان کر دیا، قوم کے سامنے دعوت کی تصریح کر دی، مشرکین کے معبودوں اور ان کے دین کی حقیقت واضح کر دی تو آپؐ اور آپؐ کے ماننے والوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور یہ اصل میں تجدید تھی اس سنت کی جسے کائنات میں اللہ تعالیٰ نے جاری کیا ہے، ارشاد ہے :

مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ (فصلت ــ ۴۳)

آپؐ سے وہی کچھ کہا جائے گا جو پہلے رسولوں سے کہا جا چکا ہے۔

ایک جگہ فرمایا :

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ۔ (انعام۔ ۱۱۲)

اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن بنائے، انسان اور جن کے شیاطین سے۔

ایک جگہ فرمایا :

كَذٰلِكَ مَا اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اسی طرح ان سے پہلے والوں کے پاس بھی جب

مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۔ اَتَوَاصَوْا بِہٖ بَلْ ھُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ (ذاریات ــ ۵۳)

کوئی رسول آیا تو انھوں نے کہا یہ جادوگر ہے یا مجنوں، کیا انھوں نے آپس میں اس کی وصیت کر رکھی ہے، بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی اور بتایا کہ گذشتہ انبیاء کی زندگی میں آپؐ کے لئے نمونہ ہے۔ عام مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ ۔ (آل عمران ــ ۱۴۲)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں (اسی طرح) داخل ہو جاؤ گے۔

اور فرمایا:

الٓمٓ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔ (العنکبوت ــ ۱)

کیا لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ انھیں ایمان کا دعویٰ کرنیکے بعد چھوڑ دیا جائیگا، اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔

اس کے بعد مزید نو آیتوں میں یہی مضمون بیان ہوا ہے۔

بندے کو ان آیتوں کے سیاق پر، ان میں پنہاں عبرتوں پر اور ان میں موجود حکمت کے خزانوں پر غور کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب لوگوں کے پاس رسول آ گئے تو ان کے سامنے صرف دو راستے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ آمنّا کہہ کر ایمان کا اعلان کر دیں، اور دوسری صورت یہ کہ آمنّا نہ کہیں اور برائیوں پر اڑے رہیں۔ اگر کوئی آمنّا کہہ دے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی آزمائش کا سلسلہ جاری ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام ایسے لوگوں کو آزمائے گا تاکہ جھوٹے اور سچے کے مابین امتیاز ہو سکے۔ لیکن جس نے آمنّا نہیں کہا اسے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے دائرہ اختیار سے وہ باہر ہے۔ جو شخص رسولوں پر ایمان لائے گا اسے دشمنوں کی طرف سے مخالفت اور تکلیف کا سامنا ہوگا اور اس

طرح اس کی آزمائش ہو گی، لیکن جو ان کی اطاعت نہیں کرے گا اسے دنیا اور آخرت میں سزا ملے گی۔ اور اسکا مطلب ہے کہ ہر شخص کو تکلیف کا سامنا کرنا ضروری ہے، فرق یہ ہے کہ مومن کو ابتدا میں تکلیف ہو گی پھر دنیا و آخرت دونوں جگہ اچھا نتیجہ سامنے آئے گا۔ اور ایمان سے منہ پھیرنے والے کو شروع میں لذت ملے گی پھر دائمی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا۔ امام شافعی سے پوچھا گیا کہ انسان کے لئے کیا بہتر ہے، قدرت یا آزمائش؟ انھوں نے فرمایا کہ، بغیر آزمائش کسی کو قدرت حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہلے اولوالعزم رسولوں کو آزمایا پھر صبر کے بعد انھیں قدرت سے نوازا اس لئے کسی کو یہ نہیں سوچنا چاہیئے کہ وہ تکلیف سے قطعی طور پر بچ جائیں گے۔ البتہ تکلیف والے عقل میں مختلف ہوتے ہیں، زیادہ عقلمند وہ مانا جائے گا جو بڑی اور دائمی تکلیف کے بدلے معمولی اور عارضی تکلیف کو برداشت کر لے۔

اگر یہ سوال ہو کہ انسان ایسی صورت کیوں پسند کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نقد اور اُدھار کا معاملہ ہے، نفس ہمیشہ سامنے کی چیز پر جاتا ہے:

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ۔ (قیمہ ــ ۲۰-۲۱)	ہرگز نہیں بلکہ تم عجلت والی چیز کو پسند کرتے ہو اور آخرت کی چیز کو چھوڑ دیتے ہو۔

دوسری جگہ فرمایا:

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ۔ (سورۂ دہر ــ ۲۷)	یہ لوگ فوری ملنے والی چیز کو پسند کرتے ہیں۔

اور ایسا ہر شخص کو پیش آتا ہے، اس لئے کہ انسان کو دوسروں کے ساتھ زندگی گذارنا پڑتا ہے، اور وہ اس سے اپنے ارادوں کی موافقت چاہتے ہیں، اور جب وہ ایسا نہیں کرتا تو اسے عذاب اور تکلیف دیتے ہیں، اور اگر وہ ان کی مرضی کا ساتھ دیتا

ہے تو خود عذاب اور تکلیف محسوس کرتا ہے کبھی ان کی طرف سے کبھی دوسروں کی طرف سے، جس طرح کہ کوئی دیندار اور متقی آدمی ظالموں اور فاجروں کے درمیان آ جائے جو اس کی موافقت کے بغیر ظلم و فجور نہ کر سکیں۔ اب اگر وہ موافقت کرے تو ابتداء میں ان کے شر سے محفوظ رہے گا، پھر وہ لوگ اس کے ساتھ توہین و تکلیف کا وہی معاملہ شروع کر دیں گے جس سے بچنے کے لئے اس نے ابتداء میں ان کی موافقت کی تھی، اور اگر توہین کا یہ معاملہ وہ خود نہ کریں گے تو کوئی دوسرا ایسا کرے گا۔

اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ کے اس قول پر عمل کیا جائے جسے انھوں نے حضرت معاویہ سے کہا تھا۔

من ارضی اللہ بسخط الناس کفاہ اللہ مؤنۃ الناس، ومن ارضی الناس بسخط اللہ لم یغنوا عنہ من اللہ شیئًا۔	لوگوں کو ناراض کر کے جو اللہ کو خوش کرے گا اس کی کفایت اللہ تعالیٰ کریگا، اور جو اللہ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرے گا اسے وہ کوئی فائدہ نہیں پہونچا سکتے۔

دنیا کے حالات پر غور کرنے سے ان لوگوں میں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی جو رؤساء اور اہل بدعت کی مدد ان کی سزا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ نفس کے شر سے بچالے گا وہ حرام کی موافقت نہ کر کے ان کے ظلم پر صبر کرے گا اور دنیا و آخرت میں اچھے انجام کا مستحق ہوگا، جیسا کہ انبیاء و رسل اور ان کے متبع علماء اچھے انجام کے مستحق ہوئے۔

چونکہ تکلیف سے پوری طرح چھٹکارا ممکن نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو تسلی دی جنھوں نے دائمی اور بڑی تکلیف کے بدلے میں معمولی اور عارضی تکلیف کو اختیار کیا، چنانچہ ارشاد ہے:

مَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ جو اللہ سے ملنے کی امید رکھے تو اللہ کا مقرر کیا ہوا وقت آنے والا ہے، اور سننے اور جاننے والا ہے۔

(العنکبوت — ۵)

یعنی عارضی تکلیف کا ایک وقت ہے جو اللہ کی ملاقات سے ختم ہو جائے گا۔ اور اس سے بندہ کو بے پایاں لذت حاصل ہوگی، اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کو اس ملاقات کی انتہائی قوی امید دلائی ہے تاکہ اس کے شوق میں بندہ یہاں کی تکلیف کو برداشت کر لے، بلکہ بعض لوگوں کو تو اس کا اشتیاق اتنا شدید ہوتا ہے کہ وہ تکلیف کا احساس ہی نہیں کر پاتے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اس کی ملاقات کے شوق کا سوال کیا، اور یہ شوق بڑی نعمتوں میں سے ہے، لیکن اس نعمت کے لئے بطور سبب کچھ اقوال و اعمال ہیں جن سے اس نعمت کا حصول ہوتا ہے، اور اللہ تعالیٰ اقوال کو سنتا اور اعمال کو جانتا ہے۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس نعمت کا اہل کون ہے، چنانچہ اس کا ارشاد ہے:

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعہ آزمایا۔

(سورۂ انعام — ۵۳)

لہٰذا جب بندہ سے کوئی نعمت فوت ہو جائے تو اسے اپنے لئے یہ آیت پڑھنا چاہئے۔

أَلَيْسَ اللّٰهُ بِأَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ کیا اللہ شکر کرنے والوں کو جانتا نہیں۔

(سورہ انعام — ۵۳)

پھر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ایک دوسری تسلی یہ دی کہ اللہ کی راہ میں انکا جہاد ان کے لئے ہے، ورنہ اللہ دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ اس طرح جہاد کا فائدہ

خود بندوں کو حاصل ہوتا ہے، چنانچہ اسی جہاد اور ایمان کے سبب اللہ تعالیٰ انھیں صالحین کے زمرہ میں داخل کریگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کا حال بتایا جو بغیر بصیرت ایمان قبول کرتا ہے، ایسا شخص لوگوں کی طرف پہونچائی جانے والی تکلیف کو اللہ کے اس عذاب کی طرح سمجھتا ہے جس سے بچنے کے لئے مومن ایمان لاتا ہے، پھر جب اللہ تعالیٰ اپنے لوگوں کی مدد کرتا ہے تو وہ کہنے لگتا ہے کہ میں تو تمہارے ہی ساتھ ہوں، حالانکہ اس کے سینہ میں نفاق چھپا ہوا ہے، اسے اللہ بخوبی جانتا ہے۔

مقصد یہ ہے کہ بتقاضائے حکمت اللہ تعالیٰ لوگوں کا امتحان لیتا ہے، جس سے اچھے اور بُرے کی تمیز ہوتی ہے، کیوں کہ انسانی نفس بنیادی طور پر جاہل وظالم ہے اور اس جہل وظلم کے سبب جو میل پیدا ہوا ہے اس کے تصفیہ کی ضرورت ہے، اگر اس دنیا میں اس کی صفائی ہوجائے تو بہتر ہے، ورنہ پھر وہ جہنم کی بھٹی میں صاف ہوگا، اور جب وہاں پر بندہ کی صفائی مکمل ہوجائیگی تو اسے جنت میں داخل کیا جائیگا۔

۵۵۔ فصل

مومنین کاملین کا بیان

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا تو ہر قبیلہ کے لوگوں نے آپؐ کی دعوت کو قبول کیا، اس میدان میں حضرت ابو بکر صدیق کو اولیت حاصل ہوئی انھوں نے دین کے راستہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی اور لوگوں کو اسلام کیطرف بلایا، حضرت عثمان، طلحہ اور سعد نے ان کی دعوت کو قبول کیا۔

حضرت خدیجہ صدیقہ نے بھی اسلام قبول کرنے میں سبقت دکھائی اور صدیقیت

کی ذمہ داریوں کو برداشت کیا، چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے متعلق ڈر محسوس ہو رہا ہے، تو انھوں نے جواب دیا کہ مطمئن رہئیے، بخدا آپؐ کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرے گا۔ انھوں نے آپؐ کی صفات سے یہ استدلال کیا تھا کہ ان کے حامل کو اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کر سکتا، انھوں نے اپنی طبیعت اور عقل کے کمال سے یہ سمجھ لیا تھا کہ نیک کام اور فاضلانہ اخلاق کو اللہ کی عظمت اور احسان سے مناسبت ہے، اور رسوائی سے ان کا کوئی جوڑ نہیں۔ اسی دانائی کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں میں سے حضرت جبریلؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ انھیں اپنا سلام بھجوایا تھا۔

حضرت علی نے آٹھ ہی سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے، قحط سالی میں چچا کی مدد کے لئے آپؐ نے ان کی کفالت اپنے ذمہ لے لی تھی۔

اوّلین مسلمانوں میں محبوب رسولؐ زید بن حارثہ بھی تھے۔ یہ خدیجہ کے غلام تھے انھوں نے آپؐ کو ہبہ کر دیا تھا۔ زید کے والد اور چچا فدیہ دے کر انھیں آزاد کرانے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپؐ نے فرمایا کہ اس کے علاوہ میں ایک دوسری صورت پیش کرتا ہوں، یعنی زید کو بلا کر انھیں اختیار دے دیا جائے کہ وہ چاہیں تو آپ لوگوں کے ساتھ چلے جائیں اور چاہیں تو میرے پاس رہ جائیں۔ ان لوگوں نے کہا، یہ آپؐ کے احسان و انصاف کا ثبوت ہے، پھر زید کو بلا کر اس اختیار کا حال انھیں بتایا گیا، انھوں نے کہا کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی کو اختیار نہیں کر سکتا ان کے والد اور چچا نے کہا کہ تمہارا برا ہو، آزادی کے مقابلہ میں تم غلامی کو اختیار کر رہے ہو اور اپنے گھر والوں کو چھوڑ رہے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ آپؐ کا جو برتاؤ اور

سلوک میں نے دیکھا ہے اس کے بعد آپؐ پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، یہ دیکھکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں یہ اعلان کر دیا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ زید میرے بیٹے ہیں میں ان کا اور یہ میرے وارث ہوں گے۔ یہ دیکھ کر زید کے باپ اور چچا کو اطمینان ہو گیا اور وہ واپس لوٹ گئے، پھر زید کو زید بن محمد کہہ کر پکارا جانے لگا، پھر جب اسلام اور قرآن میں یہ حکم دیا گیا کہ:

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ — لوگوں کو ان کے باپ کے نام سے پکارا کرو یہ اللہ کی نظر میں زیادہ دُرست بات ہے۔ (سورۃ احزاب — ۵)

تو اس وقت سے لوگ زید بن حارثہ کہنے لگے۔ معمر نے زہری سے روایت کیا ہے کہ زید سے پہلے ہمیں کسی کے اسلام کا علم نہیں۔

ورقہ بن نوفل بھی مسلمان ہو گئے تھے، جامع ترمذی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں خواب میں اچھی حالت میں دیکھا تھا۔

اس طرح لوگ اسلام میں یکے بعد دیگرے داخل ہوتے رہے اور قریش کے لوگ خاموش رہے، لیکن جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان معبودوں کی حقیقت کو واضح کرنا اور ان کے مذہب پر عیب لگانا شروع کر دیا تو وہ لوگ کھل کر آپؐ اور صحابہ کی دشمنی پر اُتر آئے، اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے ذریعہ آپؐ کی حمایت کی جو لوگوں میں شریف ومعظم سمجھے جاتے تھے۔ یہ اللہ احکم الحاکمین کی حکمت کا تقاضہ تھا کہ ابوطالب اپنے مذہب پر باقی رہیں، اس کے فوائد غور کرنے سے ظاہر ہو سکتے ہیں۔

صحابہ میں جن کے خاندان اور گھرانے تھے وہ دشمنی اور ایذا سے محفوظ رہے، لیکن جن کا اس طرح کا کوئی سہارا نہیں تھا انھیں طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی

پڑیں ظلم و جور کا نشانہ بننے والوں میں حضرت عمارؓ ان کی ماں اور ان کے گھر والے بھی تھے، انھیں اسلام قبول کرنے سے سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑا، جب انھیں ستایا جاتا اور حضورؐ ادھر سے گذرتے تو فرماتے کہ:

صبرًا یا آل یاسر، فانّ موعدکم الجنّۃ۔ — آل یاسر، صبر کرو، تمہارا ٹھکانہ جنت ہے۔

ستائے جانے والوں میں حضرت بلالؓ بھی تھے، لوگ بے خطر ان کو ستاتے تھے، انہیں بھی اپنی جان کی کچھ پروا نہ تھی، جب تکلیف بڑھتی تو احد احد پکارتے تھے ورقہ بن نوفل ایسی حالت میں ان کے پاس سے گذرتے تو کہتے، ہاں اے بلال، احد احد، بخدا اگر تم انھیں مار ڈالو گے تو میں ان کی قبر کو رحمت و برکت الٰہی کے نزول کی جگہ سمجھ لوں گا۔

جب ایذا رسانی کا سلسلہ بہت سخت ہو گیا اور کچھ لوگ اس کے سبب سے فتنہ کا شکار ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملک حبشہ کو ہجرت کی اجازت دی۔ ہجرت کر کے وہاں جانے والوں میں اوّلین لوگ یہ تھے، حضرت عثمانؓ، ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے لوگ جن سب کی تعداد سولہ تھی، ۱۲ مرد اور ۴ عورتیں یہ لوگ مکہ سے خفیہ طور پر نکلے اور جب سمندر کے ساحل پر پہونچے تو اتفاق سے انھیں دو کشتیاں مل گئیں، جن پر یہ لوگ سوار ہو گئے۔ ان کی روانگی بعثت کے پانچویں سال ماہ رجب میں ہوئی تھی۔ ان کے تعاقب کے لئے مشرکین بھی نکلے، لیکن ساحل پر پہونچنے تک یہ لوگ روانہ ہو چکے تھے۔ ان مہاجرین کو بعد میں یہ معلوم ہوا کہ قریش کے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے سے باز آ گئے ہیں، یہ سن کر وہ لوگ لوٹ پڑے، مکہ سے ایک گھڑی برابر مسافت پر انھیں معلوم ہوا کہ مشرکین کی ایذا رسانی

اپنے شباب پر ہے، اس لئے جو لوگ مکہ میں داخل ہوئے کسی کی حمایت حاصل کرنے کے بعد ہی داخل ہوئے یا پھر چھُپ کر۔ اسی وقت حضرت ابن مسعود بھی داخل ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپؐ نماز میں تھے، اس لئے جواب نہیں دیا، یہی صحیح ہے، ابن اسحٰق نے یہی لکھا ہے۔ ان کا یہ بھی بیان ہے کہ حبشہ ہجرت کرنے والوں کو یہ معلوم ہوا تھا کہ اہل مکہ مسلمان ہوگئے ہیں، یہ سُن کر وہ واپس لوٹے، لیکن جب مکہ سے قریب پہونچے تو انھیں معلوم ہوا کہ پہلی خبر غلط تھی، پھر حمایت کے سہارے یا خفیہ طور پر وہ مکہ میں داخل ہوئے۔ واپس آنے والوں میں ابن مسعود بھی تھے، جو مدینہ ہجرت تک مکہ ہی میں مقیم رہے، پھر بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ رہی زید بن ارقم کی حدیث (جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں بات چیت ممانعت مدینہ کا واقعہ ہے) تو اس کا جواب دو طرح سے کیا گیا ہے۔

اول یہ کہ ممانعت مکہ میں ہوتی تھی، پھر مدینہ میں اجازت ہوگئی تھی اور اس کے بعد منع کیا گیا۔

دوم یہ کہ زید چھوٹے صحابیوں میں سے تھے، یہ اور دوسرے ساتھی اپنی عادت کے مطابق نماز میں بولتے تھے کیوں کہ انھیں ممانعت کا علم نہ تھا، پھر جب علم ہوا تو انھوں نے بھی بات چیت بند کر دی۔

پھر جب حبشہ سے واپس آنے والوں اور دوسرے مسلمانوں کی ایذا رسانی کا سلسلہ مزید سخت ہوگیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ حبشہ کو ہجرت کی اجازت دی۔ دوسری ہجرت سے مشرکوں کو دھکہ سا لگا، انھوں نے ایذا رسانی کا سلسلہ اور تیز کر دیا، جب انھیں یہ علم ہوا کہ مسلمانوں کی نجاشی کے دربار میں پذیرائی اور تکریم ہوتی ہے۔ تو اس سے وہ بہت جزبز ہوئے۔

دوسری ہجرت میں مردوں کی تعداد ۸۳ اور عورتوں کی ۱۹ تھی، ان میں حضرت عثمان اور کچھ دوسرے بدری صحابہ کا بھی نام لیا جاتا ہے، لیکن یہ وہم ہے، یا پھر یہ کہا جائے کہ وہ بدر سے پہلے ایک بار اور آئے تھے، اس طرح ان کی تین واپسی ہو جائے گی، اسی وجہ سے ابن سعد نے کہا ہے کہ، ان لوگوں نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر سنی تو ان میں سے ۳۳ مرد اور آٹھ عورتیں واپس آگئیں، جن میں دو مرد مکہ ہی میں فوت ہو گئے اور سات مکہ ہی میں پھنسے رہے، اور ۲۴ بدر میں شریک ہوئے۔
ماہ ربیع الاول ۷ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کے پاس خط لکھا اور انہیں اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ اگر میں آپؐ سے مل سکتا تو ضرور ملتا۔ آپؐ نے یہ بھی لکھا تھا کہ ام حبیبہ کو آپؐ کی زوجیت میں دیدے۔ یہ اپنے شوہر عبداللہ بن جحش کے ساتھ ہجرت کر کے حبشہ گئی تھیں، اس نے وہاں عیسائی مذہب قبول کر لیا اور اسی مذہب پر فوت ہو گیا۔ آپؐ کے خط کے بعد نجاشی نے انھیں آپؐ کی زوجیت میں دیدیا اور آپؐ کی طرف سے چار سو دینار کا مہر دیا، خالد بن سعید بن العاصؓ اس نکاح کے ولی تھے۔ آپؐ نے نجاشی کے پاس یہ بھی لکھا تھا کہ وہاں جو صحابہ باقی رہ گئے ہیں انھیں سواری کا انتظام کر کے بھیجدے۔ نجاشی نے عمرو بن امیہ کے ساتھ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط لے کر آئے تھے، تمام لوگوں کو دو کشتیوں میں بھیج دیا، یہ لوگ جب خیبر میں پہونچے تو وہ فتح ہو چکا تھا۔ اس طرح وہ اشکال بھی دور ہو جاتا ہے جو ابن مسعود اور زید بن ارقم کی حدیثوں کے مابین نظر آتا ہے، اور یہ مانا جائے گا کہ نماز میں بات چیت کی ممانعت مدینہ میں اتری تھی۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ تطبیق اچھی ہے، لیکن ابن اسحاق کے اس بیان کا کیا جواب ہوگا جس میں یہ وضاحت ہے کہ ابن مسعود مکہ میں مقیم تھے؛ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ ابن سعد نے یہ ذکر کیا ہے کہ وہ

مکہ میں تھوڑے دنوں مقیم تھے پھر حبشہ واپس چلے گئے، یہی زیادہ ظاہر ہے، کیونکہ مکہ میں ان کا کوئی حامی نہ تھا، اس توجیہ میں جو بات ہے وہ ابن اسحاق پر واضح نہیں ہو سکی۔ ابن اسحاق نے روایت کو بیان کرنے والوں کا نام نہیں لیا ہے، لیکن ابن سعد نے اسے مطلب بن عبداللہ بن حنطب کی طرف منسوب کیا ہے، اس طرح دونوں روایتوں کا اشکال دور ہو جائے گا اور صحیح مفہوم واضح ہو جائے گا، والحمد للہ۔

ابن اسحاق نے اس ہجرت میں ابو موسیٰ اشعری کا نام بھی لیا ہے، لیکن واقدی وغیرہ نے اس کی تردید کی ہے اور کہا ہے کہ کس طرح یہ بات ابن اسحاق سے مخفی رہ گئی؟ میری توجیہ یہ ہے کہ یہ بات مخفی نہیں تھی، لیکن مذکورہ وہم اس طرح پیدا ہوا کہ ابو موسیٰ یمن سے ہجرت کر کے جعفر اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ حبشہ چلے گئے اور انھیں کیساتھ واپس آئے، اسی کو ابن اسحاق نے ان کی ہجرت شمار کر لیا، لیکن انھوں نے یہ نہیں کہا کہ وہ مکہ سے ہجرت کر کے گئے تھے کہ ان کی تردید کیجائے۔

۵۶۔ فصل

شعب ابوطالب اور واقعۂ طائف کا بیان

نجاشی کے پاس جو مسلمان گئے تھے سکون کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن قریش نے ان کو واپس لانے کے لئے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص کو تحائف دے کر نجاشی کے پاس بھیجا، ان لوگوں نے وہاں کے بڑے پادریوں سے سفارش بھی کرائی، لیکن نجاشی نے انکار کر دیا، پھر ان لوگوں نے یہ ریشہ دوانی اور افترا پردازی کی کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بندہ بتلاتے ہیں، نجاشی نے یہ سن کر مسلمانوں کو دربار

میں طلب کیا، حضرت جعفر بن ابی طالب آگے آگے تھے، جب یہ لوگ داخل ہونے لگے تو حضرت جعفر نے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا کہ، اللہ کی جماعت آپ سے اجازت چاہتی ہے، نجاشی نے اجازت دینے والے سے کہا کہ، کہو پھر یہ الفاظ دہرائیں، حضرت جعفر نے دہرایا، جب اجازت ملی اور اندر داخل ہوتے تو نجاشی نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ حضرت جعفر نے سورہ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ نجاشی نے زمین سے ایک لکڑی اٹھا کر کہا کہ، بخدا حضرت عیسیٰ ان کے کہے ہوئے سے اس لکڑی برابر بھی زیادہ نہ تھے، پادریوں نے اس پر حیرت کا اظہار کیا، نجاشی نے کہا تم جو بھی کہو میرا کہنا بجا ہے، پھر مسلمانوں سے کہا کہ جاؤ تم میرے ملک میں آزاد ہو، تم کو جو بُرا بھلا کہے گا اسے جُرمانہ دینا ہوگا، نجاشی نے قریش کی سفیروں سے کہا کہ اگر تم مجھے سونے کا پہاڑ بھی دو گے تو میں انھیں تمہارے حوالے نہ کروں گا، یہ کہہ کر ان کے تحائف واپس کر دیتے اور وہ لوگ ذلت کے ساتھ واپس آ گئے۔

پھر حضرت حمزہ اور دوسرے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے اور قریش نے یہ محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مضبوط ہو رہی ہے اور ان کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں، یہ دیکھ کر انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف ایک معاہدہ کیا جس میں یہ وضاحت تھی کہ کوئی ان سے خرید و فروخت، شادی بیاہ ربط ضبط، یا بات چیت نہیں کرے گا، تا وقتیکہ یہ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالہ نہ کر دیں، اس مضمون کا ایک نوشتہ خانہ کعبہ کی چھت میں لٹکا دیا گیا، اسے بغیض بن عامر بن ہاشم نے لکھا تھا، اس کے حق میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بد دعا کی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ اس معاہدہ کی رو سے ابو لہب کو چھوڑ کر بنو ہاشم اور

بنو مطلب کے تمام افراد کا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، بائیکاٹ ہوا تھا۔ یہ سب لوگ شعب ابی طالب میں محصور ہو گئے، ابولہب اس سازش میں قریش کے ساتھ تھا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال پیش آیا تھا، تمام لوگ تقریباً تین سال تک تنگی و دشواری میں پھنسے تھے، مصیبت کا یہ عالم تھا کہ بچوں کے گریہ وزاری کی آواز گھاٹی کے باہر سے سُنائی دیتی تھی۔

اسی دردناک واقعہ سے متعلق ابوطالب نے اپنا لامیہ قصیدہ کہا تھا۔ قریش میں کچھ لوگ اس بائیکاٹ کے حق میں تھے اور کچھ مخالف۔ مخالف لوگوں نے یہ کوشش کی کہ یہ معاہدہ توڑ دیا جائے، اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باخبر کیا کہ معاہدہ کے نوشتہ میں دیمک لگ گئی ہے، اور اس نے اللہ تعالیٰ کے نام کو چھوڑ کر ظلم اور بائیکاٹ والے تمام الفاظ کو کھا لیا ہے۔ آپؐ نے اپنے چچا کو اس کی خبر دی، انھوں نے جا کر قریش کو بتایا اور کہا کہ اگر میرے بھتیجے کی یہ بات غلط ثابت ہو جائے گی تو ہم تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے، اور اگر ان کی خبر صحیح ثابت ہو جائے گی تو تمہیں رجوع کرنا پڑیگا۔ ان لوگوں نے کہا کہ، آپ ٹھیک کہتے ہیں، پھر اس نوشتہ کو اُتار کر دیکھا تو درحقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد صحیح ثابت ہوا لیکن اس سے ان کے کفر و عناد میں اور اضافہ ہو گیا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی گھاٹی سے باہر نکلے، اس کے چھ ماہ بعد آپؐ کے چچا ابوطالب کا اور ان کے تین دن بعد حضرت خدیجہ کا انتقال ہو گیا، جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت قلق ہوا، اس عرصہ میں قوم کے اوباش لوگوں کی طرف سے آپؐ کی ایذا رسانی کا سلسلہ بھی سخت ہو تا گیا، آپؐ مدد کی امید میں طائف گئے اور وہاں کے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی، لیکن وہاں پر آپؐ کا کوئی حامی

ومددگار نہیں نکلا، بلکہ ان لوگوں نے آپؐ کو سخت تکلیف پہونچائی اور اس باب میں قریش سے بھی آگے بڑھ گئے۔ اس سفر میں آپؐ کے ساتھ زید بن حارثہ بھی تھے، آپؐ نے طائف میں دس دن تک قیام فرمایا اور وہاں کے اشراف میں ایک ایک سے بات کی، مگر ان لوگوں نے جواب دیا کہ آپؐ ہمارے شہر سے چلے جائیں، پھر اوباشوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دیا جو آپؐ پر پتھر پھینکتے تھے جس سے آپؐ کے دونوں پیر زخمی ہو گئے، حضرت زید آپؐ کو بچانے کی کوشش میں خود شدید زخمی ہو گئے، اس کے بعد آپؐ حزن و یاس کے عالم میں مکہ تشریف لائے۔

لوٹتے ہوئے آپؐ نے مشہور دعا کی:

اللّٰھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلۃ حیلتی و ھوانی علی الناس — اے اللہ میں اپنی کمزوری، بے سروسامانی، اور لوگوں کی نظر میں بے وقعتی کا تجھ سے شکوہ کرتا ہوں۔

اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے پاس پہاڑ کے فرشتہ کو بھیجا جس نے آکر پوچھا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں مکہ کو اس کے اردگرد کے دونوں پہاڑوں کے بیچ دبا دوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کے معاملہ میں اس امید پر توقف کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی نسل پیدا کرے گا جو اس کی عبادت کرے گی اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے گی۔

واپسی میں آپؐ مقام نخلہ میں پہونچے تو ٹھہر کر نماز پڑھنے لگے، رات کا وقت تھا، اللہ تعالیٰ نے جنوں کی ایک جماعت کو آپؐ کے پاس بھیجا جو آپؐ کی قرأت سن رہے تھے، آپؐ کو اس کی خبر اس وقت ہوئی جب یہ آیت نازل ہوئی:

واذ صرفنا الیک نفرا من الجن — اور جب ہم نے آپؐ کے پاس چند جنوں کو بھیجا۔

(سورۃ احقاف — ٢٩)

آپؐ نے چند روز یہیں قیام فرمایا، حضرت زید نے آپؐ سے کہا کہ قریش کے پاس آپؐ کس طرح جائیں گے جب کہ انھوں نے آپ کو نکال دیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ، زیدؓ جو مصیبت تم دیکھ رہے ہو اسے اللہ تعالیٰ ضرور دور کر دے گا، وہ اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبی کو غالب بنائے گا۔

جب آپؐ مکہ پہونچے تو قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی مطعم بن عدی کے پاس آدمی بھیج کر پوچھا کہ کیا میں تمہاری پناہ میں داخل ہو سکتا ہوں؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ پھر اپنی اولاد اور قبیلہ کے لوگوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار لگا کر بیت اللہ کے ارکان کے پاس کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ میں نے محمدؐ کو پناہ دی ہے۔

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ کے ساتھ داخل ہوئے اور مسجد حرام کے پاس پہونچے، مطعم نے اپنی سواری پر کھڑے ہو کر پکارا کہ، اے قریش کے لوگو، میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے، اس لئے تم میں سے کوئی بھی ان کی ہجو نہ کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکن کے پاس پہونچے تو اس کو چھوا اور دو رکعت نماز ادا کی پھر گھر تشریف لے گئے۔ مطعم اور اس کے بیٹے ہتھیار پہنے ہوئے گھر تک آپؐ کے ساتھ گئے۔

۵۷۔ فصل

واقعۂ معراج کا بیان

پھر آپؐ کو صحیح قول کے مطابق مع جسم شریف مسجد حرام سے بیت المقدس

تک براق پر حضرت جبریل کے ساتھ سیر کرائی گئی، وہاں پر اتر کر آپؐ نے تمام انبیاء کی امامت کی اور براق کو مسجد کے دروازہ کی ایک زنجیر سے باندھ دیا۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ آپؐ بیت لحم میں اترے تھے، لیکن یہ بالکل صحیح نہیں ہے۔ پھر اسی وقت آپؐ بیت المقدس سے پہلے آسمان پر تشریف لے گئے، جبریل نے دروازہ کھلوایا، اندر جا کر آپؐ نے ابوالبشر حضرت آدم سے ملاقات کی، ان سے سلام کیا، انھوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا، اللہ نے آپؐ کو دکھایا کہ ان کی اولاد میں نیک لوگوں کی روحیں ان کے دائیں اور بُرے لوگوں کی بائیں ہیں۔

پھر آپؐ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا، جہاں آپؐ نے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام سے ملاقات کی۔ پھر تیسرے آسمان پر حضرت یوسف کو، چوتھے پر حضرت ادریس کو، پانچویں پر حضرت ہارون کو اور چھٹے پر حضرت موسیٰ کو دیکھا۔ حضرت موسیٰ سے آگے بڑھے تو وہ رونے لگے، پوچھا گیا، کیوں روتے ہیں؟ موسیٰ نے جواب دیا کہ اس لئے رو رہا ہوں کہ ایک لڑکا میرے بعد نبی بنایا گیا اور میری امت سے زیادہ اس کی امت کے لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔ ساتویں آسمان پر آپؐ کی ملاقات حضرت ابراہیم سے ہوئی، پھر سدرۃ المنتہیٰ اور بیت معمور آپؐ کے لئے اُٹھا دیا گیا اور اللہ جل جلالہٗ تک آپؐ کو چڑھایا گیا اور اللہ تعالیٰ سے دو کمان برابر فاصلہ پر آپؐ تھے، پھر اُس نے آپؐ کی طرف وحی بھیجی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی معراج میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کی گئی تھیں آپؐ واپسی میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گذرے تو انھوں نے پوچھا کہ آپؐ کو کیا حکم ملا؟ آپؐ نے فرمایا کہ، پچاس وقت کی نمازوں کا۔ حضرت موسیٰ نے کہا کہ آپؐ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی، اس لئے آپؐ لوٹ جائیے اور امت کے لئے تخفیف

کا سوال کیجئے۔ یہ سُن کر آپؐ بطورِ مشورہ حضرت جبریل کی جانب متوجہ ہوئے، انھوں نے کہا کہ ہاں اگر آپؐ چاہیں تو لوٹ جائیے۔ پھر جبریل آپؐ کو لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس پہونچے، یہ صحیح بخاری کی حدیث ہے۔

بعض روایتوں میں یہ وارد ہے کہ دس نمازیں کم کر دی گئیں، پھر آپؐ اتر کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور انھیں اس کی خبر دی، انھوں نے آپؐ سے پھر واپس جانے اور تخفیف کا سوال کرنے کے لئے کہا، ان کے کہنے سے آپؐ متعدد بار گئے اور ہر مرتبہ کچھ نہ کچھ تخفیف ہوئی، یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ نے اس کے بعد بھی واپس جانے اور مزید تخفیف طلب کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اپنے رب سے شرم محسوس ہو رہی ہے، میں اسی پر راضی و تابع ہوں۔ جب آپؐ کچھ دُور ہوئے تو ندا آئی کہ، میں نے اپنے فرض کو جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

صحابہ کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ آپؐ نے اس رات اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا یا نہیں۔ حضرت ابن عباس سے ثابت ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا، اور یہ بھی انہیں سے ثابت ہے کہ دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔ حضرت عائشہ اور ابن مسعودؓ سے اس کا انکار مروی ہے، ان کا یہ کہنا ہے کہ آپؐ نے جبریل کو دیکھا تھا۔ حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا؟ آپؐ نے فرمایا کہ میرے اور اللہ کے دیکھنے کے بیچ نور حائل تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا تھا۔ امام دارمی نے اس بات پر صحابہ کا اتفاق نقل کیا ہے کہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تھا۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس کا مذکورہ قول اس کے مخالف نہیں

ہے، چنانچہ آپؐ سے یہ فرمانا ثابت ہے کہ "میں نے اپنے رب کو دیکھا تھا" لیکن یہ مدینہ میں خواب کا واقعہ ہے۔ اسی بنیاد پر امام احمد نے کہا کہ، ہاں، آپؐ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا تھا، کیوں کہ انبیاء کے خواب برحق ہوتے ہیں، لیکن انھوں نے یہ نہیں کہا کہ آپؐ نے بیداری میں دیکھا، بلکہ ایک مرتبہ کہا کہ دیکھا۔ اور ایک مرتبہ کہا کہ دل سے دیکھا۔ ان کے بعض شاگردوں میں روایت میں تصرف کر کے یہ کہہ دیا کہ آپؐ نے سر کی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ لیکن امام احمد کی موجودہ عبارتوں میں ایسی عبارت کا وجود نہیں، رہا ابن عباس کا یہ قول کہ دل سے دو مرتبہ دیکھا تھا، تو یہ اس بنا پر کہ ایک آیت میں ہے:

ماکذب الفؤاد ما رأی — جو کچھ اس نے ملاحظہ کیا اسے دل نے جھوٹ نہ سمجھا

پھر فرمایا:

ولقد رآہ نزلۃ اخری — حالانکہ اس نے ایک بار اور اسے دیکھا۔

بظاہر ان کا اس سے استدلال ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ اس میں جبریل کا ذکر ہے، آپؐ نے انھیں ان کی صورت میں دو مرتبہ دیکھا تھا، اور ابن عباس کا مذکورہ قول ہی امام احمد کے اس قول کی دلیل ہے کہ، آپؐ نے دل کی آنکھ سے دیکھا تھا۔

اور اللہ تعالیٰ کے قول، ثم دنیٰ فتدلیٰ کا تعلق واقعہ معراج والے دُنُو اور تَدَلّیٰ سے نہیں ہے، کیونکہ قرآن میں دنی فتدلی سے حضرت جبریل مُراد ہیں، جیسا کہ حضرت عائشہ اور ابن مسعود کا قول ہے، نیز کلام کے سیاق سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، کیوں کہ وہاں یہ بھی مذکور ہے کہ:

عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی۔الخ — انکو ایک طاقت ور فرشتہ سکھاتا ہے۔

اور حدیث میں جس دنو وتدلی (قرب اور جھکاؤ) کا ذکر ہے اس سے صراحت

کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور تدلی مُراد ہے۔

صبح کو جب آپؐ نے اپنی قوم کو اس کی خبر دی تو انھوں نے اور زیادہ سختی سے آپؐ کی تکذیب کی اور آپؐ سے مطالبہ کیا کہ بیت المقدس کا نقشہ بتائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آپؐ کے سامنے کر دیا اور آپؐ بتانے لگے، آپؐ کی کسی بات کو وہ رَد نہیں کر سکے۔ آپؐ نے ان کے قافلہ کے سفر اور واپسی کی خبر بھی دی اور یہ کہ کس وقت وہ آئے گا اور کون سا اونٹ آگے ہوگا۔ واقعہ آپؐ کی خبر کے عین مطابق ہوا، لیکن اس سے ان کی نفرت میں اضافہ ہی ہوا۔

ابن اسحاق نے حضرت عائشہ اور معاویہ سے نقل کیا ہے کہ معراج روحانی تھی یہاں مناسب ہے کہ معراج بحالت خواب اور معراج روحانی کے باہمی فرق کو سمجھا جائے ان دونوں حالتوں میں بہت بڑا فرق ہے، کیوں کہ خواب میں جو کچھ نظر آتا ہے وہ کبھی کبھی معلوم کی مثال ہوتی ہے جسے محسوس صورت میں پیش کیا جاتا ہے، سونے والا یہ دیکھتا ہے کہ اسے آسمان کی طرف چڑھایا گیا یا مکہ لے جایا گیا، حالانکہ اس کی روح چڑھتی نہیں، نہ وہ جاتا ہے، بلکہ خواب کا فرشتہ اس کے لئے ایک تمثیل پیش کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ معراج روحانی کے قائل ہیں ان کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خواب تھا، بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ روح کو حقیقتہً لیجایا جاتا ہے اور وہ وہی کام کرتی ہے جو جسم سے بذریعہ موت جُدا ہونے کے بعد کرتی ہے۔ لیکن چوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرق عادت کے مقام پر تھے چنانچہ زندگی کی حالت میں آپؐ کا شکم چاک کیا گیا اور آپؐ کو اس کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، اس لئے آپؐ کی رُوح کو بغیر موت آسمان کی سیر کرائی گئی، لیکن دوسرے لوگوں کے حق میں یہ کام موت کے بغیر ممکن نہیں، چنانچہ انبیاء کی روحیں بدن سے جُدا ہو کر آسمان میں ہیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی

روح زندگی کی حالت میں ہی وہاں لے جائی گئی پھر واپس آگئی اور وفات کے بعد انبیاء کی روحوں کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں مستقر ہو گئی، لیکن اس کے باوجود جسم سے اس کا ایک طرح کا تعلق ہے جس سے آپؐ سلام کا جواب دیتے ہیں، اور جس سے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے ہوئے اور آسمان پر دیکھا تھا۔

کیوں کہ یہ معلوم ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو قبر سے اُٹھا کر لیجایا نہیں گیا تھا، بلکہ ان کی روح کا وہ مستقر تھا، اور قبر بدن کا مستقر ہے۔ اگر کسی کے ادراک میں یہ بات نہ آسکے تو وہ سورج پر غور کرے کہ وہ اپنی اونچائی کے باوجود زمین میں اور نباتات وحیوانات کی زندگی میں اثر انداز ہوتا ہے، اور روح کا مرتبہ تو اس سے بھی بالا ہے۔

ابن عبدالبر کا قول ہے کہ "معراج اور ہجرت کے مابین ایک سال دو مہینہ کا وقفہ تھا" اور معراج ایک بار ہوئی تھی، بعض لوگوں کا قول ہے کہ دو بار ہوئی تھی، ایک بار بیداری میں اور ایک بار خواب میں۔ بعض لوگ تین بار کے قائل ہیں، لیکن یہ سب تخمینہ ہے، ایسا ظاہری لوگ کرتے ہیں۔ ائمہ روایت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ معراج صرف ایک بار ہوئی۔ بعید تعجب ہے کہ ایک سے زائد بار کے قائل حضرات نے کس طرح یہ سوچ لیا کہ ہر مرتبہ آپؐ پر پچاس وقت کی نماز پیش کیجاتی رہی۔

حفاظ حدیث نے معراج کی حدیث کے الفاظ کے بارے میں شریک کی تغلیط کی ہے، اور مسلم نے اس حدیث کو مستند ذکر کر کے کہا ہے کہ اس نے اس میں تقدیم وتاخیر اور کمی وزیادتی کر دی اور پوری حدیث بھی بیان نہیں کی ہے، امام مسلم کا یہ قول بہت اچھا ہے۔

۵۸۔ فصل

ہجرت کے بیان میں

(جس سے اللہ تعالیٰ کے دوست و دشمن میں امتیاز اور اسلام و نبی اسلام کی نصرت کا آغاز ہوا)

امام ترمذی نے بروایت محمد بن صالح عن عاصم بن عمران بن قتادہ ویزید بن رومان وغیرہما بیان کیا ہے کہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی تین سال خفیہ طور پر کام کرتے رہے، پھر چوتھے سال آپؐ نے اس کا اعلان کیا اور دس سال تک لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، موسم حج میں ہر سال آپؐ حاجیوں سے ان کے خیموں میں ملتے، اسی طرح عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازاروں میں تشریف لیجاتے اور اسلام کی دعوت کے ساتھ ہی یہ مطالبہ کرتے کہ لوگ آپؐ کو اپنی حمایت میں لے لیں تاکہ آپؐ اسلام کا پیغام اچھی طرح لوگوں تک پہونچا سکیں اور اس کے بدلہ میں انھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جنت ملے۔ لیکن آپؐ کو کوئی مددگار نہیں ملتا نہ کوئی آپؐ کی دعوت کو قبول کرتا پھر آپؐ ایک ایک قبیلہ کی اقامت گاہ پر جاتے اور فرماتے:

یا ایھا الناس، قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا وتملکوا بھا العرب، و تدین لکم بھا العجم، واذا امنتم کنتم ملوکا فی الجنۃ۔	اے لوگو، لا الٰہ الا اللہ کہو تو کامیاب رہو گے اور عرب قوم کے حاکم بن جاؤ گے اور اس کلمہ کے سبب عجم کے لوگ تمہارے تابع بن جائیں گے اور تم جب ایمان لاؤ گے تو جنت میں بادشاہ بن جاؤ گے۔

آپؐ کے پیچھے ابولہب یہ کہتا جاتا تھا کہ، لوگو، ان کی بات نہ سنو، یہ اپنے مذہب کے باغی اور جھوٹے ہیں۔ اس کی وجہ سے لوگ بُری طرح آپؐ کی تردید کرتے، تکلیف پہونچاتے اور یہ کہتے کہ آپؐ کا قبیلہ آپ کو اچھی طرح جانتا ہے اور کسی سبب سے ہی وہ آپؐ کی بات نہیں مانتا۔ مگر آپؐ اللہ کی دعوت برابر پیش کرتے اور فرماتے کہ، اے اللہ اگر تو چاہتا تو یہ لوگ ایسا نہ کرتے۔ جن قبائل کے سامنے آپؐ نے خود کو پیش کیا ان میں ذیل کے قبیلوں کا نام لیا جاتا ہے۔ بنو عامر بن صعصعۃ، محارب بن خصفۃ، فزارۃ، غسان مرۃ، حنیفۃ، سُلیم، عبس، بنو نضر، بنو البکا، کندۃ، کلب، حارث بن کعب، عذرۃ اور الحضارمۃ، لیکن ان میں سے کسی نے آپؐ کی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔

آپؐ کے حق میں اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ قبیلۂ اوس و خزرج کے لوگ مدینہ کے یہودی حلیفوں سے سنتے آئے تھے کہ اس زمانہ میں ایک نبی پیدا ہوگا جس کی ہم پیروی کریں گے اور اس کے ساتھ ہو کر تمہیں عاد و ارم کی طرح قتل کریں گے۔ انصار کے لوگ عربوں کی طرح حج کے لئے بھی آتے تھے، لیکن یہودی حج نہ کرتے تھے۔ انصار نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ لوگوں کو اللہ کی دعوت دیتے ہیں، اور اسی کیسا تھ آپؐ کے حالات پر غور کیا تو آپس میں کہنے لگے کہ، لوگو، بخدا یہ وہی نبی ہیں جن کے سہارے یہود تمہیں دھمکی دیا کرتے تھے، اس لئے ان کے بارے میں تم سے وہ بازی نہ لیجائیں۔ جب قبیلہ اوس کے سوید بن صامت مکہ آئے تو انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت پیش کی، لیکن انھوں نے قبول نہیں کیا، پھر انس بن رافع، بنو عبد الاشہل کے کچھ نوجوانوں کے ساتھ معاہدہ کی طلب میں مکہ آئے تو انھیں آپؐ نے دعوت دی۔ ایک نوجوان ایاس بن معاذ نے کہا کہ، لوگو، ہم جس معاہدہ کی طلب میں آئے ہیں اُس سے بہتر یہ دعوت ہے، لیکن انس نے نہیں

مارا اور جھڑک کر خاموش کر دیا۔ ان لوگوں کا معاہدہ والا مقصد پورا نہ ہو سکا اس لئے یہ سب مدینہ واپس چلے گئے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم موسم حج میں عقبہ کے پاس انصار کے چھ آدمیوں سے ملے جن کا تعلق قبیلۂ خزرج سے تھا، ان کے نام یہ ہیں، اسعد بن زرارۃ، جابر بن عبد اللہ عوف بن حارث، رافع بن مالک، قطبہ بن عامر اور عقبہ بن عامر۔ آپؐ نے ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی اور یہ مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آئندہ سال کل بارہ آدمی مکہ آئے، جن میں جابر کے علاوہ چھ اشخاص وہی تھے جو پہلے آ چکے تھے اور ان کے علاوہ عوف کے بھائی معاذ بن حارث، ذکوان بن عبد قیس (جو ہجرت تک مکہ ہی میں مقیم رہے، اور انصاری مہاجر کہلائے) عبادۃ بن صامت، یزید بن ثعلبۃ، ابو الہیثم بن تیہان اور عمویر بن مالک۔

ابو زبیر نے جابر سے روایت کیا کہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم دس سال تک موسم حج اور مجنہ وعکاظ کے بازاروں میں لوگوں کے خیموں کے اندر یہ سوال کرتے تھے، کہ کون ہے جو اللہ کا پیغام پہونچانے کے لئے مجھے جگہ دے اور میری مدد کرے اور اس کے عوض اللہ تعالیٰ کے یہاں جنت حاصل کرے؟ لیکن کسی طرف سے آپؐ کو کوئی آدمی ایسا نہ ملتا، بلکہ حال یہ تھا کہ مصر یا یمن سے کوئی آدمی اپنے رشتہ دار سے ملنے مکہ آتا تو لوگ اسے خبردار کر دیتے کہ قریش کے نوجوان سے بچ کر رہنا۔ آپؐ لوگوں میں جا کر دین کی دعوت دیتے تو لوگ انگشت نمائی کرتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں (انصار کو) یثرب سے بھیجا۔ ہم میں سے لوگ آپؐ کے پاس آتے، ایمان لانے کے بعد قرآن سیکھ کر واپس جاتے تو اپنے گھر والوں کو مسلمان بناتے۔ پھر ہم نے اکٹھا ہو کر سوچا کہ آخر کب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی پہاڑیوں پر دربدر رہیں گے

یہ سوچ کر ہم حج کے موقع پر مکہ آئے اور بیعت عقبہ کی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ، میں یثرب والوں کو جانتا ہوں لیکن ان لوگوں سے میری واقفیت نہیں کہ کون ہیں؟ پھر ہم میں سے ایک دو آدمی ان کے پاس گئے، ہماری شکل دیکھ کر انھوں نے کہا کہ ہم انہیں پہچانتے ہیں، یہ نوجوان لوگ ہیں۔ اس کے بعد ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم کس چیز پر آپؐ سے بیعت کریں؟ آپؐ نے فرمایا کہ سستی و چستی میں سمع وطاعت پر، تنگی و آسانی میں خرچ پر، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر، ملامت کی پرواہ کئے بغیر حقوق اللہ کی ادائیگی پر، اور اس بات پر کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میری مدد کرو، اور جس طرح تم اپنی جان اور اپنے اہل و عیال کی حفاظت و مدافعت کرتے ہو اسی طرح میری مدافعت کرو، اور اس کے بدلہ تمہیں جنت ملے گی۔ جب ہم بیعت کے لئے کھڑے ہوئے تو اسعد بن زرارہ نے جو ان میں سب سے چھوٹی عمر کے تھے، آپؐ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ، اہل یثرب ٹھہرو، ہم آپؐ کے پاس اونٹوں پر سوار ہو کر یہ جاننے کے بعد آئے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، اور آج آپؐ کو نکالنے کا معنی پورے عرب کی جُدائی اور تلواروں کو دعوت دینا ہے، اس لئے اگر تم اس پر صبر کر سکتے ہو تو آپؐ کو لے چلو، اللہ تمہیں اجر دے گا، اور اگر تمہیں اپنی جان کا خوف ہو تو پھر آپؐ کو چھوڑ دو، آپؐ اللہ کے یہاں تمہیں معذور سمجھیں گے۔ یہ سُن کر لوگوں نے کہا کہ، ہاتھ اٹھاؤ، ہم اس بیعت کو چھوڑ نہیں سکتے نہ ہی اس سے چھٹکارا ڈھونڈھنے کی سوچ سکتے، اس کے بعد ہم میں سے ایک ایک آدمی نے کھڑے ہو کر بیعت کی اور آپؐ نے ہر ایک کو جنت کی خوشخبری دی۔ پھر یہ لوگ مدینہ واپس آ گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ ابن ام مکتوم اور مصعب بن عمیر کو بھیجا جو لوگوں کو قرآن سکھاتے تھے اور اسلام کی دعوت کو پھیلاتے تھے، یہ دونوں اسعد بن زرارۃ کے

مہمان تھے، حضرت مصعب ان کے امام تھے، جب مسلمانوں کی تعداد چالیس ہوگئی تو انھیں مصعب نے جمعہ بھی پڑھانا شروع کیا۔ ان دونوں اصحاب کے ہاتھ پر بہت سے لوگ مسلمان ہوئے، انھیں میں اسید بن حضیر اور سعد بن معاذ ہیں، ان کے مسلمان ہونے کے بعد بنو عبد الاشہل کے تمام لوگ مسلمان ہوگئے صرف اصیرم باقی رہ گئے تھے جنھوں نے احد کے دن اسلام قبول کیا اور جہاد میں حصہ لے کر شہادت کا درجہ حاصل کیا انھیں ایک وقت کی بھی نماز ادا کرنے کا موقع نہ مل سکا، انہیں کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، تھوڑا عمل اور زیادہ اجر۔

مدینہ میں اسلام کی کثرت وتقویت کے بعد حضرت مصعب مکہ واپس آگئے اس سال حج میں انصار کے بہت سے مسلمان اور مشرکین آئے، قوم کے قائد براء بن معرور تھے، اسی وقت بیعت عقبہ ہوئی اور سب سے پہلے براء بن معرور نے بیعت کی ان کا یہ بڑا احسان تھا کہ انھوں نے پختہ بیعت کی اور اس سلسلہ میں سبقت لے گئے۔ اس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ اشخاص کو بطور نقیب منتخب کیا۔ جب بیعت مکمل ہوگئی تو لوگوں نے عقبہ میں آباد مشرکین پر حملہ کی اجازت مانگی، لیکن آپؐ نے اجازت نہیں دی۔ اس موقع پر شیطان نے چیخ کر کہا کہ، اے اہلِ اخاشب کیا تمہیں معلوم ہے کہ محمدؐ اور ان کے بے دین ساتھی تمہارے خلاف جنگ کے لئے اکٹھا ہوگئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (ھٰذا أزبُّ العقبة) یہ عقبہ کا شیطان ہے، اے دشمنِ خدا، میں تیرے لئے ضرور فارغ ہوں گا۔ پھر آپؐ نے لوگوں سے اپنے اپنے خیموں میں جانے کے لئے کہا۔ صبح کو اشراف قریش آئے اور انصار سے کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ تم لوگوں نے رات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مل کر ہمارے خلاف جنگ کا معاہدہ کیا ہے، بخدا عرب کے تمام قبائل کے مقابلہ

یں تمہارے ساتھ جنگ کو ہم زیادہ ناپسند کرتے ہیں۔ یہ سن کر خزرج کے مشرکین قسم کھا کر کہنے لگے کہ ایسا نہیں ہوا ہے۔ ابن ابی نے کہا کہ یہ غلط ہے، میری قوم میرے ساتھ ایسی زیادتی نہیں کرسکتی، اگر میں یثرب میں ہوتا تو مجھ سے مشورہ کے بغیر میری قوم ایسا نہ کرتی۔ یہ سُن کر قریش کے لوگ لوٹ گئے، حضرت براء اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ بطن یاجج کی طرف چلے گئے، قریش کے لوگ ان کی تلاش میں نکلے اور سعد بن عبادہ کو پکڑ لیا، مارتے ہوئے مکہ لے آئے، پھر مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے آکر انھیں چھڑایا۔ انصار نے ان کی گمشدگی کے بعد مشورہ کیا کہ واپس لوٹیں، اسی درمیان وہ نظر آئے، پھر ان کے ساتھ سب لوگ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت دی اور لوگ تیزی سے ہجرت کرنے لگے، سب سے پہلے وہاں کے لئے حضرت ابوسلمۃ اور ان کی اہلیہ روانہ ہوئیں، لیکن اہلیہ کو لوگوں نے روک لیا اور وہ ایک سال تک اپنے شوہر سے نہ مل سکیں، اسی طرح ان کے لڑکے کو بھی ان سے جدا کردیا گیا، پھر لسے لیکر ایک سال بعد وہ مدینہ جاسکیں، عثمان بن ابی طلحۃ ان کے ساتھ تھے۔ پھر لوگ جماعت درجماعت مدینہ جانے لگے اور مکہ میں صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر اور حضرت علی باقی رہ گئے، ان لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روک رکھا تھا۔ انکے علاوہ پھر وہ لوگ بچے تھے جنھیں مشرکین نے زبردستی روک رکھا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سامان تیار کرلیا تھا اور حکم الٰہی کے منتظر تھے، اسی طرح حضرت ابوبکرؓ کا سامان بھی تیار تھا۔

مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان اپنے متعلقین اور مال ومتاع کے ساتھ مدینہ چلے گئے اور وہاں پر طاقت ور لوگوں کا تحفظ انھیں ملے گا تو انہیں یہ ڈر پیدا ہوا کہ کہیں نبی

صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہاں نہ چلے جائیں اور پھر معاملہ زیادہ مشکل ہو جائے۔ یہ سوچ کر تمام سربرآوردہ مشرکین دارالندوہ میں جمع ہوئے، ابلیس بھی بوڑھے نجدی کی صورت میں کمبل اوڑھے اس اجتماع میں شریک ہوا، ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی، لیکن بوڑھے نے کسی کی رائے کو پسند نہیں کیا۔ ابوجہل نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہر قبیلہ سے ایک مضبوط نوجوان منتخب کیا جائے جس کے ہاتھ میں تیز تلوار ہو اسب مل کر ایک ساتھ حملہ کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تمام کر دیں، اس طرح بنو عبد مناف کو سمجھ میں نہ آئے گا کہ کیا کریں، اور ہم لوگ انھیں دیت دیں گے۔

بڈھے نے کہا کہ یہ صحیح رائے ہے، پھر سب لوگ اٹھ گئے۔ جبریل نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مشورہ کی خبر دی اور حکم دیا کہ اس رات آپؐ اپنے بستر پر نہ سوئیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم عین دوپہر میں خلاف معمول حضرت ابوبکر کے پاس چہرہ ڈھانکے ہوئے آئے اور ان سے فرمایا کہ لوگوں کو ہٹا دو۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یہ گھر ہی کے لوگ ہیں، تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، اللہ تعالیٰ نے مجھے ہجرت کی اجازت دیدی ہے۔ جب حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کیا میں ساتھ رہوں گا؟ آپؐ نے فرمایا، ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ میری دو سواریوں میں سے ایک آپؐ قبول فرمائیے، آپؐ نے فرمایا کہ قیمت سے لوں گا، پھر حضرت علی کو حکم دیا کہ وہ رات کو آپؐ کے بستر پر سو جائیں۔ ادھر قریش کے منتخب لوگ جمع ہو کر دروازہ سے جھانک کر آپؐ کے بستر پر پہونچنے کا انتظار کر رہے تھے اور یہ مشورہ کر رہے تھے کہ ان میں سے کون بدبخت آپؐ پر حملہ کرے۔ جب آپؐ کو نکلنا ہوا تو ایک مٹھی کنکری لے کر آپؐ نے ان کے سروں پر پھینک دیا پھر وہ آپؐ کو دیکھ نہ سکے اور آپؐ یہ تلاوت کرتے ہوئے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے گئے۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ○ (سورہ یٰس ۔ ۹)

اور ہم نے اُن کے سامنے اور پیچھے آڑ کر دی، اور اُن پر غشی طاری کر دی جس سے وہ دیکھ نہ سکے۔"

دونوں رات کے وقت گھر سے نکلے، ایک آدمی نے آکر قریش کے نوجوانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر کھڑے دیکھ کر پوچھا کہ "کس کا انتظار ہے؟" انھوں نے جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا، اس نے کہا "تم ناکامی اور گھاٹے میں ہو، بخدا وہ تمہارے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے تمہارے پاس سے گذر گئے۔" یہ سُن کر وہ کھڑے ہوئے اور سر کو جھاڑنے لگے۔ صبح کو جب حضرت علیؓ آپؐ کے بستر سے اٹھے تو لوگوں نے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہاں ہیں؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ "مجھے کچھ علم نہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ غار ثور میں جاکر ٹھہر گئے، مکڑی نے دروازے پر جالا تن دیا، آپ لوگوں نے راستہ سے واقف ایک شخص ابن اریقط لیثی کو اجرت پر رکھ لیا، یہ اپنی قوم کے مذہب یعنی شرک پر تھا لیکن آپ لوگوں نے اس کی امانت پر بھروسہ کر کے اپنی سواریاں اس کے حوالے کر دیا اور تین روز بعد پھر اسی غار کے پاس ملنے کا وعدہ کیا۔ قریش نے ان لوگوں کو ڈھونڈھنے کی غیر معمولی کوشش کی، قیافہ شناسوں کو لے کر غار کے دروازہ تک پہونچے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کفار سے آپ لوگوں کو محفوظ رکھا۔ عامر فہیرہ حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چراتا تھا اور ان کو وہیں لاکر ٹھہراتا تھا۔ یہ لوگ تین دن تک غار میں رہے، جب جستجو کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا تو ابن اریقط سواریاں لے کر آیا، دونوں اشخاص روانہ ہوئے، حضرت ابو بکرؓ نے اپنے پیچھے عامر بن فہیرۃ کو سوار کیا، راہنما ان کے آگے چل رہا تھا، اللہ کی نظر کرم اور اس کی نصرت ان مسافروں کے سفر اور قیام میں ساتھ تھی۔

مشرکین جب ان لوگوں کی طرف سے مایوس ہو گئے تو انھیں گرفتار کر کے لانے

والوں کے لئے انعام کا اعلان کیا جسے سن کر متعدد لوگ اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ پر غالب تھا۔ یہ لوگ جب بنی مدلج قبیلہ کے پاس گذرے تو قبیلہ کے ایک شخص نے انھیں دیکھ لیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے ساحل پر ایک سایہ سا دیکھا ہے، میرا خیال ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ سراقہ یہ سن کر تاڑ گیا اور سوچا کہ کامیابی تنہا اسی کے حصہ میں آئے، کہنے لگا کہ نہیں، وہ فلاں فلاں لوگ اپنی کسی ضرورت سے گئے تھے۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر وہ اپنے خیمہ میں داخل ہوا اور خادم سے کہا کہ خیمہ کے پیچھے سے گھوڑا نکالو، میں تمہیں ٹیلے کے پیچھے ملوں گا، پھر اپنا نیزہ اٹھایا اور بالائی حصہ نیچے کر کے زمین پر لکیر بناتا ہوا گھوڑے تک پہونچا اور سوار ہو کر چل پڑا۔ جب ان لوگوں سے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کو سُنا، آپؐ کسی طرف مُڑ کر نہیں دیکھتے تھے، لیکن حضرت ابو بکرؓ ادھر ادھر دیکھتے تھے، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، سراقہ ہمارے پاس آپہونچا ہے۔ یہ سن کر آپؐ نے بد دعاء کی اور اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ آپ لوگوں کی بد دعاء سے میرا یہ حال ہوا ہے، اب آپ لوگ میرے لئے یہ دعاء کر دیجئے کہ میں نکل جاؤں پھر میرا ذمہ ہے کہ تعاقب میں آنے والے تمام لوگوں کو واپس لیتا جاؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی تو اس کا گھوڑا نکل آیا۔ سراقہ نے آپؐ سے ایک تحریر کا مطالبہ کیا، آپؐ کے حکم سے حضرت ابو بکرؓ نے چمڑے پر ایک تحریر لکھ دی۔ یہ تحریر فتح مکہ تک سراقہ کے پاس موجود تھی، اسے لیکر جب وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور فرمایا کہ آج وفاداری و بھلائی کا دن ہے۔ سراقہ نے تحریر حاصل کرنے کے بعد ان لوگوں کے سامنے توشہ اور سواری پیش کی، لیکن انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اس کی ہمیں ضرورت نہیں، البتہ تعاقب کرنے والوں کو تاریکی میں رکھو

سراقہ نے کہا کہ میں ضرور ایسا کروں گا، آپ لوگ مطمئن رہیں۔ وہ واپس لوٹا تو دیکھا کہ بہت سے لوگ جستجو میں لگے ہیں، سراقہ نے ان سے کہا کہ میں تمہارے لئے واضح خبر لایا ہوں وہ لوگ ادھر نہیں ہیں۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ صبح کا دشمن شام کو آپ لوگوں کا جانثار بن چکا تھا۔ سفر طے کرتے ہوئے آپ لوگ ام معبد خزاعی کے خیمہ سے گذرے اور اس سے کھانا طلب کیا لیکن خشک سالی کے سبب کچھ نہ ملا، آپؐ نے خیمہ میں ایک بکری دیکھ کر دریافت کیا کہ کیا دودھ دیتی ہے؟ ام معبد نے کہا کہ یہ بے حد کمزور ہے اور اسی وجہ سے گلہ کے ساتھ چرنے کے لئے نہیں جا سکی ہے، بھلا دودھ کیسے دے گی۔ آپؐ نے دعا کر کے اس کے تھن پر ہاتھ لگایا اور بسم اللہ پڑھ کر دوہنا شروع کیا، برتن جھاگ سے بھر گیا تو آپؐ نے ام معبد اور اپنے اصحاب کو پلایا پھر خود نوش فرمایا، اس کے بعد دوبارہ دوہ کر وہیں چھوڑ دیا اور روانہ ہو گئے۔ ادھر مکہ میں ایک آواز سنائی دیتی تھی، کوئی بلند آواز سے چند اشعار پڑھتا تھا مگر نظر نہ آتا تھا۔

جزی اللہ رب العرش خیر جزائہ   رفیقین حلا خیمتی ام معبد الخ

(اللہ عرش کا مالک ان دونوں ساتھیوں کو بہترین بدلہ دے جو ام معبد کے خیمہ میں اترے)

حضرت اسماء کا بیان ہے کہ ہمیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرف گئے ہیں، لیکن مکہ کے نشیبی حصہ میں سے کسی جن نے آکر ان اشعار کو سنایا، لوگ اس کے پیچھے آواز سن کر چلتے تھے لیکن کسی کو دیکھ نہیں پاتے تھے، پھر وہ بالائی حصہ سے نکل گیا اسماء کہتی ہیں کہ ان اشعار کو سن کر ہم نے سمجھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لے گئے ہیں۔

۵۹۔ فصل

مدینہ تشریف آوری

انصار کو جب یہ خبر ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکل چکے ہیں تو وہ لوگ روزانہ حرّہ تک آکر انتظار کرتے اور جب دھوپ تیز ہوجاتی تو واپس لوٹ آتے۔ بعثت کے تیرہویں سال ۱۲ ربیع الاوّل کو بھی وہ لوگ حسب عادت آپؐ کے انتظار میں نکلے، دھوپ تیز ہونے کے بعد واپس آرہے، اسی موقع پر ایک یہودی اپنے کسی کام سے مدینہ کے ایک ٹیلے پر چڑھا، اس نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھی چمکتے نظر آرہے ہیں، اور سراب ان سے چھٹ رہا ہے، اس نے بلند آواز سے پکارا کہ، بنو قیلۃ، یہ ہیں تمہارے بزرگ اور سردار جن کے تم منتظر تھے۔ یہ سن کر انصار آپؐ کے استقبال کے لئے ہتھیار کی طرف لپکے، مرحبا اور اللہ اکبر کی آوازیں بنو عمرو بن عوف کے محلہ سے بلند ہونے لگیں، آپؐ کی آمد سے خوش ہو کر مسلمان تکبیر کہہ رہے تھے، سب لوگ آپؐ کے استقبال کے لئے نکلے، نبوت کا سلام پیش کیا اور آپؐ کو گھیرے میں لے لیا، اسی موقع پر آپؐ پر سکینت و وحی کا نزول شروع ہوا:

فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین، والملائکۃ بعد ذلک ظھیر۔	بے شک اللہ ہی اس کا رفیق ہے اور جبریل اور نیک مسلمان، اور اس کے بعد فرشتے مددگار ہیں۔ (سورہ تحریم — ۴)

پھر آپؐ قبا پہنچ کر بنو عمرو بن عوف میں کلثوم بن ہدم یا سعد بن خیثمہ کے یہاں اترے، پہلا قول صحیح ہے۔ اس جگہ چودہ شب تک آپؐ کا قیام رہا، اسی اثنا میں آپؐ

نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی۔ نبوت کے بعد تعمیر ہونے والی یہ پہلی مسجد تھی۔ جمعہ کے دن اللہ کے حکم سے آپؐ سوار ہو کر روانہ ہوئے، بنو سالم بن عوف میں پہونچے تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا، بطن وادی کی مسجد میں آپؐ نے جمعہ کی نماز پڑھائی، پھر سوار ہو کر روانہ ہوئے، جانثاروں نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور کہنے لگے کہ آپؐ ایسی جگہ اتریں جہاں ساز و سامان اور طاقت و قوت کی فراوانی ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ، اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے، جس جگہ مشیت ہوگی وہیں بیٹھ جائے گی۔ اونٹنی چلتی رہی، ہر انصاری سراپا تمنا تھا کہ آپؐ اسکے گھر قیام فرمائیں، جب لوگ اپنی خواہش کا اظہار کرتے تو آپؐ فرماتے کہ چھوڑ دو یہ اللہ کی جانب سے مامور ہے، اونٹنی چلتے چلتے مسجد نبوی کی جگہ بیٹھ گئی لیکن آپؐ اترے نہیں، اونٹنی کھڑی ہوئی اور تھوڑی دُور چل کر واپس ہوئی اور پہلی جگہ پھر بیٹھ گئی، اب آپؐ نیچے اترے، یہ جگہ بنو نجار میں آپؐ کے ننھیالی رشتہ داروں کی تھی، اللہ نے انھیں یہ توفیق اور اعزاز بخشا، اس کی مشیت یہ تھی کہ آپؐ کی میزبانی کا شرف انھیں کو ملے، یہ لوگ آپؐ سے اپنے یہاں اترنے کی درخواست کرنے لگے۔ حضرت ابوایوب آگے بڑھے اور سواری کا کجاوہ اپنے گھر میں داخل کر لیا، آپؐ نے فرمایا کہ آدمی اپنی سواری کے کجاوے ہی کیساتھ رہتا ہے۔ اسعد بن زرارہ آئے اور آپؐ کی اونٹنی کو لے گئے جو انھیں کے پاس رہی۔ آپؐ کے مدینہ میں قیام کا قیس بن صرمۃ انصاری کے اشعار میں یوں ذکر ہے۔ (ابن عباس نے ان کے پاس جا کر ان اشعار کو حفظ کیا تھا۔)

ثوی فی قریش بضع عشرۃ حجۃ　　یذکر لو یلقی حبیبا مواتیا

قریش میں آپؐ نے دس سال سے زائد قیام فرمایا اور چاہا کہ کوئی دوست اور حامی مل جائے

ویعرض فی اہل المواسم نفسہ　　فلم یر من یؤوی ولم یر داعیا

حج وغیرہ اجتماعات میں آپؐ خود کو لوگوں کے سامنے پیش کرتے تھے لیکن کوئی ٹھکانہ یا دعوت دینے والا نہ ملا۔

فلما اتانا واستقرت به النوی　　واصبح مسرور الطیبة راضیا

جب آپؐ ہمارے یہاں آکر مقیم ہو گئے اور مدینہ میں خوش و راضی رہنے لگے۔

واصبح لا یخشی ظلامة ظالم　　بعید ولا یخشی من الناس باغیا

اور آپؐ کو کسی کے ظلم اور زیادتی کا اندیشہ باقی نہ رہا۔

بذلنا له الاموال من جل مالنا　　وانفسنا عند الوغی والتآسیا

تو ہم نے لڑائی وغیرہ کے مواقع پر آپؐ کے لئے جان و مال کی قربانی پیش کی۔

نعادی الذی عادی من الناس کلهم　　جمیعًا وان کان الحبیب المصافیا

ہمارا دوست بھی اگر آپؐ سے دشمنی رکھے تو ہم اس کے دشمن ہیں۔

ونعلم ان الله لا رب غیره　　وان کتاب الله اصبح هادیا

ہمارا یقین ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اس کی کتاب ہماری رہنما ہے

ابن عباس کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے تو آپؐ کو ہجرت کا حکم دیا گیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ　　کہہ دیجئے کہ اے میرے رب مجھے اچھی جگہ پہونچا

وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ　　دے اور حفاظت کیساتھ نکال اور مجھے فتحیابی

لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا　　کا غلبہ دے۔

(الاسراء ــــ ۸۰)

قتادہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے نکال کر مدینہ پہونچایا جو مخرج صدق ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ یہ کام آپؐ سے بغیر قوت انجام نہیں پا سکتا، اس لئے آپؐ نے اللہ تعالیٰ سے سلطان نصیر (فتحیابی کا غلبہ) کا سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ ہی میں ہجرت کا مقام دکھا دیا تھا، آپؐ کا ارشاد ہے:

اریت دار ھجرتکم بسبخۃ ذات نخل بین لابتین۔ — مجھے تمہاری ہجرت کا مقام دکھایا گیا ہے جو کھجور کے درختوں والی شور زمین میں سیاہ کنکریوں والے دو حصوں کے مابین واقع ہے۔

حضرت براء کا بیان ہے کہ صحابہ میں سب سے پہلے ہمارے پاس مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم آئے تھے، یہ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ پھر عمار بن یاسر، بلال اور سعد آئے، اس کے بعد بیس آدمیوں کے ساتھ حضرت عمرؓ آئے، اور اُن کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں نے دیکھا کہ آپؐ کی تشریف آوری سے لوگوں کو غیر معمولی خوشی ہوئی، عورتیں، بچے اور لونڈیاں اعلان کر رہی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آ گئے۔ آپؐ نے حضرت ابوایوب کے گھر قیام فرمایا اور مسجد و حجرے کی تعمیر تک مقیم رہے۔ یہیں قیام کے زمانہ میں آپؐ نے خالد بن زید[1] اور ابورافع کو دو اونٹ پانچ سو درہم دے کر مکہ بھیجا، وہ لوگ وہاں سے آپؐ کی دونوں صاحبزادیوں فاطمہ و ام کلثوم، زوجہ مطہرہ حضرت سودہ، اسامہ بن زید اور ام ایمن کو لے کر مدینہ آئے۔ حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر ابوالعاص نے نکلنے سے روک دیا۔ حضرت عبداللہ بن ابوبکر انھیں کے ساتھ حضرت ابوبکر کے اہل و عیال کو لے کر آئے جن میں حضرت عائشہ بھی تھیں، یہ سب لوگ حارثہ بن نعمان کے گھر میں اُترے۔

۶۰۔ فصل

مسجد نبوی کی تعمیر کا بیان

امام زہری کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد والی جگہ پر بیٹھ گئی

---

[1] زاد المعاد میں زید بن حارثہ ہے۔

تھی، اس وقت مسلمان وہیں نماز ادا کرتے تھے، اس زمین کے مالک دو یتیم بچے تھے جن کی پرورش حضرت اسعد بن زرارہ کے ذمہ تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھاؤ تاؤ کرکے خریدنا چاہا، انھوں نے کہا کہ ہم ہبہ کر دیں گے، آپ نے منظور نہ فرمایا اور دس دینار قیمت ادا کرکے زمین حاصل کی، اس میں صرف دیواریں تھیں چھت نہ تھی، اس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اسعد بن زرارہ نماز اور جمعہ پڑھاتے تھے۔ اس جگہ غرقد اور کھجور کے درخت اور مشرکین کی قبریں تھیں، آپ کے حکم سے قبریں کھود دی گئیں اور درخت کاٹ کر قبلہ کی جانب ڈال دیئے گئے۔ مسجد کے قبلہ سے پیچھے تک اس کا طول سو گز اور دونوں جانب بھی اسی قدر یا اس سے کچھ کم تھا، بنیاد تقریباً تین گز تھی، اسے کچی اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ تعمیر میں شریک تھے، اینٹ اور پتھر اُٹھا کر لیجاتے ہوتے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے۔

اللھم لا عیش الا عیش الاخرۃ　　　فاغفر الانصار والمھاجرۃ

اے اللہ، زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے، تو مہاجرین کو اور انصار کو بخش دے

آپ یہ بھی پڑھتے تھے:

ھذا الحمال لا حمال خیبر　　　ھذا ابر ربنا واطھر

یہ خیبر سے آنیوالا کھجور وغلہ وغیرہ کا بوجھ نہیں بلکہ اینٹوں کا بوجھ ہے۔ اور یہی خیر و پاکیزگی کا باعث ہے

صحابہ بھی اینٹیں ڈھوتے ہوتے رجز پڑھتے تھے، بعض لوگ یہ رجز پڑھتے تھے:

لئن قعدنا والرسول یعمل　　　لذاک منا العمل المضلل

اگر ہم بیٹھے رہیں اور رسول کام کریں تو یہ ہماری غلطی ہو گی۔

مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی جانب رکھا گیا، دروازے تین تھے، ایک پیچھے

دوسرا جسے باب الرحمۃ کہتے ہیں، اور تیسرا وہ جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے تھے۔ ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت اس کے پتوں کی تھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس کی چھت نہیں ڈالی جاتے گی؟ آپؐ نے فرمایا کہ، نہیں، موسیٰ علیہ السلام کے چھپر کی طرح رہے گی۔ آپؐ نے اسی سے متصل ازواج مطہرات کے کمرے کچی اینٹ سے تعمیر کرائے اور کھجور کے تنوں اور پتوں سے چھت بنائی۔ جب تعمیر سے فراغت ہوئی تو حضرت عائشہ کو مسجد کے مشرق حصہ والے کمرہ میں لے آئے جو ان کے لئے تعمیر ہوا تھا اور حضرت سودہ کے لئے ایک دوسرا کمرہ تعمیر کیا گیا۔

پھر آپؐ نے مہاجرین وانصار کے مابین اخوت کا رشتہ قائم کر دیا، یہ کل نوے آدمی تھے، نصف مہاجرین میں سے اور نصف انصار سے۔ غزوۂ بدر تک یہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے، پھر جب یہ آیت اتری۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ۔ رشتہ داروں میں بعض بعض کے زیادہ مستحق ہیں۔ (سورۂ احزاب — ۶)

تو آپؐ نے وراثت کے معاملہ کو رشتہ پر موقوف کر دیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے دوبارہ مہاجرین کے مابین رشتہ اخوت استوار کر دیا اور حضرت علی کو اپنا بھائی بنا لیا۔ لیکن پہلی بات زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو آپؐ کی اخوت کے زیادہ مستحق حضرت ابوبکر صدیق تھے، جن کے بارے میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ اگر زمین والوں میں سے کسی کو میں دوست بناتا تو حضرت ابوبکرؓ کو بناتا، لیکن وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔ اور یہ اخوت اگرچہ عام تھی جیسا کہ ایک حدیث میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ، میں اپنے بھائیوں کو دیکھنے کا خواہشمند ہوں، صحابہ نے پوچھا کہ کیا ہم آپؐ کے بھائی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا، تم میرے ساتھی ہو، میرے بھائی وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے،

اور مجھ پر بغیر دیکھے ایمان رکھیں گے۔ لیکن اس عمومیت کے باوجود حضرت ابو بکرؓ اس کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اسی طرح مصاحبت کا بھی اعلیٰ مرتبہ آپ کو حاصل تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ رکھا تھا اور ان سے ایک معاہدہ بھی کر لیا تھا، ان کے عالم عبداللہ بن سلام نے اسلام قبول کر لیا تھا لیکن عام یہودی کفر پر قائم تھے۔ یہودیوں کے وہاں تین قبیلے موجود تھے: بنو قینقاع، بنو نظیر اور بنو قریظہ، اور ان تینوں نے آپؐ کے ساتھ معاندانہ رویّہ اپنایا۔ بنو قینقاع پر تو آپؐ نے احسان کیا لیکن بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنو قریظہ کو قتل کرا دیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنا لیا۔ بنو نضیر کے بارے میں سورۃ حشر اور بنو قریظہ کے بارے میں سورۃ احزاب نازل ہوئی۔

مدینہ میں آپؐ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور حضرت جبریل سے یہ فرمایا تھا کہ، میری تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے رخ کو یہود کے قبلہ سے پھیر دے۔ انھوں نے کہا کہ میں تو بندہ ہوں، آپؐ اپنے رب سے دعا کیجئے اور اس کا سوال کیجئے۔ یہ سُن کر آپؐ امید باندھے آسمان کی طرف دیکھتے رہتے، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۔۔۔ ہم آپؐ کے آسمان کی طرف رُخ کرنے کو دیکھ رہے ہیں۔ (سورۃ بقرہ — ۱۴۴)

یہ واقعہ آپؐ کی مدینہ تشریف آوری کے سولہ ماہ بعد اور غزوۃ بدر سے دو ماہ پہلے پیش آیا تھا، اس میں بڑی حکمتیں پنہاں تھیں اور اصل میں یہ مسلمانوں، مشرکوں، یہودیوں اور منافقوں کا ایک امتحان تھا۔ مسلمانوں کے لئے تو یہ چیز مشکل نہ تھی خدا کی ہدایت کی وجہ سے انھوں نے یہ کہا کہ ہم ایمان لے آئے، سب کچھ ہمارے رب ہی کی طرف

سے ہے۔ مشرکین یہ کہنے لگے کہ جس طرح ہمارے قبلہ کی طرف لوٹے ہیں اسی طرح جلد ہی ہمارے مذہب کو بھی اختیار کر لیں گے، اور ہمارے قبلہ کی طرف واپسی اس کے برحق ہونے کی دلیل ہے۔ یہودیوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ، سابقہ انبیاء کے قبلہ کی مخالفت کی۔ منافقین کا یہ کہنا تھا کہ، ہم نہیں جانتے کدھر رخ کرتے ہیں، اگر پہلا حق ہے تو اسے تو انھوں نے چھوڑ دیا، اور اگر دوسرا حق ہے تو اب تک یہ باطل پر تھے۔ اس طرح نادانوں کی طرف سے باتیں بنائی گئیں، اللہ تعالیٰ نے خود ہی فرما دیا تھا کہ:

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهِ ۔ (سورۂ بقرہ ـ ۱۴۳)

بیشک یہ تبدیلی ہدایت یاب لوگوں کے علاوہ دوسروں کے حق میں یقیناً بڑی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایسا حکم اس لئے دیا تھا تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون پھر جاتا ہے۔ اور چونکہ قبلہ کا معاملہ اہم تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے بطور تمہید اس سے پہلے نسخ کا معاملہ ذکر کیا اور فرمایا کہ جب وہ کسی حکم کو ختم کرتا ہے تو اس جیسا یا اس سے اچھا دوسرا حکم لے آتا ہے۔ اس کے بعد ان لوگوں کی سرزنش کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ ہٹ دھرمی کرتے ہیں اور آپؐ کے حکم کو تسلیم نہیں کرتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور ایک دوسرے کے خلاف ان کی شہادتوں کا ذکر کیا اور بندوں کو ان کی موافقت اور خواہشات کی پیروی سے ڈرایا اسی طرح ان کے کفر کا اور اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد کی نسبت کا ذکر کیا۔

پھر یہ بتایا کہ مشرق و مغرب اسی کا ہے، بندے جس طرف چہرہ پھیریں گے اسی طرف اس کی ذات ملے گی، وہ وسعت اور علم والا ہے، اس کی عظمت، وسعت اور احاطہ کا تقاضا ہے کہ بندہ جدھر رخ کرے ادھر اس کی ذات ملے۔ پھر یہ بتایا کہ رسول سے ان جہنمیوں کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا جنھوں نے ان کی پیروی نہیں کی۔

آگے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی وقت راضی ہوں گے جب آپؐ ان کے مذہب کی پیروی کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت یاد دلائی۔ اپنے عذاب سے ڈرایا، پھر بیت اللہ کے معمار ابراہیم خلیل اللہ کا ذکر اور ان کی تعریف کی اور یہ بتایا کہ انھیں اس نے دنیا کا امام بنایا ہے۔ پھر بیت اللہ الحرام اور ابراہیم کی تعمیر کا ذکر کیا، اسی ضمن میں یہ اشارہ کیا کہ جس طرح بیت اللہ کا معمار دنیا کا امام ہے، اسی طرح یہ گھر بھی ان کا امام ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس امام کی ملت سے صرف بیوقوف ہی اعراض کر سکتے ہیں۔ آگے بندوں کو ابراہیم کی اقتدا اور ان پر نیز دیگر انبیاء پر اتاری ہوئی کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ اسی طرح ان لوگوں کی تردید کی جن کا دعویٰ یہ تھا کہ ابراہیم اور ان کے گھر والے یہودی یا نصاریٰ تھے۔ اور ان تمام چیزوں کی تحویل قبلہ کے لئے تمہید بنایا، اس معاملہ کو اللہ نے بار بار تاکید سے بیان فرمایا اور رسول کو یہ حکم دیا کہ جہاں ہوں اور جہاں سے نکلیں اس کی پیروی کریں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ جو ذات صراط مستقیم کی جانب رہنمائی کرتی ہے، اسی نے اس قبلہ کی طرف رہنمائی کی ہے، یہ قبلہ مسلمانوں ہی کا ہے اور وہی اس کے اہل ہیں کیوں کہ یہ سب سے افضل قبلہ اور مسلمان سب سے افضل امت ہیں، اللہ نے ان کے لئے سب سے افضل رسول اور سب سے افضل کتاب کو پسند کیا ہے، انھیں بہترین زمانہ میں پیدا کیا اور بہترین شریعت سے نوازا، بہترین اخلاق دیا، بہترین زمین میں آباد کیا جنت میں بہترین جگہ مقرر کی، قیامت کے دن سب سے اچھی قیام گاہ متعین کی جو ایک بلند ٹیلہ سے عبارت ہے، پاک ہے وہ ذات جو اپنی رحمت سے جسے چاہے مخصوص کرے، یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ بڑے فضل والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ لوگوں کو مسلمانوں پر کسی حجت کا موقع نہ مل سکے، مگر ظالم اور ملحد لوگ مختلف بے بنیاد حجتیں پیش کرتے ہیں۔ اور جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر دوسری چیزوں کو مقدم کرتے ہیں ان کی حجتیں بھی اسی طرح کی ہوتی ہیں۔ پھر یہ بتایا کہ اس نے ایسا اپنی نعمت کو تمام کرنے اور لوگوں کو ہدایت دینے کے لئے کیا ہے، اور اس کی نعمتوں میں سے رسول بھیجنا، کتاب اتارنا، لوگوں کا تزکیہ کرنا، انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور ایسی باتیں بتانا ہے جنھیں وہ جانتے نہیں ہیں۔

آگے ذکر وشکر کا حکم دیا جس سے نعمت کی تکمیل اور محبت کا حصول ہوتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کریں، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی اذان بھی قبلہ کے ساتھ مشروع فرمائی اور ظہر، عصر اور عشاء میں دو دو رکعت کا اضافہ فرمایا، یہ نمازیں پہلے دو رکعت تھیں۔ یہ تمام چیزیں آپؐ کی مدینہ تشریف آوری کے بعد ہوئیں۔

۶۱۔ فصل

مدینہ میں قیام اور جہاد کی اجازت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ میں قیام پذیر ہو گئے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت اور مومنوں کی ایک جماعت سے آپؐ کی مدد فرمائی اور عداوت کے بعد ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی، اللہ کے مددگاروں اور اسلام کے سپاہیوں نے آپؐ کی حفاظت کی۔ آپؐ کے لئے اپنی جانوں کو قربان کر دیا، ماں باپ اور آل اولاد کی محبت

پر آپؐ کی محبت کو مقدم رکھا اور آپؐ کو خود اپنی ذات سے بھی زیادہ قریب تصور کرنے لگے تو ان حالات میں عرب اور یہودیوں نے متحدہ طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنایا اور ان کے ساتھ دشمنی پر کمربستہ ہو گئے، ہر طرف سے ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اب تک مسلمانوں کو صبر اور عفو و درگذر کا حکم دیا تھا، لیکن ان کی حیثیت بھی مضبوط ہو گئی اور دشمنوں سے مقابلہ کی قوت پیدا ہو ئی تو پھر لڑائی کی اجازت ملی، لیکن لڑائی کو پھر بھی فرض نہیں قرار دیا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا، وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ	مظلومیت کے سبب مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی ہے، اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے (سورۂ حج ــ ۳۹)

بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ مکہ کا ذکر ہے کیوں کہ یہ سورہ مکی ہے۔ لیکن یہ قول کئی وجوہ سے غلط ہے۔

اول یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ میں لڑائی کی اجازت نہیں دی تھی۔

دوم یہ کہ سیاق بتاتا ہے کہ لڑائی کی اجازت گھروں سے ناحق نکالنے کے بعد ہوئی تھی۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول "ھذان خصمان" ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوا تھا جو بدر کی لڑائی میں مقابلہ کے لئے نکلے تھے۔

چہارم یہ کہ اس سورہ میں "یاایھا الذین آمنوا" سے خطاب ہے، اور ایسے خطاب پر مشتمل تمام سورتیں مدنی ہیں۔

پنجم یہ کہ اس میں ایسے جہاد کا حکم ہے جو ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مطلق جہاد کا حکم ہجرت کے بعد ہی ہوا۔

ششم یہ کہ امام حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو ابو بکرؓ نے کہا کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کو نکال دیا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یہ ضرور تباہ ہو جائیں گے، اسوقت اللہ تعالیٰ نے اذن للذین یقاتلون الخ والی آیت نازل فرمائی، اور یہ قتال کی پہلی آیت ہے (یہ حدیث شیخین کی شرط پر ہے)

سورہ کا سیاق یہ بھی بتاتا ہے کہ اس میں مکی و مدنی دونوں آیتیں ہیں، کیونکہ "القاء شیطان" کا قصہ مکی ہے، واللہ اعلم۔

پھر مسلمانوں پر ان لوگوں سے لڑنا فرض قرار دیا گیا جو ان سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں، چنانچہ ارشاد ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ۔ (البقرۃ — ۱۹۰)	اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں سے لڑائی فرض قرار دی، جو پہلے حرام تھی پھر اجازت ملی، پھر لڑائی کرنے والوں کے ساتھ لڑنے کا حکم ہوا پھر تمام مشرکین کے ساتھ لڑنے کا حکم ہو گیا، اور اس حکم کو بعض لوگوں نے فرض عین کہا ہے اور بعض نے فرض کفایہ۔

لیکن تحقیق یہ ہے کہ جنس جہاد فرض عین ہے خواہ دل سے ہو یا زبان سے یا ہاتھ سے یا مال سے، اس لئے تمام مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ان میں سے کسی بھی قسم کا جہاد کرے لیکن جہاد بالنفس فرض کفایہ ہے، اور جہاد بالمال کے بارے میں دو قول ہیں، جن میں صحیح وجوب والا قول ہے، کیوں کہ قرآن میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کا حکم یکساں طور پر دیا گیا ہے اور جہنم سے نجات و مغفرت اور جنت میں داخلہ کو اس پر موقوف قرار دیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ الخ — اے ایمان والو، کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتا دوں جو دردناک عذاب سے تم کو نجات دے

(سورۂ صف ـــ ۱۰)

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ اس نے مسلمانوں کی جان و مال کو خرید لیا ہے اور اس کے بدلہ انھیں جنت دے دیا ہے، اور اس معاملہ و وعدہ کا ذکر افضل ترین کتاب میں وارد ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ بتا کر مزید تاکید پیدا کی ہے کہ اس سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کوئی نہیں، پھر یہ فرما کر تاکید کی کہ مسلمانوں کو اس سے بشارت حاصل کرنی چاہیئے، پھر یہ بتایا کہ یہی بڑی کامیابی ہے۔ اب دشمنوں کو غور کرنا چاہیئے کہ یہ معاملہ کس قدر برتر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ خریدار ہے، قیمت جنت ہے، جس کے ہاتھ پر معاملہ طے پایا وہ سب سے اشرف رسول ہے، اور ظاہر ہے کہ جس سامان کی یہ شان ہو اس کو کسی عظیم ہی کام کے لئے تیار کیا جائے گا۔

قد هيأوك لامر لو فطنت لــه — فاربأ بنفسك ان ترعى مع الهمل

تمہیں بہت بڑے کام کے لئے تیار کیا گیا ہے، لہٰذا اپنے نفس کو جانوروں کے ساتھ رہنے سے بچاؤ۔

جنت و محبت کا مہر مالک کی راہ میں جان و مال کی قربانی ہے، اس لئے بزدل، روگرداں اور مفلس اس کا بھاؤ تاؤ کریں، نہ اتنا مندا ہے کہ تنگدست اسے ادھار بیچ دیں اسے چاہنے والوں کے بازار میں پیش کیا گیا ہے، اور مالک کی نظر میں جان کے علاوہ اس کی کوئی قیمت نہیں۔ یہ دیکھ کر بیکار لوگ پیچھے ہٹ گئے، اور اہل محبت منتظر کھڑے رہے کہ دیکھیں کس کی جان قیمت بننے کی اہل ہوتی ہے، پھر سامان ان کے درمیان گھوم کر ایسے ہاتھوں میں پڑ گیا، جو مومنوں کے حق میں نرم اور کافروں کے حق میں سخت تھے۔

جب محبت کے دعویدار زیادہ ہو گئے تو ان سے دلیل قائم کرنے کا مطالبہ کیا گیا، کیوں کہ محض دعویٰ پر اگر لوگوں کو صلہ دیا جائے تو غم سے خالی شخص مبتلائے غم کی سوزش کا دعویٰ کرے گا، جب شہود کے مدعی مختلف قسم کے ہو گئے تو کہا گیا کہ، یہ دعویٰ بغیر دلیل ثابت نہیں ہو سکتا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔ (آل عمران — ۳۱) آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔

یہ سن کر تمام مخلوق پیچھے ہٹ گئی اور صرف وہ لوگ ثابت قدم رہے جو اخلاق وعادات اور اقوال وافعال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو تھے، ان سے دلیل کی عدالت کا مطالبہ کیا گیا اور یہ کہا گیا کہ یہ عدالت بغیر تزکیہ مقبول نہیں۔

يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۔ (سورۂ مائدہ — ۵۴) وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اور ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

یہ سُن کر محبت کے اکثر دعویدار پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے ہوتے، ان سے کہا گیا کہ، محبت کرنے والوں کی جان ومال ان کی نہیں، اس لئے جس پر معاملہ طے ہوا ہے اسے حوالے کردو کیوں کہ خرید وفروخت کا معاملہ دونوں جانب سے ادائیگی واجب کرتا ہے۔

تاجروں نے جب خریدار کی عظمت، قیمت کے درجہ، جس کے ہاتھ پر معاملہ طے ہوا اس کی جلالت شان اور اس کتاب کے معیار کو جس میں یہ معاملہ درج ہے محسوس کیا تو وہ یہ سمجھ گئے کہ اس سامان کو ایسی شان حاصل ہے جو دوسرے سامانوں کی نہیں ایسی صورت میں معدودے چند درہموں کے عوض اسے بیچ دینا کھلا گھاٹا ہے، اس طرح اس کی لذت تو ختم ہو جائے گی، لیکن تاوان باقی رہے گا۔ اب انھوں نے خریدار

کے ساتھ برضا و رغبت بیعت رضوان طے کی جس میں فسخ کا اختیار نہیں۔ جب معاملہ تمام ہوگیا اور سامان حوالہ کر دیا گیا تو بندوں سے یہ کہا گیا کہ، تمہاری جان اور تمہارا مال ہمارا ہوگیا اور اب ہم نے اسے پہلے سے بھی زیادہ مکمل حالت اور کثیر مقدار میں تمہیں لوٹا دیا ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا۔ (آل عمران ــــ ۱۹۹)

آپ ہرگز اللہ کی راہ میں شہید ہونے والوں کو مردہ نہ سمجھیں۔

ہم نے تمہاری جان اور تمہارے مال کو کسی منفعت کے لئے نہیں خریدا ہے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ بیع کو قبول کرنے اور اچھی قیمت دینے میں جود وکرم اثر انداز ہو پھر ہم نے قیمت اور سامان دونوں تمہارے لئے اکٹھا کر دیا۔

حضرت جابر اور ان کے اونٹ کے قصہ پر غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پوری قیمت دے کر پھر اس پر اضافہ کیا اور ان کا اونٹ بھی واپس کر دیا۔ آپؐ نے اس برتاؤ سے ہمیں بتایا کہ اسی طرح کا معاملہ ان کے والد کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ہوگا۔ شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ انھیں زندہ کر کے ان سے بات کرے گا اور فرمائے گا کہ میرے بندے، تمنا کر، تیری تمنائیں پوری کروں گا۔ پاک ہے وہ ذات جس کا جود وکرم مخلوقات کے دائرۂ علم سے باہر ہے، وہ سامان اور قیمت دونوں حوالہ کر دیتا ہے پھر معاملہ کو مکمل کرنے کی توفیق دیتا ہے، سامان کو عیب کے باوجود قبول کر لیتا ہے، اعلیٰ ترین قیمت ادا کرتا ہے، بندہ کو اپنے مال سے خریدتا ہے پھر قیمت و سامان دونوں دے کر بندہ کی تعریف کرتا ہے اور اس معاملہ پر اس کی تعریف کرتا ہے، حالانکہ اسی کی توفیق و مشیت سے یہ معاملہ تمام ہوتا ہے۔

اللہ اور جنت کی طرف بلانے والوں نے خوددار نفوس اور بلند ہمتوں کو متحرک

کر دیا، ایمان کے منادی نے گوش ہوش رہنے والوں کو اور خدا نے تمام زندہ لوگوں کو سنا دیا، اور اس سماع سے منازل ابرار کی طرف حرکت ہوئی، اور سفر کا سلسلہ اس وقت ختم ہوا جب دارالقرار کی منزل آئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے یہ ذمہ لیا ہے کہ جو اس کی راہ میں نکلے اور اس کا محرک اللہ پر ایمان اور رسول کی تصدیق ہو تو وہ اجر و غنیمت کے ساتھ واپس لوٹے گا یا جنت میں داخل ہو گا، اگر امت کی مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں کسی غزوہ سے غیر حاضر نہ ہوتا، میری خواہش کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔

اور فرمایا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس شخص جیسی ہے، جو روزہ رکھے، قیام کرے، تلاوت کرے اور اس میں کسی طرح کی سستی نہ کرے۔

اور فرمایا: راہ خدا میں صبح یا شام کو چلنا دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جہاد جنت کا ایک دروازہ ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ رنج و غم سے نجات دیتا ہے۔

اور فرمایا: میں اس شخص کا ذمہ دار ہوں جو مجھ پر ایمان لایا اور فرمانبرداری کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، جنت میں وہ جہاں چاہے رہے گا، جو ایسا کرے گا اس سے کوئی خیر فوت نہیں ہوگا اور نہ کسی شر کا ڈر رہے گا خواہ وہ جہاں چاہے مرے۔

اور فرمایا: جو مسلمان اللہ کی راہ میں اونٹنی دوہنے بھر بھی جنگ کرے گا، اس کے لئے جنت واجب ہو جائے گی۔

اور فرمایا: جنت میں سو درجے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں لڑنے والوں کے لئے تیار کیا ہے، ہر دو درجوں کے مابین کی مسافت زمین و آسمان کی مسافت

کے برابر ہے، جب تم اللہ سے مانگو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا بہتر اور اعلیٰ حصہ ہے، اس کے اوپر اللہ کا عرش ہے اور وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔

اور فرمایا: جو کسی مجاہد فی سبیل اللہ یا قرضدار یا غلام کی مدد کرے گا اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔

اور فرمایا: راہ خدا میں جس کے قدم غبار آلود ہوں گے اس پر جہنم حرام ہے کسی شخص کے دل میں بخل اور ایمان اکٹھا نہیں ہو سکتے، اور اللہ کی راہ کا غبار اور جہنم کا دھواں کسی بندے کے چہرہ پر جمع نہیں ہو سکتا۔

اور فرمایا: ایک رات و دن کے لئے گھوڑے کا باندھنا مہینہ بھر کے روزے اور قیام سے بہتر ہے، اگر اسی حالت میں بندے کی موت ہو جائے گی تو اسے برابر اس عمل کا ثواب اور رزق ملتا رہے گا اور وہ فتنہ سے مامون ہو جائے گا۔ ایک آدمی نے شروع رات سے صبح تک گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کی حفاظت کی اور اور نماز وغیرہ اہم ضرورتوں کے سوا کسی اور کام کے لئے نہیں اترا، اس کے حق میں آپؐ نے فرمایا کہ جنت تم پر واجب ہو گئی، اب اگر تم کچھ اور نہ کرو تو کوئی حرج نہیں۔

ابو داؤد نے آپؐ سے نقل کیا ہے کہ جو جہاد نہ کرے، کسی غازی کا سامان نہ تیار کرے یا اس کے بال بچوں کی خبر گیری نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت سے پہلے کسی مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔

ابو ایوب انصاری نے "خود کو ہلاکت میں ڈالنے کی تفسیر" "ترک جہاد" سے کی ہے۔

آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ، جہنم کی آگ ریاکار عالم، ریاکار خرچ کرنیوالے اور ریاکار مقتول فی الجہاد سے بھڑکائی جائے گی۔

۶۲۔ فصل

جہاد کا بیان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دن کے ابتدائی حصہ میں لڑائی اور سفر میں نکلنے کو مستحب سمجھتے تھے، اگر ابتدائی حصہ میں نہ لڑتے تو پھر زوال شمس کے بعد لڑائی شروع کر دیتے جب ہوائیں چلنے لگتیں اور نصرت الٰہی کا نزول ہوتا۔

جنگ میں آپؐ صحابہؓ سے میدان نہ چھوڑنے کی بیعت لیتے تھے، اسی طرح موت جہاد، اسلام، ہجرت، توحید اور اللہ ورسول کی اطاعت کی پابندی پر بیعت بھی آپؐ سے ثابت ہے۔ چند صحابہ سے آپؐ نے اس بات پر بھی بیعت لی تھی کہ وہ لوگوں سے کچھ نہ مانگیں، جس کی وجہ سے اگر کسی کا کوڑا گر جاتا تو وہ خود اتر کر لے لیتا اور کسی سے یہ نہ کہتا کہ مجھے دیدو۔

آپؐ جہاد میں دشمنوں کا سامنا ہونے کے وقت اور جگہ کو اختیار کرنے میں صحابہ سے مشورہ کرتے تھے، سفر میں چلتے ہوئے آپؐ پیچھے ہو کر کمزور کو سہارا دیتے اور پیادہ کو سوار کر لیتے، چلتے ہوئے لوگوں کے ساتھ آپؐ بہت زیادہ نرمی کرتے تھے۔ جب کسی خاص جگہ کا غزدہ مطلوب ہوتا تو دوسری طرف اشارہ فرماتے اور فرماتے کہ "جنگ فراست اور دھوکہ کا نام ہے۔" دشمنوں کو خبر لانے کے لئے آپؐ جاسوس بھیجتے مقدمۃ الجیش روانہ فرماتے اور محافظوں کو متعین کرتے۔ جب دشمن سے مقابلہ ہوتا تو کھڑے ہو کر دعا کرتے اور اللہ کی مدد طلب فرماتے۔ آپؐ اور صحابہ ایسے موقعوں پر پست آواز سے بکثرت اللہ کو یاد کرتے۔

میدان جنگ میں آپؐ لشکر کی ترتیب فرماتے تھے اور ہر پہلو میں اس کے برابر ٹولی رکھتے۔ آپ کے حکم سے آپؐ کے سامنے لوگ میدان میں نکلتے۔ لڑائی کے ضروری سامان آپؐ بھی پہنتے تھے اور کبھی کبھی دو زرہیں ڈالتے تھے۔ آپؐ کے جھنڈے بھی تھے۔ جب کسی قوم پر آپؐ کو فتح حاصل ہوتی تو ان کے میدان میں تین دن ٹھہر کر واپس لوٹ جاتے۔

جب کسی جگہ حملہ مقصود ہوتا تو انتظار کرتے، اگر وہاں اذان سنائی دیتی تو حملہ نہ کرتے ورنہ پھر حملہ کرتے۔ دشمن پر دن اور رات دونوں اوقات میں حملہ کرتے تھے۔ جمعرات کو سویرے نکلنا پسند کرتے تھے۔ لشکر جب کہیں اترتا تو لوگ ایک دوسرے سے بالکل مل جاتے تھے کہ اگر ایک چادر ڈالدی جائے تو سب کو سمیٹ لے۔

آپؐ صفوں کو مرتب فرماتے تھے اور لڑائی کے لئے لوگوں کو آمادہ کرتے تھے فرماتے کہ فلاں آگے بڑھو، فلاں پیچھے ہٹو۔ آپؐ دو آدمی کے لئے یہ پسند فرماتے تھے کہ اپنی قوم کے جھنڈے تلے جنگ کرے۔

جب دشمن کا سامنا ہوتا تو آپؐ یہ دعا پڑھتے:

اللھم منزل الکتاب ومجری السحاب وھازم الاحزاب، اھزمھم وانصرنا علیھم۔

"اے اللہ! کتاب نازل کرنے والے، بدلیوں کو چلانے والے اور جماعتوں کو شکست دینوالے انھیں شکست دے اور ہماری مدد فرما۔"

اسی طرح یہ آیتیں بھی پڑھتے تھے:

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ ۝ بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَىٰ وَأَمَرُّ۔ (القمر۔ ۴۵-۴۶)

جماعت کو شکست ہوگی اور وہ پیٹھ پھیرلیں گے بلکہ ان کا وعدہ قیامت ہے اور قیامت زیادہ سخت اور تلخ ہے۔

اور آپؐ یہ دعا بھی پڑھتے تھے۔

اللّٰھم انزل نصرك۔ "اے اللہ! اپنی مدد نازل فرما۔"

یہ دُعا بھی پڑھتے تھے :

اللّٰھم انت عضدی وانت نصیری "اے اللہ تو میرا بازو ہے، تو میرا مددگار ہے
بك اقاتل۔ تیرے ہی سہارے سے میں جنگ کرتا ہوں۔

جنگ کی شدت کے وقت جب دشمن آپؐ کا قصد کرتے تو آپؐ خود کو بتانے کے لئے فرماتے :

انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب "میں سچا نبی اور عبدالمطلب کا پوتا ہوں۔"

جنگ کی شدت کے موقع پر صحابہ آپؐ کے ذریعہ دشمن سے بچاؤ حاصل کرتے تھے۔ میدان میں دشمن سے زیادہ قریب آپؐ ہی ہوتے، اور صحابہ کے لئے آپؐ کوئی علامتی جملہ مقرر فرما دیتے تھے تاکہ جب اسے بولیں تو پہچان لئے جائیں، یہ جملہ کبھی تو یوں ہوتا "اَمِتْ، اَمِتْ "مارو، مارو۔ اور کبھی یوں ہوتا "یا منصور اَمِت "اے ظفر یافتہ مار۔ اور کبھی یوں ہوتا "حم، لا ینصرون "، حم، ان کی مدد نہیں ہوگی۔

جنگ کے موقع پر آپؐ زرہ اور خود پہنتے، تلوار لٹکاتے، نیزہ اور عربی کمان اٹھاتے اور ڈھال لیتے تھے، ایسے موقع پر آپؐ اکڑ کو پسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے :" بعض اکڑ اللہ کو محبوب ہے اور بعض ناپسند"۔ لڑائی اور صدقہ کے موقع کی اکڑ کو اللہ پسند کرتا ہے اور فسق و فجور کی اکڑ اسے ناپسند ہے۔

لڑائی میں ایک بار طائف والوں کے خلاف آپؐ نے منجنیق کا بھی استعمال کیا تھا۔ آپؐ عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرماتے تھے، دشمنوں کی لڑنے والی فوج میں جو بالغ ہوتا اسے قتل کر دیتے اور جو بالغ نہ ہوتا اسے زندہ رکھتے۔

جب کوئی لشکر بھیجتے تو اسے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتے اور فرماتے :

سیروا بسم اللہ وفی سبیل اللہ "اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں جاؤ، کافروں
قاتلوا من کفر باللہ، ولا تمثلوا سے جنگ کرو، مثلہ نہ کرو، یعنی حلیہ نہ بگاڑو۔
ولا تغدروا ولا تقتلوا ولیدا۔ بدعہدی نہ کرو اور لڑکوں کو قتل نہ کرو۔"

دشمن کے علاقہ میں قرآن لے کر جانے سے آپؐ منع فرماتے تھے، اور لشکر کے امیر کو یہ حکم دیتے تھے کہ لڑائی سے پہلے وہ دشمن کو اسلام و ہجرت یا صرف اسلام کی دعوت دے، اس طرح ان کی حیثیت دیہاتی مسلمان کی ہو جاتے گی یعنی فیٔ میں ان کا حصہ نہ ہوگا، یا پھر وہ جزیہ دیں۔ اگر ان میں سے کوئی بات وہ مان لیں تو پھر جنگ نہ ہوگی، ورنہ اللہ کی مدد سے ان سے جنگ کرو۔

دشمن سے فتح کے بعد آپؐ منادی کو حکم فرماتے اور وہ تمام غنیمت جمع کرتا، پہلے آپؐ انفرادی حصوں کو تقسیم فرماتے، پھر پانچواں حصہ علیٰحدہ کرتے جو اللہ کے حکم کے مطابق اپنے مصرف اور اسلام کے مفاد میں خرچ ہوتا۔ پھر بقیہ مال سے عورتوں، بچوں اور غلاموں میں سے انھیں دیتے جن کا حصہ نہیں ہے، اس کے بعد بقیہ مال برابری سے تقسیم فرماتے، گھوڑ سوار کو تین حصہ اور پیدل کو ایک ملتا، یہی صحیح قول ہے۔

مال غنیمت سے آپؐ بتقاضائے مصلحت بعض لوگوں کو مزید دیتے تھے، بعض غزوات میں سلمہ بن اکوع کو آپؐ نے سوار اور پیدل دونوں کے حصے دیئے تھے یعنی کل پانچ حصے انھیں ملے، کیوں کہ ان کی کارگذاری عظیم تھی۔ زائد حصہ کے علاوہ آپؐ کمزور و مضبوط سب کو برابر دیتے تھے۔ جب دشمن کے علاقہ پر آپؐ چڑھائی کرتے اور وہاں پہلے کوئی لشکر بھیجتے تو اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی غنیمت کا پانچواں حصہ نکال کر بقیہ مال کا چوتھا حصہ اسی لشکر کو دیدیتے، پھر باقی مال کو اس لشکر اور بقیہ تمام مجاہدوں کے مابین تقسیم فرما دیتے، اور جب لشکر لوٹ آتا تو غنیمت حاصل کرنے والی

ٹولی کو تیسرا حصہ دیتے، اور اس کے باوجود زائد حصہ کو ناپسند کرتے اور فرماتے:

"مسلمانوں میں قوی، ضعیف کو یہ حصہ لوٹا دے۔"

غنیمت کے مال میں آپؐ کا بھی ایک حصہ ہوتا تھا جسے صَفِی (منتخب) کہا جاتا تھا، اس میں تقسیم سے پہلے کبھی آپؐ کوئی غلام یا گھوڑا یا اس کے علاوہ کوئی اور چیز منتخب فرمالیتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ اسی قسم سے تھیں۔ اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ آپؐ کی تلوار ذوالفقار بھی اسی قسم سے ملی تھی۔

مسلمانوں کی کسی مصلحت کے لئے اگر کوئی شخص لڑائی سے غیر حاضر ہوتا تو اس کا بھی حصہ آپؐ دیتے، چنانچہ حضرت عثمانؓ آپؐ کی صاحبزادی کی تیمارداری کی وجہ سے بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہوسکے تھے لیکن آپؐ نے ان کا حصہ دیا تھا اور فرمایا تھا کہ "عثمان، اللہ اور رسول کے کام میں گئے ہیں۔"

صحابۂ کرام غزوہ میں آپؐ کے ساتھ رہتے ہوئے خرید و فروخت بھی کرتے تھے، آپؐ اسے دیکھتے اور منع نہیں فرماتے تھے۔ صحابہ غزوے کے لئے لوگوں کو مزدوری پر بھی رکھتے تھے، اس کی دو صورت ہوتی تھی، ایک تو یہ کہ آدمی غزوہ کے لئے نکلتا تو اپنے ساتھ بطور خادم کسی شخص کو اُجرت پر ساتھ لے لیتا۔ دوم یہ کہ غزوہ میں جانے کے لئے کسی کو اُجرت پر متعین کر لیتا، اس کو "جعائل" کے لفظ سے تعبیر کرتے تھے، انھیں سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "غازی کو اس کا اجر اور اُجرت پر جہاد کے لئے بھیجنے والے کو اس کا اجر اور غازی کا اجر ملے گا۔ مال غنیمت میں شرکت کی بھی دو صورت تھی، ایک بدنی شرکت، اور دوسری یہ کہ ایک آدمی اپنا اونٹ یا گھوڑا دوسرے کو اس شرط پر دیتا کہ اس پر سوار ہو کر جہاد کرے اور جو مال غنیمت حاصل ہو اسے دونوں آدھا آدھا تقسیم کرلیں۔ اس طرح کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک شخص کو تیر

کا نچلا حصہ مل گیا اور دوسرے کو اس کا پھل اور پتہ ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ، میں، عمار اور سعد بدر کے دن حاصل ہونے والے مال میں شریک تھے، سعد دو قیدی لائے اور میں اور عمار خالی ہاتھ آئے۔

آپؐ کبھی سوار فوج روانہ فرماتے اور کبھی پیدل۔ اور جو شخص فتح کے بعد بطور کمک آتا اسے حصہ نہ دیتے تھے۔ قرابتمندوں کا حصہ آپؐ بنو عبد شمس اور بنو نوفل کے سوا صرف بنو ہاشم اور بنو مطلب کو دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ بنو مطلب اور بنو ہاشم دونوں ایک چیز ہیں (انگلیاں ایک دوسرے میں داخل کر کے آپؐ اشارہ فرماتے) انھوں نے ہم کو دَورِ جاہلیت اور اسلام دونوں میں چھوڑا نہیں۔ غزوات میں مسلمانوں کو شہد، انگور اور کھانا ملتا تو اسے وہ کھا لیتے اور غنیمت میں داخل نہ کرتے۔ ابن ابی اوفی سے پوچھا گیا کہ تم لوگ کھانے کا پانچواں حصّہ نکالتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ خیبر کے دن ہمیں کھانا ملا، لوگ آتے تھے اور اس میں سے ضرورت کے مطابق لیجاتے تھے۔ بعض صحابہ نے کہا کہ 'غزوہ میں ہم اخروٹ کھاتے تھے اور اسے تقسیم نہیں کرتے تھے، ایسا ہوتا تھا کہ ہم اپنے ٹھکانوں پر لوٹتے تو ہماری خرجیاں (تھیلیاں) بھری ہوتیں

آپؐ غزوہ میں لوٹ مار اور لاش کا حلیہ بگاڑنے سے منع فرماتے تھے، آپؐ کا ارشاد ہے کہ "جس نے کوئی مال لوٹا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔"

آپؐ نے مال غنیمت کے جانور پر سواری سے منع فرمایا کہ جب دُبلا ہو جائے تو لوٹا دیا جائے۔ اسی طرح مال غنیمت کا کپڑا پہننے سے بھی منع فرمایا کہ جب پُرانا ہو جائے تو لوٹا دیا جائے، البتہ اس طرح کی چیزوں سے جنگ کے دوران فائدہ اٹھانے سے منع نہیں فرمایا۔ مال غنیمت میں خیانت سے آپؐ انتہائی سختی سے منع فرماتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ، خیانت کرنے والوں کے حق میں یہ چیز قیامت کے دن عار،

رسوائی اور جہنم کا باعث ہو گی۔ جب آپؐ کا غلام مدعم زخمی ہوا تو بعض صحابہ نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ" ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، خیبر کے دن مال غنیمت کی تقسیم سے پہلے جو چادر اس نے لی تھی وہ آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے۔ یہ سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے آیا، آپؐ نے فرمایا کہ ایک یا دو تسمہ بھی آگ ہو جائے گا۔

آپؐ کے سامان کا ایک نگہبان فوت ہو گیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے، صحابہ واقفیت کے لئے گئے تو دیکھا کہ اس نے ایک عبا چرالی تھی۔ بعض غزوات میں صحابہ کہنے لگے کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ پھر ایک شخص کے پاس سے گذرے تو کہا کہ اور فلاں بھی شہید ہے۔ آپؐ نے فرمایا" ہرگز نہیں، میں نے اسے ایک چادر یا عباء کی خیانت کے سبب دوزخ میں جلتے ہوئے دیکھا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ" ابن خطاب، جاؤ اور جا کر لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں ایمان والوں کے علاوہ کوئی داخل نہ ہو گا۔

جب آپؐ کو غنیمت کا کوئی مال ملتا تو آپؐ حضرت بلالؓ کو حکم فرماتے کہ لوگوں میں پکار آؤ کہ غنیمت کا مال لے کر آجائیں، پھر آپ پانچواں حصہ نکال کر اسے تقسیم کر دیتے ایک شخص تقسیم کے بعد بالوں کی ایک لگام لے آیا، آپؐ نے پوچھا کہ بلال کی پکار تم نے سنی تھی؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے پوچھا" پھر کیوں نہیں پہلے آئے"؟ اس نے معذرت کی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اب تو ہی اسے قیامت کے دن بھی لائے گا، میں تجھ سے اس کو ہرگز قبول نہیں کروں گا۔

آپؐ نے خائن کے سامان کو جلا دینے کا حکم فرمایا تھا، اور آپؐ کے بعد حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے سامان جلایا اور اسے مارا بھی۔ علماء کا قول ہے کہ یہ ان احادیث سے

منسوخ ہے جو مذکور ہوئیں کیوں کہ ان میں جلانے کا ذکر نہیں۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ایسا کرنا ایک طرح کی تعزیر اور مالی سزا ہے جس کا تعلق مصلحت کے مطابق ائمہ کے اجتہاد سے ہے، جیسا کہ شراب پینے والوں کو تیسری یا چوتھی بار میں قتل کر دیا جاتا ہے۔

۶۳۔ فصل

اسیرانِ جنگ کے ساتھ آپؐ کا معاملہ

جنگی قیدیوں میں بعض کو آپؐ رہا فرما دیتے اور بعض کو قتل کروا دیتے تھے۔ بعض قیدیوں کو مال کے بدلہ اور بعض کو مسلم قیدیوں کی رہائی کے عوض بھی آزاد کرتے تھے۔ مصلحت کے مطابق آپؐ نے ہر ایک شکل اختیار فرمائی۔ آپؐ کے چچا حضرت عباس کا فدیہ چھوڑنے کے لئے صحابہ نے آپؐ سے اجازت مانگی تو آپؐ نے فرمایا کہ ایک درہم بھی نہ چھوڑو۔

ہوازن کے قیدیوں کو آپؐ نے تقسیم کے بعد واپس کر دیا تھا اور غنیمت کے مستحق صحابہ نے اسے بخوشی منظور کر لیا تھا، جن لوگوں کو کچھ پس وپیش تھا انہیں آپؐ نے فی کس کے عوض چھ حصے دیئے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ بعض قیدیوں کے پاس مال نہیں تھا، ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم فرمایا کہ وہ انصار کو کتابت سکھا دیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کام کے ذریعہ فدیہ دینا جائز ہے۔ آپؐ کے اور صحابہ کے طرز عمل سے یہ ثابت ہے کہ عرب قیدیوں کو غلام بنانا اور لونڈیوں کو خرید کر صحبت کرنا صحیح ہے، اسلام کی شرط اس میں نہیں ہے۔ آپؐ قیدیوں میں ماں اور بچہ کے

درمیان تفریق سے منع فرماتے تھے اور ایک گھر والوں کو کسی ایک شخص کو دیدیتے تاکہ ان کے درمیان تفریق نہ ہو۔

مشرکین کے ایک جاسوس کو قتل کرنا آپؐ سے ثابت ہے، لیکن حاطب کو جاسوسی کے باوجود آپؐ نے قتل نہیں فرمایا اور غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کا ذکر کیا مسلمان جاسوس کو قتل نہ کرنے کے قائلین اسی واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ امام مالک اور امام احمد کے اصحاب میں ابن عقیل اور دوسرے علماء مسلمان جاسوس کے قتل کے قائل ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ قتل نہ کرنے کا سبب یعنی بدر کی حاضری دوسرے جاسوسوں میں مفقود ہے۔ اگر محض اسلام کی بنا پر آپؐ نے قتل نہ کیا ہوتا تو دوسری مخصوص علت کا ذکر نہ فرماتے، کیوں کہ جب کسی حکم کی توجیہ کسی عام علت کی بجائے ہوگی تو خاص علت غیر مؤثر ہوگی، اور یہی مذہب زیادہ قوی ہے۔

آپؐ کا معمول یہ بھی تھا کہ مشرکین کے غلام اگر مسلمانوں کے پاس آکر اسلام قبول کر لیتے تو آپؐ انھیں آزاد فرما دیتے تھے۔ آپؐ کی سنت یہ بھی تھی کہ مسلمان ہونے والے کے پاس جو کچھ ہوتا اسے اسی کے پاس واپس کر دیتے۔ آپؐ کافروں سے ان کے مسلمان ہونے کے بعد وہ مال واپس نہیں لیتے تھے جسے انھوں نے مسلمانوں سے زبردستی چھین لیا تھا۔

فصل ۔ ۶۴

غنیمت کی زمین کی تقسیم

روایات سے ثابت ہے کہ آپؐ نے بنو قریظہ اور بنو نضیر کی پوری زمین اور خیبر کی نصف زمین اصحاب غنیمت کے مابین تقسیم کر دی، اور بقیہ نصف زمین آنیوالے

وفود اور دوسرے معاملات و حوادث کے لئے علیحدہ کر دی۔ آپؐ نے مکہ کی زمین کو تقسیم نہیں کیا۔ ایک جماعت نے اس کی توجیہ میں یہ کہا ہے کہ چونکہ مکہ ارکان حج کی ادائگی کا مقام ہے اس لیئے اس کی تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ یہ سرزمین اللہ کی طرف سے بندوں پر وقف ہے۔

ایک جماعت کا خیال ہے کہ، امام وقت کو اختیار ہے، چاہے تو اسے تقسیم کرے اور چاہے تو وقف کر دے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ زمین قابل تقسیم غنیمت میں داخل نہیں، بلکہ جانور اور منقولہ مال ہی تقسم کئے جائیں گے، اس لئے کہ غنائم دوسری امتوں کے لئے حلال نہیں تھے، لیکن مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے کفار کی زمین اور ان کے گھروں کو حلال قرار دیا۔ فرعون اور اس کی قوم کی زمین کے مکانات کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَوْرَثْنَاهَا بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ "ہم نے بنی اسرائیل کو اس زمین کا مالک بنایا۔"

(سورہ شعراء ۔ ۶۰)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین کو تقسیم بھی کیا ہے اور بغیر تقسیم بھی رکھا ہے۔ اور حضرت عمرؓ نے تقسیم کرنے کے بجائے اس پر دائمی ٹیکس لگا دیا جسے فوج پر خرچ کیا جاتا تھا، اور زمین کے وقف کا یہی مفہوم ہے، نہ یہ کہ اس سے ملکیت کی منتقلی ناجائز ہے، بلکہ اس کی بیع جائز ہے جیسا کہ امت کا تعامل ہے، اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ ایسی زمین کی وراثت جائز ہے۔ امام احمد نے وضاحت کی ہے کہ ایسی زمین کو مہر میں دیا جا سکتا ہے۔ اور وقف کو بیچنا اس لئے ممنوع ہے کہ اس سے جن پر وقف کیا گیا ہے ان کا حق ضائع ہو جاتا ہے اور فوجیوں کو خراج کی زمین میں حق ہوتا ہے جو بیع سے باطل نہیں ہوتا۔ اس کی نظیر مکاتب غلام کی بیع ہے، اس کے

اندر کتابت سے حریت کا سبب منعقد ہے، اس لئے وہ مشتری کی طرف مکاتب ہی منتقل ہوگا جیسا کہ بائع کے پاس تھا۔

ہجرت کا امکان ہو تو مشرکوں کے مابین قیام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ، مشرکوں کے بیچ اقامت اختیار کرنے والے مسلمان سے میں بَری ہوں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیوں یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا کہ: دونوں کی آگ دیکھی نہیں جاسکتی۔ مزید فرمایا کہ: جو مشرک کیساتھ آ رہے اور اس کیساتھ رہے وہ اسی جیسا ہے۔ اور فرمایا کہ جبتک توبہ بند نہ ہو ہجرت بند نہ ہوگی، اور توبہ مغرب سے سورج طلوع ہونے تک بند نہ ہوگی۔ اور فرمایا، ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی، اور سب سے بہتر وہ لوگ ہوں گے جو حضرت ابراہیم کی ہجرت کے مقام کو لازم پکڑیں، اور زمین پر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے، انہیں زمین اگل دے گی، اور اللہ تعالیٰ سور اور بندر کے ساتھ ان کو اٹھائے گا۔

۶۵۔ فصل

امان، صلح، جزیہ، ایفاء عہد، قاصدان کفار اور اہل کتاب و منافقین کیساتھ نبیؐ کا معاملہ

حدیث میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے، معمولی مسلمان پر بھی اس کے لئے کوشش ضروری ہے، جو کسی مسلمان کے ساتھ غداری کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ، تمام فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی نفل و فرض کوئی عبادت قبول نہیں فرمائے گا۔

آپؐ کا یہ فرمان بھی ثابت ہے کہ، جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس کی مدت گذرنے تک نہ تو اسے توڑے نہ پختہ کرے، البتہ آگاہی کے بعد اسے ختم کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ، جس شخص نے کسی آدمی کو امان دینے کے بعد قتل کر دیا میں اس سے بَری ہوں۔ آپؐ سے یہ بھی منقول ہے کہ، جب کوئی قوم بدعہدی کرتی ہے تو اس پر دشمن کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو کافروں میں تین گروہ ہو گئے ایک سے آپؐ نے اس شرط پر صلح کر لی کہ وہ مسلمانوں سے جنگ نہ کریں گے اور ان کے خلاف دشمنوں کی مدد نہ کریں۔ دوسرے گروہ نے آپؐ کے ساتھ جنگ کا اعلان کر دیا، اور تیسرا گروہ خاموشی کے ساتھ مستقبل میں حالات کا منتظر رہا۔ پھر ان میں کچھ لوگ ایسے تھے جو دل سے مسلمانوں کی فتح کے خواہشمند تھے، اور کچھ لوگ ان کے دشمنوں کے غلبہ کے متمنی تھے۔ بعض لوگ بہ ظاہر مسلمانوں کے ساتھ لیکن دَرپردہ ان کے دشمنوں سے ربط رکھتے تھے۔ آپؐ نے ہر گروہ کے ساتھ امر الٰہی کے مطابق برتاؤ کیا۔

چنانچہ مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ آپؐ نے مصالحت کی، لیکن غزوۂ بدر کے کے بعد بنو قینقاع نے آپؐ سے جنگ کی، بدر میں مسلمانوں کی کامیابی ان کی حلق سے نہیں اتری اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ظلم و حسد پر آمادہ ہو گئے۔ اسی طرح بنو نضیر نے بھی بدعہدی کی، آپؐ نے ان پر چڑھائی کر کے ان کا محاصرہ کیا، کھجور کے درخت کاٹ کر انہیں جلا دیا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے اس شرط پر مدینہ سے نکلنا منظور کر لیا کہ ہتھیار کے علاوہ جو کچھ اونٹ پر لیجا سکیں لیجائیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ سورۂ حشر میں بیان کیا ہے۔

پھر بنو قریظہ نے بدعہدی کی، یہودیوں میں یہ لوگ مسلمانوں کے سخت دشمن تھے اور کفر میں سب سے آگے تھے۔ اسی لئے دوسرے یہودیوں کے مقابلہ میں ان کے ساتھ زیادہ سختی کا برتاؤ کیا گیا۔ یہ واقعات مدینہ کے یہودیوں کیساتھ پیش آئے۔ آپؐ ہر بڑے غزوہ کے بعد یہودیوں کی کسی نہ کسی جماعت کیساتھ جنگ کے لئے مجبور ہوتے چنانچہ غزوۂ بدر کے بعد بنو قینقاع کیساتھ، احد کے بعد بنو نضیر کیساتھ اور خندق کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کرنی پڑی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ تھی کہ آپؐ جب کسی قوم سے مصالحت کرتے اور اس کا کوئی فرد معاہدہ کی خلاف ورزی کرتا اور باقی لوگ معاہدہ کے پابند رہتے تو آپؐ تمام افراد سے جنگ کرتے، جیسا کہ بنو نضیر، بنو قریظہ اور اہل مکہ کے ساتھ ہوا معاہدین کے بارے میں یہی آپؐ کی سنت تھی۔

امام احمد کے اصحاب اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کی تصریح کے مطابق ذمیوں کے بارے میں بھی مذکورہ طرز عمل اختیار کیا جائے گا لیکن امام شافعی کے متبعین اس کے مخالف ہیں، ان لوگوں نے صرف ان افراد کے حق میں عہد توڑنے کی اجازت دی ہے جو اسے توڑیں، لیکن جو لوگ عہد کے پابند اور معترف ہوں ان کے ساتھ پابندی ضروری ہے۔ دونوں صورتوں میں انھوں نے یہ کہہ کر امتیاز کیا ہے کہ ذمہ کا معاملہ زیادہ پابندی کا مستحق ہے لیکن پہلی رائے زیادہ مفید ہے۔ شام میں نصرانیوں نے جب مسلمانوں کا مال جلا دیا تھا اور ان میں سے جن کو علم تھا انھوں نے حاکم کو اس کی اطلاع دینے کے بجائے ظالموں کا ساتھ دیا تھا تو ہم نے یہی فتویٰ دیا تھا۔ ایسی صورت میں خائنین کی حد قتل ہے، امام کو ان کے بارے میں کسی طرح کا اختیار نہیں، قتل کو بطور حد نافذ کیا جائے گا۔

جو لوگ ذمہ کے تحت اور ملت کے احکام کے پابند ہوں ان سے اسلام بطور حد واجب ہونے والے قتل کو ساقط نہیں کرتا، بخلاف محارب کے، کیوں کہ وہ جب اسلام قبول کر لیتا ہے تو اس کا دوسرا حکم ہوتا ہے، اور بدعہدی کرنے والے ذمی کا دوسرا حکم۔ امام احمد کے کلام سے یہی ثابت ہوتا ہے، اور ہمارے شیخ (ابن تیمیہ) نے متعدد جگہ یہی فتویٰ دیا ہے۔

آپؐ کی سنت یہ بھی تھی کہ جب کسی قوم کے ساتھ مصالحت کرتے اور ان کے ساتھ آپؐ کے دوسرے دشمن شریک ہوتے اور معاہدہ میں داخل ہو جاتے اور اسی طرح اور دوسرے لوگ بھی اس میں شامل ہوتے تو آپؐ کے کافر معاہدین کے ساتھ جنگ کرنے والے آپؐ کیساتھ جنگ کرنے والے تصور کئے جاتے، اسی وجہ سے آپؐ نے اہل مکہ پر حملہ کیا تھا۔ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اسی وجہ سے مشرق کے نصرانیوں کے ساتھ جنگ کا فتویٰ دیا تھا، کیوں کہ انھوں نے مسلمانوں کے دشمن تاتاریوں کی مدد کی تھی اور ان کے لئے ہتھیار فراہم کئے تھے، اسی بناء پر انھیں عہد شکنی کا مرتکب مانا گیا۔ اور اگر ذمی لوگ مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مشرکین کی مدد کریں تو یہ اور زیادہ سنگین جرم ہو گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دشمنوں کے قاصد آتے تھے، لیکن آپؐ کی طرف سے انھیں نہ تو ہراساں کیا جاتا نہ قتل کیا جاتا۔ مسیلمہ کذاب کے دو قاصد آپؐ کے پاس آئے اور بات چیت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ "اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا دستور نہ ہوتا تو میں تم کو قتل کر دیتا۔" یہیں سے یہ سنت ہو گئی کہ قاصد قتل نہ کئے جائیں۔ آپؐ کا یہ طریقہ تھا کہ قاصد اگر اسلام قبول کر لیتا تو اسے اپنے پاس روکتے نہیں تھے بلکہ واپس کر دیتے تھے، چنانچہ ابو رافع کہتے ہیں کہ مجھے قریش نے آپؐ کے

پاس بھیجا اور میرے دل میں اسلام داخل ہوگیا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں واپس نہیں جاؤں گا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں بدعہدی نہ کروں گا اور قاصدوں کو نہ روکوں گا، تم لوٹ جاؤ، اور اس کے بعد بھی اپنے دل میں اسلام کی رغبت محسوس کرو تو دوبارہ واپس آجاؤ۔

امام احمد کہتے ہیں کہ ایسا اس وقت ہوا تھا جب آپؐ نے قریش کے ساتھ معاہدہ میں یہ شرط منظور فرمائی تھی کہ ان میں سے اگر کوئی آپؐ کے پاس آئے گا تو اسے آپؐ واپس بھیج دیں گے۔ لیکن آج کے دور میں ایسا نہیں کیا جائے گا۔ قاصدوں کو نہ روکنے کی جو بات آپؐ نے فرمائی اس میں اشارہ ہے کہ یہ مطلق قاصدوں کے ساتھ خاص ہے لیکن مسلمان ہوکر آنے والوں کو واپس کرنے کی بات شرط پر موقوف ہے، اگر شرط نہ ہو تو انھیں واپس نہیں کیا جائے گا۔ لیکن قاصدوں کا حکم دوسرا ہے۔

آپؐ کی سنت تھی کہ اگر دشمنان دین کسی صحابی سے آپؐ کی رضامندی کے بغیر ایسا معاہدہ کر لیتے جس سے مسلمانوں کے نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو آپؐ اس کو برقرار رکھتے، چنانچہ انھوں نے حذیفہ اور ان کے والد حسیل سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ یہ دونوں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان سے جنگ نہ کریں، آپؐ نے اسے برقرار رکھتے ہوئے فرمایا کہ "جاؤ اپنا عہد پورا کرو، ہم اللہ سے مدد مانگیں گے۔"

آپؐ نے قریش کے ساتھ دس سال کے لئے مصالحت کی تھی، اس میں یہ شرط تھی کہ قریش کا کوئی آدمی مسلمان ہوکر آپؐ کے پاس آئے گا تو آپؐ اسے واپس کردیں گے اور آپؐ کے پاس سے کوئی ان کے پاس جائے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے معاہدہ کے الفاظ مرد و عورت دونوں کے لئے عام تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے حق میں اسے منسوخ کردیا اور یہ حکم فرمایا کہ عورتوں کا امتحان لیا جائے، اگر یہ معلوم

ہو جائے کہ وہ مومن ہیں تو انھیں واپس نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کا مہر واپس کیا جائیگا۔

آپؐ نے مسلمانوں کو یہ حکم فرمایا کہ جو مسلمان عورت ہجرت کر کے ان کے پاس آ جائے اسے اس کے مشرک شوہر کے پاس واپس نہ لوٹائیں، بلکہ صرف اس کا مہر واپس کر دیں۔

اور اس حکم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شوہر کی ملکیت سے عورت کے نکلنے کی قیمت دی جائے گی اور اس میں مہر مثل کے بجائے متعین مہر کا اعتبار ہوگا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کفار کا نکاح صحیح ہے، اور یہ کہ شرط کے باوجود ہجرت کرنے والی مسلمان عورت کو واپس نہیں لوٹایا جائے گا، اور یہ کہ مسلمان عورت کیلئے کافر سے نکاح جائز نہیں، اور یہ کہ مسلمان مرد ہجرت کرنے والی عورت سے عدت کے بعد نکاح کر سکتا ہے، اور اسے مہر بھی دینا ہوگا۔ اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عورت شوہر کی ملکیت سے نکل جاتی ہے، اور ہجرت سے نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مشرکہ عورت کا مسلمان مرد سے اور مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح حرام ہے۔ اور یہ احکام قرآن کی آیات سے ماخوذ ہیں، ان میں سے بعض پر سب کا اتفاق ہے اور بعض میں کچھ اختلاف۔ لیکن ان کے نسخ کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس کوئی دلیل نہیں، اس لئے کہ شرط مردوں کے ساتھ خاص ہے، عورتیں اس میں داخل نہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو واپس لوٹانے سے منع فرمایا ہے۔

آپؐ نے مہر کو واپس کرنے کا بھی حکم دیا ہے، جس شخص کی عورت مسلمانوں کے پاس آ جاتے اسے مقررہ مہر دیا جائے گا۔ پھر یہ فرمایا کہ یہ حکم بندوں کے لئے دیا گیا ہے، اور یہ حکمت پر مبنی ہے، اور اس کے خلاف کوئی دوسرا حکم آپؐ سے

منقول نہیں۔ آپؐ نے جب کفار سے مردوں کو واپس لوٹانے کی شرط پر مصالحت کی تو انھیں جوان کے پاس آئے اسے لینے سے منع نہیں فرمایا، نہ اسے لوٹنے پر مجبور کیا، نہ اس کا حکم دیا۔ اس طرح آنے والا اگر کافروں میں سے کسی کو قتل کر دے یا مال لے لیتا تو آپؐ اسے ناپسند نہ فرماتے اور کوئی ضمانت یا تاوان نہ دیتے، کیوں کہ ایسا کرنے والا آپؐ کے دائرہ تسلط سے باہر ہوتا تھا، اور اس کو آپؐ نے کسی کام کا حکم بھی نہیں دیا تھا، اور جان و مال کی امان سے متعلق جو معاہدۂ صلح آپؐ نے طے کیا تھا اس کا تقاضہ صرف یہ تھا کہ ماتحت لوگوں کی ذمہ داری قبول کیجائے جیسا کہ بنو جذیمہ کے لئے ان املاک واموال کی ذمہ داری آپؐ نے اٹھائی تھی جو حضرت خالدؓ کے ہاتھوں تباہ ہو گئے تھے آپؐ نے حضرت خالدؓ کے فعل پر ناپسندیدگی اور اس سے براءت کا بھی اظہار کیا تھا۔

چوں کہ حضرت خالد نے بطور تاویل ایسا کہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو جذیمہ کے غزوہ کا حکم فرمایا تھا اس لئے تاویل و شبہ کی وجہ سے نصف دیت کا تاوان دیا گیا اور انھیں اہل کتاب کے حکم میں رکھا گیا جو ذمہ کی وجہ سے تحفظ کے مستحق ہیں، اسلام کی بنا پر نہیں۔ اور صلح کے معاہدہ کا تقاضہ یہ تھا کہ ایسے لوگوں کے خلاف مدد کیجائے جن پر قبضہ نہیں ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ معاہدین سے اگر ایسے لوگ جنگ کریں جن پر امام کا قبضہ و تسلط نہ ہو خواہ وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، تو امام پر ان کو روکنا ضروری نہ ہوگا اور نہ نقصان کا تاوان واجب ہوگا۔ اور جنگ، مصالح اور سیاست سے متعلق احکام کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے اخذ کرنا رائے اور قیاس کے مقابلہ میں بہتر ہے، اس بنیاد پر اگر کسی مسلمان بادشاہ اور ذمیوں کے مابین معاہدہ ہو تو دوسرے بادشاہ کے لئے جس کے ساتھ ذمیوں کا معاہدہ نہ ہو جائز ہوگا کہ ان پر حملہ کرے، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے ملطیہ کے نصرانیوں کے بارے میں

فتویٰ صادر فرمایا تھا اور ابو بصیر کے واقعہ سے استدلال فرمایا تھا۔

اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں پر فتح پانے کے بعد ان کے ساتھ اس شرط پر مصالحت کی تھی کہ وہ خیبر چھوڑ دیں اور اونٹوں پر جو سامان لیجا سکیں لیجائیں اور جو کچھ سونا چاندی اور ہتھیار ہو وہ سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت ہو۔ معاہدہ کی ایک شرط یہ تھی کہ کوئی کام چھپا کر نہ کریں ورنہ ذمہ ختم ہو جائیگا۔ لیکن معاہدہ کے بعد ان لوگوں نے ایک مشک جس میں حیی بن اخطب کا مال تھا، چھپا دی۔ بنو نضیر کی جلاوطنی کے موقع پر یہ مشک وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حیی کے چچا سے اس کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ لڑائی اور دیگر اخراجات میں وہ رقم ختم ہو گئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ اتنی مختصر مدت میں اتنی زیادہ دولت کس طرح ختم ہو سکتی ہے؟ پھر آپؐ نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کر دیا جنھوں نے تکلیف پہونچائی تو اس نے اقرار کیا کہ میں نے فلاں ویرانے میں حیی کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تلاش کے بعد مشک وہیں ملی، اس اکتشاف کے بعد نبیؐ نے ابو حقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کرا دیا، ان میں سے ایک حیی کی لڑکی صفیہ کا شوہر تھا، آپؐ نے ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے بدعہدی کی بنا پر ان کا مال تقسیم کر دیا اور انھیں جلا وطن کرنے کی نیت فرمائی۔ ان لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیا جائے، ہم یہاں کی زمین سے واقف ہیں اس میں کاشت کریں گے، چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے پاس کام کے لئے افراد نہ تھے اس لئے آپؐ نے خیبر کی زمین ان کے حوالے کر دی اور یہ شرط رکھی کہ غلّہ اور پھل کا آدھا حصّہ انھیں اور آدھا مسلمانوں کو ملے گا، اور آپؐ انھیں جب تک چاہیں گے خیبر میں رہنے دیں گے۔ آپؐ نے بنو قریظہ کی طرح ان کا قتل عام نہیں کیا، کیونکہ بنو قریظہ کے تمام لوگ عہد شکنی میں شریک تھے۔ لیکن ان لوگوں کا معاملہ مختلف تھا۔

جن لوگوں نے مَسَک کو چھپا کر بدعہدی کی تھی وہ شرط کی خلاف ورزی کی بنا پر قتل کئے گئے، لیکن خیبر کے بقیہ یہودی چونکہ اس سے واقف نہ تھے اس لئے انھیں سزائیں نہیں دی گئیں، یہ ایسے ذمی اور معاہد کی مثال ہے جو بدعہدی کا مرتکب ہو اور اس میں دوسرے اس کا ساتھ نہ دیں۔

نصف پیداوار کی شرط پر زمین کو یہودیوں کے حوالے کرنا مساقات ومزارعت کے جائز ہونے کی دلیل ہے، درخت اگر کھجور کا ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ کسی چیز کا جو حکم ہوتا ہے وہی اس کی نظیر کا بھی ہوتا ہے۔ اس لئے انگور اور انجیر کے درختوں والے علاقہ کا جو حکم ہوگا وہی کھجور والے علاقہ کا بھی ہوگا، دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہوگا۔

اس معاملہ سے یہ علم ہوتا ہے کہ مساقات ومزارعت میں بیج کے زمین کے مالک کی طرف سے ہونے کی شرط نہیں لگائی جائے گی، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کو بیج نہیں دیا تھا، اور یہ چیز اتنی قطعیت کیساتھ ثابت ہے کہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اگر زمین میں کام کرنے والے کی طرف سے بیج مہیا کرنے کی شرط لگا دی جائے تو زیادہ درست ہوگا۔ جن لوگوں نے بیج کیلئے مالک زمین کی طرف سے ہونے کی شرط لگائی ہے ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، صرف انھوں نے مزارعت کو مضاربت پر قیاس کیا ہے، لیکن یہ خود ان کے خلاف ہے، کیونکہ مضاربت میں اصل پونجی مالک کو واپس مل جاتی ہے، اور پھر مالک اور کام کرنے والا دونوں نفع تقسیم کر لیتے ہیں۔ اور اگر مزارعت میں اس کی شرط لگا دیجائے تو ان کے نزدیک یہ باطل ہو جائے گی، اسی لئے بیج کو راس المال کی جگہ پر نہیں رکھا گیا ہے بلکہ اس کی حیثیت دیگر سبزیوں کی ہے، چنانچہ بیج پانی اور منافع کا حکم رکھتا ہے کیوں کہ کھیتی تنہا

اسی سے تیار نہیں ہوتی، بلکہ سینچائی اور دوسری محنت ضروری ہوتی ہے، بیج سڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دوسرے اجزاء کو ملاکر کھیتی تیار کرتا ہے، ان اجزاء میں پانی، ہوا، دھوپ، مٹی اور محنت سب داخل ہیں، اس لئے بیج کا حکم دوسرے اجزاء جیسا ہے۔ نیز زمین راس المال کی نظیر ہے، اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ بیج کاشتکار ہی کو دینا چاہیئے مالک زمین کو نہیں۔ مضارع کی وہی حیثیت ہے جو مضارب کی ہے۔

اس سے یہ بھی ثابت ہے کہ مصالحت وقت مقرر کئے بغیر بھی کیجا سکتی ہے، بلکہ یہ امام کی صوابدید پر ہوگا، اور اس پر کہ کوئی چیز معاہدہ کو منسوخ کرنے والی سامنے نہ آجائے، لیکن ایسی صورت میں امام آگاہی کے بغیر دشمنوں سے جنگ نہیں کرسکتا، انھیں آگاہی دینی ضروری ہے تاکہ معاہدہ کے خاتمہ کا سب کو علم ہوجائے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ متہم شخص کو سزا دیجاسکتی ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا واسطہ خزانہ کا پتہ بتا دے، لیکن امت کے لئے متہم لوگوں کے حق میں قانون بنانے کے ارادہ سے مذکورہ صورت پیدا کی گئی اور رحمت و آسانی کے لئے احکام میں گنجائش کی راہ نکالی گئی۔ اسی واقعہ میں قرینہ کے اعتبار کا ثبوت بھی ملتا ہے، کیونکہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ "مدت مختصر اور مال زیادہ تھا پھر کیسے خرچ ہوجائے گا۔" اللہ کے نبی سلیمان علیہ السلام نے بھی لڑکے کی ماں کو متعین کرنے میں یہی صورت اختیار کی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے یہ واقعہ داستان گوئی کے لئے نہیں سنایا تھا، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ احکام میں اس سے عبرت اندوز ہوں۔

اسلام میں قسامت کا حکم اور قتل کے مدعی کی قسم کو مقدم کرنے کا دار ومدار بھی ظاہری قرائن پر ہے۔ لعان میں شوہر کی شہادت کے بعد اگر بیوی شہادت سے مکر جائے

تو اس کو رجم کرنے کے حکم کی بنیاد بھی اسی پر ہے ۔ اسی سے سفر کی وصیت کے بارے میں مسلمانوں سے متعلق اہل کتاب کی شہادت بھی ہے ۔ اور یہ کہ میت کے دونوں ولی اگر وصی کی کسی خیانت سے واقف ہو جائیں تو انھیں یہ حق حاصل ہے کہ قسم کھائیں اور مال کو لے لیں ۔ اسی روشنی میں یہ فتویٰ بھی ہے کہ جس شخص کا مال چوری ہوا ہے وہ اگر کسی مشہور خائن کے ہاتھ میں اپنا کچھ مال دیکھے اور اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس نے کسی دوسرے سے خریدا ہے تو اس کو یہ حق حاصل ہوگا کہ بقیہ مال کی اسی کے پاس موجودگی کے لئے قسم کھالے اور کہے کہ وہی چور ہے، کیوں کہ ظاہری طور پر ملوث ہونے کا ثبوت موجود ہے، اس کی نظیر قسامت میں مقتول کے اولیاء کا حلف ہے، بلکہ مال کا معاملہ کچھ اور ہے، اسی وجہ سے ایک گواہ اور قسم سے یا ایک گواہ اور دو عورتیں سے مال کا معاملہ ثابت ہو جاتا ہے لیکن خون کے لئے ایسا نہیں ہے، قرآن و سنت سے بھی معلوم ہوتا ہے، اور جو لوگ نسخ کے مدعی ہیں ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، کیوں کہ یہ حکم سورہ مائدہ کا ہے، اور وہ آخری زمانہ میں نازل ہوئی تھی، اسی کے مطابق صحابہ نے بھی فیصلے کئے ہیں ۔

یہی چیز حضرت یوسف کے معاملہ میں گواہی دینے والے شخص کے اس استدلال میں بھی ملتی ہے جو اس نے ان کی قمیص سے کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو چوں کہ تثبیت کے طور پر ذکر کیا ہے، اس لئے اس کا اتباع کیا جائیگا ۔

جب آپؐ نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں قیام کی اجازت دیدی تو پھر ہر سال ایک اندازہ کرنے والے کو ان کے پاس بھیجنے لگے، وہ اندازہ کر کے مسلمانوں کا حصہ الگ کر لیتا اور انھیں ذمہ دار بنا دیتا پھر وہ بقیہ پیداوار میں تصرف کرتے ۔ آپؐ صرف ایک ہی اندازہ کرنے والے بھیجتے تھے ۔ اس عمل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلاحیت کے

ظہور کے بعد پھلوں کا اندازہ کرنا جائز ہے، اور کھجور کے درختوں پر اندازہ کے بعد پھلوں کی تقسیم بھی جائز ہے جس سے شرکار کا حصہ متعین ہو جائے خواہ ابھی یہ نہ پتہ چلے کہ نمو کی صلاحیت کس میں ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقسیم علیحدگی ہے بیع نہیں، اور اندازہ و تقسیم کرنے والا ایک ہی آدمی ہو سکتا ہے، اور یہ کہ جس کے ہاتھ میں پھل ہے وہ اندازہ کے بعد اس میں تصرف کر سکتا ہے جب کہ اپنے شریک کے حصہ کا محافظ ہو۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں ان کے لڑکے عبداللہ خیبر میں اپنے مال کے لئے گئے تو یہودیوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی اور انھیں مکان سے نیچے ڈال دیا جس سے ان کا ہاتھ اکھڑ گیا، اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے انھیں شام کی طرف جلا وطن کر دیا اور خیبر کے علاقہ کو صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ کے مابین تقسیم کر دیا۔

۶۶۔ فصل

ذمہ کے انعقاد اور جزیہ کی وصولی کا بیان

ذمہ اور جزیہ سے متعلق آپؐ کی سنت یہ تھی کہ ۸ھ میں سورہ برائت کے اترنے سے پہلے آپؐ نے جزیہ نہیں لیا تھا، جب جزیہ کی آیت نازل ہوئی تو مجوسیوں اور اہل کتاب سے آپؐ نے جزیہ لیا، لیکن خیبر کے یہودیوں سے نہیں لیا۔ اس سے غلطی کا شکار ہونے والوں نے یہ سمجھا کہ یہ حکم خیبر والوں کے لئے خاص ہے، لیکن یہ عدم تفقہ کی دلیل ہے، کیوں کہ آپؐ نے اہل خیبر کے ساتھ جزیہ کی آیت اترنے سے پہلے ہی مصالحت کر لی تھی، پھر اللہ تعالیٰ کا یہ حکم نازل ہوا کہ آپؐ اہل کتاب سے جنگ کریں یہاں تک وہ جزیہ دیں، اس لئے خیبر والے اس حکم میں داخل نہیں ہوئے، کیوں کہ قدیم معاہدہ میں انھیں

وہاں آباد رہنے اور زمین میں نصف پیداوار کی شرط پر کام کرنے کی اجازت مل چکی تھی، اس لئے آپؐ نے ان سے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کیا، لیکن جن لوگوں کے ساتھ اس طرح کا کوئی معاہدہ نہیں تھا ان سے مطالبہ کیا گیا۔ جب حضرت عمرؓ نے انھیں جلا وطن کر دیا تو سابقہ معاہدہ بدل گیا، اور یہ بھی دوسرے اہل کتاب کے حکم میں داخل ہوگئے پھر جب بعض ایسی حکومتوں کا دور آیا جن میں سنت مخفی ہوگئی تو ان میں سے ایک جماعت نے ایک مکتوب کا انکشاف کیا جو قدیم نظر آتا تھا لیکن جعلی تھا، اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اہل خیبر کے یہودیوں سے جزیہ ساقط کیا جاتا ہے۔ اس مکتوب میں حضرت علی بن ابی طالب، سعد بن معاذ اور صحابہ میں سے ایک جماعت کی شہادت موجود تھی، اور اسی وجہ سے اس مکتوب کو جاہلوں نے صحیح سمجھ لیا اور اس پر عمل کرنے لگے، پھر وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے پاس پہونچا اور ان سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ اس کی تنفیذ میں مدد دیں۔ انھوں نے اس پر تھوک کر اس کے جھوٹ ہونے کی دس دلیلیں ذکر کیں۔

ان میں سے ایک دلیل یہ ہے کہ حضرت سعد خیبر کی فتح سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جزیہ کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ اس مکتوب میں کلف وسخر یعنی بیگار وسختی کے ساقط کرنے کا ذکر ہے، حالانکہ یہ چیزیں آپؐ کے زمانہ میں مقرر نہ تھیں، بلکہ بعد کے ظالم بادشاہوں نے انھیں مقرر کیا تھا، اور بعد تک مقرر رہیں۔

چوتھی دلیل یہ ہے کہ اس مکتوب کا کسی عالم نے ذکر نہیں کیا ہے، نہ سیرت وحدیث کی کتابوں میں اس کا تذکرہ ہے، نہ زمانۂ سلف میں یہودیوں نے اسے پیش کیا، کیوں کہ انھیں علم تھا کہ وہ لوگ اس کی حقیقت سے باخبر ہیں۔ لیکن جب سنت کا علم مخفی ہوگیا

تو اس تحریف کو وہ لوگ سامنے لائے اور بعض خیانت پسندوں نے ان کی مدد کی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس خیانت کا پردہ فاش کر دیا اور رسول کے خلفاء نے اس کے بطلان کو واضح کر دیا۔

آپؐ نے بُت پرستوں سے جزیہ نہیں لیا تھا۔ جس کی بنا پر یہ کہا گیا کہ مجوس، یہود اور نصاریٰ کے علاوہ دوسرے کافروں سے لینا جائز نہیں، اور اسی میں آپؐ کی اقتداء ہے۔ بعض لوگوں کا قول ہے کہ عرب کے علاوہ عجم کے بت پرستوں سے لیا جائیگا۔ پہلا قول امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی ہے۔ اور دوسرا قول امام ابو حنیفہ کا اور ایک روایت میں امام احمد کا ہے۔ ان کا قول ہے کہ آپؐ نے عربوں سے اس لئے نہیں لیا تھا کہ جزیہ ان کے اسلام قبول کرنے کے بعد نازل ہوا تھا، اور اس وقت سرزمین عرب پر کوئی مشرک موجود نہ تھا، اسی وجہ سے فتح مکہ کے بعد آپؐ نے تبوک کا غزوہ کیا اگر عرب سرزمین میں مشرک ہوتے تو آپؐ سے متصل ہوتے اور انھیں سے غزوہ کرنا زیادہ مناسب ہوتا۔ سیرت اور اسلام کی تاریخ پر غور کرنے سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ آپؐ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، اور یہ بات صحیح نہیں کہ ان کے پاس آسمانی کتاب تھی، پھر اسے اٹھا لیا گیا۔ بت پرستوں اور آتش پرستوں کے مابین ویسے کوئی فرق نہیں، بلکہ بت پرستوں میں دین براہیمی کی قدرے پابندی پائی جاتی ہے جو آتش پرستوں میں موجود نہیں، بلکہ آتش پرست ابراہیم علیہ السلام کے دشمن ہیں، حدیث سے یہی ثابت ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں وارد ہے کہ "جب اپنے مشرک دشمنوں سے آپؐ کا سامنا ہو تو انھیں تین باتوں کی دعوت دیجئے" الخ (صحیح مسلم کتاب الجہاد)

اور حضرت مغیرہ نے کسریٰ کے عامل سے کہا تھا کہ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں تا وقتیکہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے فرمایا کہ "کیا تمہیں ایسے کلمہ کی خواہش ہے جس سے عرب کے لوگ تمہارے مطیع بن جائیں اور عجم کے لوگ جزیہ ادا کریں؟ لوگوں نے سوال کیا کہ وہ کلمہ کون سا ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ۔

آپؐ نے نجران والوں سے دو ہزار جوڑوں کی ادائیگی پر مصالحت فرمائی تھی اور یہ کہ وہ لوگ بطور رعایت تیس زرہیں، تیس گھوڑے اور ہر قسم کے تیس ہتھیار دیں جن کو مسلمان جہاد میں استعمال کریں اور انھیں واپس کریں، بشرطیکہ اس اثناء میں وہ ان تمام سامانوں کے ضامن بھی ہوں، اس معاہدہ میں یہ بھی صراحت تھی کہ ان کی عبادت گاہ نہ گرائی جائے، کسی پادری کو نہ نکالا جائے، دینی معاملات میں پریشان نہ کیا جائے بشرطیکہ وہ کوئی غلط کام نہ کریں اور سود نہ کھائیں۔ اس قید سے یہ دلیل ملتی ہے کہ ذمی لوگ اگر کوئی غلط کام کریں یا سود کھائیں تو معاہدہ ختم ہو جائے گا، بشرطیکہ معاہدہ میں اس کی شرط موجود ہو۔

آپؐ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تھا تو انھیں حکم دیا تھا کہ ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے بدلہ میں یمن میں تیار ہونے والا معافری کپڑا لیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ میں جنس یا مقدار کی قید نہیں ہے، بلکہ کپڑا، سونا اور جوڑے ہر ایک لئے جا سکتے ہیں، اسی طرح مقدار کی بھی تحدید نہیں بلکہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی احتیاج کا لحاظ رکھا جائے گا اور جن سے جزیہ لیا جاتا ہے ان کے حالات کا بھی لحاظ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ نے جزیہ کے معاملہ میں عرب اور غیر عرب کی تفریق نہیں رکھی تھی، بلکہ آپؐ نے ہجر کے مجوسیوں سے بھی جزیہ لیا تھا جو عرب تھے۔ اس وقت عربوں میں لیا تھا کہ ہر جماعت اپنے پڑوسی لوگوں کے دین کی پیرو تھی، چنانچہ بحرین کے عرب ایرانیوں سے قربت کی وجہ سے مجوسی مذہب کے پیرو تھے، تنوخ، بہرہ اور بنو تغلب کے قبائل رومیوں سے قربت کی وجہ سے نصرانی مذہب کے پابند تھے۔

یمن کے قبائل وہاں کے یہودیوں کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے یہودی مذہب کو مانتے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ کے احکام کو جاری کرنے میں ان کے آبا، واجداد کا لحاظ نہیں کیا اور نہ یہ کہ یہ لوگ کس وقت اہل کتاب کے مذہب میں داخل ہوئے۔ یہ بھی ثابت ہے کہ بعض انصاریوں کی اولاد نے حضرت عیسیٰ کی شریعت سے یہودی مذہب کی منسوخی کے بعد اسے قبول کر لیا تھا، ان کے باپ نے انھیں زبردستی اسلام میں داخل کرنا چاہا تو یہ آیت نازل ہوئی :

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ "دین میں کسی طرح کا جبر نہیں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں کہ ہر بالغ سے ایک دینار لو، یہ دلیل ہے کہ جزیہ بچوں اور عورتوں سے نہیں لیا جائے گا۔ اور جس روایت میں "من کل حالم او حالمۃ"، یعنی بالغ مرد اور عورت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں وہ موصول نہیں بلکہ منقطع ہے، اور اس اضافہ کا دیگر رواۃ نے ذکر نہیں کیا ہے، ممکن ہے بعض راویوں کی تفسیر سے اس کا اضافہ ہو گیا ہو۔

۶۷۔ فصل

بعثت کی ابتداء سے وفات تک کفار اور منافقین کیساتھ آپؐ کا معاملہ

نبوت کی ابتداء میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سب سے پہلی وحی جو اتری اس میں آپؐ کو اس رب کے نام سے قرأت کا حکم دیا گیا تھا جو سب کا خالق ہے۔ پھر آپؐ پر یہ آیت نازل ہوئی :

يٰاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ، قُمْ فَاَنْذِرْ۔ "اے کملی پوش، اٹھیے اور ڈرائیے۔"

یہ آپؐ کی رسالت کا اعلان تھا، پھر آپؐ کو یہ حکم ملا کہ اپنے اقرباء کو ڈرا دیجیے، آپؐ نے اپنی قوم کو ڈرایا پھر گرد و پیش کے تمام عربوں کو ڈرایا پھر پوری دنیا والوں کو ڈرایا۔ دس سال سے زائد آپؐ بغیر جنگ کے تبلیغ کرتے رہے، اس مدت میں آپؐ کو صبر کا حکم تھا پھر ہجرت کی اجازت ملی، اس کے بعد لڑائی کی، پھر یہ حکم ہوا کہ جو مسلمانوں سے لڑے اس سے آپ لڑیں۔ پھر یہ حکم ہوا کہ مشرکین سے جنگ کریں یہاں تک کہ پورا دین اللہ کے لئے ہو جائے۔

جہاد کا حکم ملنے کے بعد فوراً کفار کی تین قسمیں ہو گئیں، ایک وہ جن سے آپؐ کی صلح تھی، دوسری وہ جن سے جنگ تھی اور تیسری وہ جن کے ساتھ ذمہ کا معاملہ تھا بمصالحت والے فریق کے بارے میں آپؐ کو یہ حکم ملا کہ جب تک وہ صحیح طور پر رہیں ان کے ساتھ کئے جانے والے عہد کو پورا کیا جائے، اور اگر بدعہدی کا ڈر ہو تو معاہدہ کو فسخ کر دیا جائے، اور جو لوگ عہد شکنی کریں ان سے جنگ کا حکم تھا۔ سورۂ برأت میں تینوں اقسام کا بیان ہوا۔ اہل کتاب کے متعلق فرمایا گیا کہ ان سے جنگ کی جائے گی یا پھر وہ جزیہ ادا کریں گے، اور کفار و منافقین سے جہاد کا حکم دیا گیا، چنانچہ آپؐ نے کفار کے ساتھ تلوار اور منافقین کے ساتھ بذریعہ دلائل جہاد کیا۔ کفار کے عہود سے برأت کا حکم دیتے ہوئے ان کی تین قسم ہو گئی۔ ایک قسم عہد شکن کفار کی جن سے لڑائی کا حکم دیا گیا، دوسری قسم ان کفار کی جن کے ساتھ وقتی معاہدہ تھا اور انھوں نے اس کی خلاف ورزی نہیں کی، ان کے بارے میں یہ حکم ہوا کہ مقررہ مدت تک عہد کو پورا کیا جائے۔ تیسری قسم ایسے کفار کی جن کے ساتھ مدت کی تعیین کے بغیر مطلق معاہدہ تھا یا پھر کوئی معاہدہ نہ تھا اور وہ آپؐ کے ساتھ نبرد آزما نہیں ہوئے تھے، ان کے متعلق یہ حکم ہوا کہ انھیں چار مہینے کی مہلت

دیجاتے ہے، جب یہ مدت گذر جائے تو پھر ان سے جنگ کی جاتی ہے، ذیل کی آیت میں اسی مدت کا ذکر ہے۔

فَسِیحُوا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْہُرٍ۔ "زمین میں چار ماہ چلو پھرو" (سورۃ توبہ-۲)

ذیل کی آیت میں حرمت والے مہینوں سے یہی مراد ہیں۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْہُرُ الْحُرُمُ۔ "جب حرمت والے مہینے سے گذر جائیں۔ (توبہ-۶)

ان مہینوں میں پہلا دس ذی الحجہ سے شروع ہوتا ہے، اور ربیع الآخر کی دس تاریخ کو چار ماہ پورے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا قول (منها أربعة حرم) میں چار مہینوں کا ذکر ہے وہ مراد یہاں نہیں ہے، کیوں کہ ان میں ایک رجب کا مہینہ تنہا ہے اور تین ایک ساتھ یعنی ذوالقعدہ، ذوالحجۃ اور محرم، ان مہینوں میں مشرکین کو چلنے پھرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا، کیوں کہ ایک ساتھ نہ ہونے سے ایسا ممکن نہ تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مہینوں کے گذرنے کے بعد جنگ کا حکم تھا، چنانچہ عہد شکنی کرنے والوں سے آپؐ نے جنگ کی، اور جن سے معاہدہ نہ تھا انھیں اور جن سے بلا تعیین مطلق معاہدہ تھا انھیں چار مہینے کی مہلت دی۔ عہد پورا کرنے والوں کے بارے میں آپؐ کو وفا کا حکم تھا، پھر یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔ آپؐ نے اسی طرح ذمیوں پر جزیہ مقرر کیا، معاملہ کے اعتبار سے اس طرح تین قسم کے لوگ تھے، ایک جنگ کرنے والے، دوسرے وہ جن سے معاہدہ تھا، اور تیسرے وہ جو ذمی تھے۔ معاہدہ والے اسلام کے بعد دو جماعتوں میں بٹ گئے، ایک جنگ کرنے والے اور دوسرے ذمی۔ اس طرح تمام اہل زمین تین قسموں میں بٹ گئے۔ ایک مسلمان جن کا آپؐ پر ایمان تھا، دوسرے مصالحین جنھیں آپؐ سے کوئی خوف نہ تھا، تیسرے محاربین جنھیں آپؐ کی طرف سے ڈر لگا رہتا تھا۔

منافقین کے ساتھ آپؐ کا معاملہ یہ تھا کہ آپؐ ان کے ظاہری حالات کے لحاظ

سے سلوک کرتے تھے اور باطن اللہ کے حوالے کر دیا تھا، ان سے دلائل و براہین کے ذریعہ جہاد ہوتا تھا، آپؐ ان سے اعراض کرتے تھے، سختی برتتے تھے اور مؤثر باتیں سناتے تھے، ان کے جنازے کی نماز سے آپؐ کو روک دیا گیا تھا اور قبر پر کھڑے ہونے کا بھی حکم نہ تھا، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتا دیا تھا کہ آپؐ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انھیں معاف نہیں فرمائے گا۔

۶۸۔ فصل

مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ آپؐ کا معاملہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا تھا کہ خود کو ان لوگوں کے ساتھ رکھیں جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں، اور اس کی رضامندی کے طلب گار رہیں، اللہ نے فرمایا کہ ان سے آپؐ کی نگاہ نہ ہٹے، انھیں معاف کریں، ان کے لئے بخشش طلب کریں، ان سے مشورہ طلب کریں، ان کے لئے رحمت کی دُعا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم تھا کہ ان میں سے جو نافرمانی کرے اور جہاد وغیرہ امور سے پیچھے رہ جائے اس کو چھوڑ دیں، یہاں تک کہ وہ توبہ کرے، جیسا کہ آپؐ نے تین صحابیوں کو چھوڑ دیا تھا۔ آپؐ کو یہ بھی حکم تھا کہ شریف و رذیل ہر ایک پر حد جاری کریں۔ شیطان صفت انسانوں کے ساتھ معاملہ میں یہ حکم تھا کہ بہتر طریقہ سے ان کا دفاع کیا جائے، برائی کے بدلہ میں نیکی کریں، جہالت کے بدلہ میں بُردباری کا مظاہرہ کریں، ظلم کے مقابلہ میں معافی کا اظہار کریں، قطع تعلق میں صلہ رحمی کریں، ایسا برتاؤ کرنے سے دشمن بھی مخلص دوست بن جائے گا۔

جن شیاطین میں دشمنوں کے دفعیہ کے لئے آپؐ کو استعاذہ کا حکم دیا گیا، اور یہ دونوں امور سورۂ اعراف، مومنون اور حٰم سجدہ کے تین مقامات پر بیان کئے گئے ہیں۔

اور سورۂ اعراف کی آیت میں تمام مکارمِ اخلاق کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ حاکم کے رعیت کے ساتھ تین حالات ہوتے ہیں، ان کے اوپر اس کا لازمی حق ہوتا ہے، اور حاکم انھیں حکم دیتا ہے، ایسی صورت میں کوتاہی یا زیادتی کا بھی امکان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اپنے حق کو لینے میں آپؐ ان کی سہولت کا خیال رکھیں، اور اسی کا نام عفو ہے، اسی طرح آپؐ کو حکم تھا کہ انھیں عُرف کا حکم دیں، یعنی ایسی باتوں کا جنھیں عقولِ سلیمہ اور فطرتِ مستقیمہ جانتی ہیں، اسی طرح اپنے حکم میں آپؐ سختی بھی نہ کریں، آپؐ کو یہ بھی حکم تھا کہ ان کی جہالت کے مقابلہ میں آپؐ اعراض و بے توجہی سے کام لیں۔ یہ ہے روئے زمین پر بسنے والے جنوں، انسانوں، مومنوں اور کافروں کے ساتھ آپؐ کی سیرتِ طیبہ کا خاکہ اور اس کی بنیاد۔

۶۹۔ فصل

غزوات وسرایا کا بیان

ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پہلا لشکر روانہ فرمایا جس کا پرچم حضرت حمزہؓ کو دیا گیا، اس میں تیس مہاجرین تھے، ابوجہل تین سو آدمیوں کے ساتھ شام سے قریش کا قافلہ لے کر واپس آرہا تھا، اسی سے ان کا مقابلہ تھا، جب دونوں فریق آمنے سامنے ہوئے تو مجدی بن عمرو جہنی نے جو دونوں فریق کا حلیف تھا، بیچ میں پڑ کر جنگ کو روک دیا۔

پھر شوال میں آپؐ نے عبیدہ بن حارث کی سرکردگی میں ساٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک لشکر وادی رابغ کی جانب روانہ فرمایا، ابوسفیان سے اس لشکر کی مڈبھیڑ ہوئی جس کے ساتھ دو سو آدمی تھے، اس میں صرف تیراندازی ہوئی، تلوار سے جنگ نہ ہوئی سب

سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاص نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ ابن اسحاق نے حضرت حمزہ کے لشکر پر اسے مقدم کیا ہے۔

پھر نویں مہینہ آپؐ نے بیس سواروں کے ساتھ حضرت سعد بن ابی وقاص کو خرار کی طرف بھیجا، اس کا مقصد قریش کا ایک قافلہ تھا، جب یہ لوگ وہاں پہونچے تو معلوم ہوا کہ یہ قافلہ جا چکا ہے۔

پھر آپؐ بذات خود غزوہ ابواء میں شریک ہوئے، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں آپؐ کی شرکت ہوئی۔ آپؐ صرف مہاجرین کے ساتھ نکلے تھے اور قریش کا ایک قافلہ پیش نظر تھا لیکن اس میں کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔

پھر ماہ ربیع الاول میں دو سو صحابہ کے ساتھ آپؐ بواط کی طرف غزوہ میں نکلے، قریش کے ایک قافلہ سے تعرض پیش نظر تھا، لیکن کسی مزاحمت کے بغیر آپؐ واپس آ گئے۔

پھر تیرہویں مہینہ کرز بن جابر کے تعاقب میں آپؐ نکلے، کرز نے مدینہ میں مویشیوں پر چھاپہ مارا تھا، آپؐ بدر کی جانب وادیٔ سفیان تک پہونچے، لیکن کرز بچ کر نکل گیا۔

پھر سولہویں مہینہ آپؐ ڈیڑھ سو مہاجرین کے ساتھ قریش کے ایک قافلہ سے تعرض کے لئے نکلے جو شام جا رہا تھا، ذوالعشیرہ پہونچ کر معلوم ہوا کہ قافلہ گذر گیا، یہی قافلہ جب شام سے واپس آنے لگا تو پھر آپؐ اس کی طلب میں نکلے اور بدر کا واقعہ پیش آیا۔

پھر آپؐ نے عبداللہ بن جحش کو بارہ مہاجرین کے ساتھ نخلہ کی طرف بھیجا، ہر دو اشخاص ایک اونٹ پر باری باری سوار ہو کر وادی نخلہ کی طرف پہونچے اور قریش کے قافلۂ تجارت کا انتظار کرنے لگے، سعد اور عتبہ بن غزوان کا اونٹ کھو گیا تھا۔ یہ دونوں اسے تلاش کرنے میں پیچھے رہ گئے تھے، جب مسلمان وادیٔ نخلہ میں داخل ہو گئے تو قریش کا قافلہ ان کے پاس سے گذرا، مسلمانوں نے سوچا کہ آج رجب کی آخری تاریخ

ہے، اور اگر ہم انھیں چھوڑ دیں گے تو حرم میں داخل ہو جائیں گے۔

پھر مقابلہ پر اتفاق ہو گیا اور ایک شخص نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا جس سے وہ ہلاک ہو گیا، عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا، اور نوفل نکل بھاگا، لوگوں نے خمس نکال کر الگ کیا، یہ اسلام کا پہلا خمس تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل کو ناپسند کیا، قریش کے لوگ بھی بہت برہم ہوتے اور یہ سمجھا کہ انھیں مختلف طرح کی باتیں کرنے کا موقع ملا، مسلمانوں کو یہ چیز شاق معلوم ہوئی، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ۔ لوگ آپ سے حرمت والے مہینہ میں جنگ سے متعلق سوال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے کہ حرمت والے مہینہ میں جنگ اگرچہ بُری ہے لیکن کافروں نے جس کفر کا ارتکاب کیا ہے، جس طرح اللہ کی راہ اور اس کے گھر سے لوگوں کو روکا ہے، مسلمانوں کو جو اس کے اصل مستحق ہیں وہاں سے نکالا ہے، خود جس شرک کا ارتکاب کیا ہے، اور جس طرح فتنہ برپا کیا ہے یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نظر میں زیادہ سنگین ہیں۔ اکثر مفسرین اس آیت میں فتنہ کی تفسیر شرک سے کی ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا شرک ہے جس کی طرف دعوت دیجاتی ہے، اور جو اسے نہ مانے اسے سزا دیجاتی ہے۔ اسی لئے جہنم میں ان سے کہا جائے گا کہ:

ذوقوا فتنتکم۔ (سورۂ ذاریات - ۱۴) یعنی اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔

ابن عباس کا قول ہے کہ اس آیت میں فتنہ سے تکذیب مُراد ہے۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ، اپنے فتنہ کا انجام چکھو۔ جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا کہ:

ذوقوا ما کنتم تکسبون (سورۂ مزمل - ۳۴) یعنی اپنی کمائی کا مزہ چکھو۔

اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بیشک وہ لوگ جنھوں نے فتنہ میں ڈالا، مومن مردوں اور مومن عورتوں کو۔ (سورۂ بروج ـ ۱۰)

اس آیت میں فتنہ کی تفسیر مومنوں کو آگ میں جلانے سے کی گئی ہے، لیکن یہ لفظ اس سے زیادہ عام ہے، اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے مومنوں کو ان کے دین کے سلسلہ میں فتنہ میں ڈالنے کے لئے عذاب میں مبتلا کیا۔

اور قرآن کی جن آیتوں میں فتنہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس سے نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ بندوں کی آزمائش مُراد ہے، یہ فتنہ کا ایک رنگ ہے، اور مشرکین کا فتنہ اس سے مختلف ہے، اور اسی طرح مومن کا مال واولاد کے بارے میں فتنہ ایک اور چیز ہے، مسلمانوں کے مابین جو فتنہ ہوا مثلاً جمل اور صفین اس کا رنگ بھی مختلف ہے، ایسے فتنہ کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یہ ہے کہ دونوں فریق سے علیحدہ رہا جائے۔

کبھی فتنہ سے گناہ بھی مُراد ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا۔ (سورۂ توبہ ـ ۵۰) "خبردار یہ لوگ فتنہ میں گر پڑے۔"

یعنی یہ لوگ نفاق کے فتنہ میں پڑ گئے، اور رومی عورتوں کے فتنہ کے مقابلہ میں اسے اختیار کر لیا۔

مقصود یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دوستوں اور دشمنوں کے مابین منصفانہ فیصلہ کیا ہے، اور اپنے محبوب بندوں کو تنبیہ کی کہ ان سے غلطی سرزد ہوئی، لیکن چوں کہ انھوں نے تاویل کی تھی اس لئے ان سے جو تقصیر ہوئی ہے اسے توحید، فرمانبرداری اور ہجرت کے صلہ میں معاف کر دیا جائے گا۔

۷۰۔ فصل

غزوۂ بدر

اسی سال رمضان کے مہینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شام سے آنیوالے قافلہ کی خبر ملی، آپؐ نے لوگوں سے نکلنے کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے زیادہ اہتمام نہیں کیا، بلکہ جلدی میں تین سو سے زائد صحابہ کے ساتھ نکلے، ان کے پاس صرف دو گھوڑے اور ستر اونٹ تھے، لوگ باری باری ان پر سوار ہوتے تھے۔ قافلہ نے اپنے تحفظ کے لئے مکہ خبر بھیجی، جب وہاں خبر پہونچی تو وہ لوگ اتراتے ہوئے ریاکاری کے ساتھ راہِ خدا سے روکنے کا جذبہ لے کر نکلے، اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو بغیر سابقہ وعدہ کے جمع کر دیا، چنانچہ ارشاد ہے کہ:

ولو تواعدتم لاختلفتم فی المیعاد   اگر تم باہم وعدہ کرتے تو وقت میں اختلاف کر بیٹھتے

(سورۂ انفال - ۴۲)

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین مکہ کے نکلنے کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ فرمایا، مہاجرین نے اس موقع پر قابلِ تحسین جواب دیا، آپؐ نے دوبارہ مشورہ طلب فرمایا، پھر مہاجرین نے مناسب جواب دیا، پھر آپؐ نے سہ بارہ مشورہ چاہا، اب انصار نے یہ سمجھا کہ روئے سخن ہماری طرف ہے، حضرت سعد بن معاذ رضؓ نے آگے بڑھ کر اپنی مشہور بات کہی "یا رسول اللہ، آپؐ کا خطاب ہم سے ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر آپؐ حکم فرمائیں گے تو ہم اپنے گھوڑے سمندر میں ڈال دیں، اگر آپؐ برک غماد تک ہمیں جانے کا حکم فرمائیں گے تو ہم ضرور جائیں گے۔ اسی طرح حضرت مقدادؓ نے فرمایا کہ ہم آپؐ کو حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کا جواب نہ دیں گے بلکہ آپؐ کے دائیں

بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے جنگ کریں گے۔ صحابہ کا یہ جواب سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ "چلو اور خوشخبری حاصل کرو، مجھ سے اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے، اور میں کافر قوم کی جائے ہلاکت کو دیکھ چکا ہوں۔

پھر آپؐ بدر کی طرف چلے، جب مشرکین آگے بڑھے اور دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے مدد مانگی، مسلمانوں نے بھی اللہ سے مدد طلب کی اور اپنی فریاد سنائی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی فرمائی کہ میں ایک ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری مدد کروں گا جو یکے بعد دیگرے پہونچیں گے۔

یہاں پر اگر یہ سوال ہو کہ اس آیت میں ایک ہزار فرشتوں کا ذکر ہے، اور سورۂ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار کا ذکر ہے تو اس کا کیا سبب ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ دوسری آیت کا تعلق جنگ احد سے ہے اور اس میں ایک شرط ہے جس کے فوت ہونے کی صورت میں امداد کا وعدہ بھی ختم ہو گیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں کا تعلق بدر ہی سے ہے جیسا کہ سیاق سے پتہ چلتا ہے، آل عمران کی آیت ۱۲۳ سے ۱۲۵ تک میں یہی مذکور ہے، اور اس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں کی دعا پر پہلے ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد ہوئی، پھر تین ہزار کے ذریعہ اور پھر پانچ ہزار کے ذریعہ، اس طرح مختلف مراحل پر امداد کا اثر خوشگوار ہوا اور مومنوں کو ڈھارس ملی۔

پہلے فریق کا کہنا ہے کہ واقعہ احد کے سیاق کا ہے، اور بدر کا ذکر درمیان میں آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے بدر کے موقع پر اپنی نعمت یاد دلائی ہے پھر احد کے قصہ کو بیان کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے الن یکفیکم الخ فرمایا ہے، پھر یہ وعدہ فرمایا ہے کہ اگر

مسلمان صبر اور تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ پانچ ہزار فرشتوں سے ان کی مدد فرمائے گا، اس طرح یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے، اور بدر میں جس امداد کا ذکر ہے وہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے، اس میں پانچ ہزار کا ذکر ہے اور بدر کی امداد ایک ہزار سے ہوئی تھی پہلی امداد مشروط تھی اور دوسری مطلق۔ سورہ آل عمران میں احد کا واقعہ مکمل مذکور ہوا ہے اور بدر کا ذکر درمیان میں آگیا ہے، اور سورہ انفال میں بدر کا واقعہ مکمل ذکر ہوا ہے اس طرح آل عمران اور انفال دونوں سورتوں کا سیاق مختلف ہے، اللہ تعالیٰ کے قول: (ویاتوکم من فورھم ھذا) سے اس کی وضاحت ہوتی ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ یہ احد کا دن ہے اور اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مذکورہ امداد اسی دن ہوئی تھی، اس لئے یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اس تعداد کے ساتھ بدر کے دن امداد ہوئی تھی اور فوری طور پر آنے کا تعلق احد کے دن سے ہے۔

قریش نے جب نکلنے کا ارادہ کیا تھا تو انھیں وہ جنگ یاد آئی جو ان کے اور بنو کنانہ کے مابین تھی، اس موقع پر ابلیس سراقہ بن مالک کی شکل میں ظاہر ہوا اور کہنے لگا کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور میں تمہارا حامی ہوں، بنوکنانہ تمہیں نقصان پہونچانے کے لئے کچھ نہیں کریں گے۔ جب یہ لوگ لڑائی کے لئے تیار ہوگئے اور ابلیس نے اللہ کے لشکر کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا تو پلٹ کر بھاگ کھڑا ہوا، لوگوں نے کہا کہ "سراقہ کہاں جارہے ہو، کیا تم نے حمایت و مدد کا وعدہ نہیں کیا تھا، اس نے جواب دیا کہ میں جو دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھ رہے ہو، میں اللہ سے ڈرتا ہوں، اللہ سخت عذاب والا ہے" اس نے ایک بات تو سچ کہی تھی، لیکن اللہ سے ڈرنے والی بات جھوٹ تھی۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ان کے ساتھ ہلاک ہونے کا ڈر تھا، اور یہ مفہوم زیادہ ظاہر ہے۔

جب منافقین اور قلبی مریضوں نے یہ دیکھا کہ اللہ کی جماعت تھوڑی اور اس کے دشمنوں

کی تعداد زیادہ ہے تو انھیں یہ گمان ہوا کہ فتح کا دار و مدار کثرت پر ہے، اس لئے وہ کہنے لگے کہ:

غرھؤلاء دینھم۔ "مسلمانوں کو ان کے مذہب نے دھوکہ میں ڈالدیا ہے"

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ فتح کا دار و مدار توکل پر ہے کثرتِ تعداد پر نہیں، اور یہ کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے، مستحق خواہ کمزور ہو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر اور قیدیوں کے معاملات سے شوال میں فارغ ہوئے پھر سات دن کے بعد بذات خود بنو سلیم سے غزوہ کے لئے روانہ ہوئے۔ "الکُدرّ" نامی چشمہ پر پہونچنے کے بعد آپؐ تین دن تک ٹھہرے رہے، پھر واپس لوٹے، آپؐ کو کسی مزاحمت کا سامنا نہ ہوا۔

مشرکین کی بچی کھچی جماعت جب مکہ پہونچی تو ابو سفیان نے نذر مانی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کئے بغیر سر پر پانی نہ ڈالے گا، چنانچہ دو سو سواروں کو ہمراہ لے کر نکلا اور مدینہ کے پاس پہونچ کر سلام بن مشکم یہودی کے پاس رات بسر کی، سلام نے اسے شراب پلائی اور لوگوں کی خبر سے آگاہ کیا، صبح کو کھجور کے کچھ درخت کاٹ ڈالے اور ایک انصاری اور اس کے حلیف کو قتل کر کے واپس لوٹ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے تعاقب میں نکلے لیکن وہ بھاگ چکا تھا، کفار نے بھاگتے ہوئے بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو پھینک دیئے جسے مسلمانوں نے لے لیا، ستو کو عربی میں سویق کہتے ہیں، اسی لئے اس غزوہ کا نام غزوۂ سویق ہوا۔

پھر آپؐ نجد کے علاقہ میں غطفان کے غزوہ کے لئے نکلے، اور صفر ۳ھ میں پورا مہینہ وہیں قیام کیا، پھر بغیر جنگ واپس لوٹ آئے، ربیع الاول میں آپؐ کا مدینہ ہی میں قیام رہا، پھر قریش کے ارادہ سے نکلے اور حجاز میں نجران تک پہونچے، اس موقع

پر کوئی جنگ نہیں ہوئی، ربیع الآخر اور جمادی الاولیٰ میں وہاں قیام کر کے واپس لوٹے۔

پھر بنو قینقاع کا غزوہ پیش آیا اور کعب بن اشرف یہودی کو قتل کیا گیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کی عہد شکنی اور خدا و رسول کے ساتھ جنگ پر آمادگی کی وجہ سے ان کے قتل کی اجازت عطا فرمائی۔

غزوۂ بدر میں قریش کے سربرآوردہ و معزز افراد کے مارے جانے کے بعد ابوسفیان کو سربراہی حاصل ہوئی، اس نے ایک فوج اکٹھا کر کے مدینہ پر چڑھائی کی، احد پہاڑ کے قریب پہونچ کر مشرکین کی فوج نے ڈیرہ ڈالا، اور احد کا معرکہ پیش آیا، اس لڑائی میں شرکت کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کا جائزہ لے کر چھوٹی عمر والوں کو فوج میں شامل نہ کیا، ان میں عبداللہ بن عمر، اسامہ، زید بن ثابت اور عرابۃ بن اوس تھے، اور جن کو آپؐ نے لڑائی کے قابل سمجھ کر اجازت دی ان میں سمرۃ بن جندب اور رافع بن خدیج تھے، ان کی عمر پندرہ سال تھی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپؐ نے پندرہ سال کی عمر کی بنا پر اجازت دی تھی، اور جو لوگ اس عمر کو نہیں پہونچے تھے انھیں واپس لوٹا دیا تھا، لیکن کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ آپؐ نے عمر کے بجائے طاقت کا اعتبار کیا تھا، بلوغت یا عدم بلوغت کا کوئی اعتبار نہ تھا، چنانچہ ابن عمر کی حدیث کے بعض الفاظ میں وارد ہے کہ "جب آپؐ نے مجھ میں طاقت دیکھی تو اجازت دیدی۔"

اس مقام پر ابن قیم نے صحابی رسول اصیرم کا واقعہ ذکر کیا ہے جو احد ہی کے موقع پر مسلمان ہوئے اور اسی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ پھر پہاڑ پر ابوسفیان کی گفتگو کا ذکر کیا ہے جسے امام بخاری نے صحیح میں براء بن عازب سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر پکارا کہ "کیا لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جواب نہ دو"، پھر اس نے پوچھا کہ "کیا ابوبکر ہیں"؟ آپؐ نے پھر جواب سے

منع فرما دیا، اس نے پھر پوچھا کہ کیا عمرؓ ہیں؟ آپؐ نے پھر جواب سے روک دیا۔ اس نے کہا کہ "سب مارے گئے کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔" یہ سن کر حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور بول پڑے کہ "دشمنِ خدا، تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری رسوائی اور برائی کا سامان باقی رکھا ہے۔"

ابو سفیان نے پھر کہا کہ "ہبل بلند ہو، ہبل بلند ہو۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم جواب میں کہو کہ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ پھر ابو سفیان نے کہا کہ "ہمارے پاس عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں۔" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جواب میں کہو کہ "اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ ابو سفیان نے کہا کہ "آج کے دن بدر کا بدلہ ہو گیا، لڑائی کا پانسہ پلٹتا رہتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ "برابری کا کوئی سوال نہیں، ہمارے شہید جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔" پھر ابو سفیان نے کہا کہ بعض مقتولین کی ہیئت تمہیں بگڑی ہوئی ملے گی میں نے اس کا حکم نہیں دیا تھا لیکن ایسا ہونے پر مجھے کوئی دکھ نہیں ہے۔

۷۱۔ فصل

اس غزوہ سے معلوم ہونے والے احکامات

اس غزوہ سے یہ معلوم ہوا کہ جہاد سے شروع کرنے کے بعد لازم ہو جاتا ہے، چنانچہ جو شخص ہتھیار پہن لے اور اسباب جہاد شروع کر دے اس کے لئے لوٹنا جائز نہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمن جب ملک میں داخل ہو جائے تو نکلنا جائز نہیں۔

اور یہ کہ جن بچوں کو جنگ کی طاقت نہ ہو انھیں فوج میں شرکت کی اجازت نہیں دی

جائے گی۔

اور یہ کہ عورتوں کی صف میں گھسنا جائز ہے، جیسا کہ انس بن نضر وغیرہ نے کیا۔

اور یہ کہ عورتوں کے ذریعہ غزوہ کرنا اور جہاد میں ان سے مدد لینا جائز ہے۔

اور یہ کہ جب امام جنگ میں زخمی ہو جائے تو بیٹھ کر نماز پڑھائے اور لوگ اس کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں۔

اور یہ کہ شہادت کی دُعا کرنا اور اس کی تمنا کا اظہار کرنا ممنوع نہیں، جیسا کہ ابن جحش نے کیا تھا۔

اور یہ کہ جب مسلمان اپنے آپ کو قتل کر ڈالے تو وہ جہنمی ہو گا جیسا کہ قزمان کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اور یہ کہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا اور نہ اس کی نماز پڑھی جائے گی، اور اسی کے کپڑوں میں اسے کفن دیا جائے گا، البتہ اگر دشمن کپڑے چھین لیں تو دوسرے کپڑے میں کفن دے سکتے ہیں۔

اور یہ کہ اگر شہید جنبی ہو تو اسے غسل دیا جائے گا جیسا کہ حضرت حنظلہ کو غسل دیا گیا تھا۔

اور یہ کہ شہداء جہاں قتل ہوں وہیں دفن کیئے جائیں گے، اس لیئے کہ مقتولوں کو آپؐ نے مقتل ہی میں واپس کرنے کا حکم فرمایا تھا۔

اور یہ کہ ایک ہی قبر میں دو دو، تین تین شہید دفن کیئے جا سکتے ہیں۔

یہ سوال کہ شہداء کو ان کے کپڑے ہی میں دفن کرنا مستحب ہے یا واجب؟ تو اس سلسلہ میں دوسری بات زیادہ ظاہر ہے۔

اور یہ کہ مسلمان جب کسی مسلمان کو کافر سمجھ کر قتل کر دیں تو بیت المال سے اس

کی دیت ادا کیجائے گی، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حذیفہ کی دیت ادا کرنے کا ارادہ فرمایا تھا لیکن حذیفہ نے لینے سے انکار کر دیا اور اسے مسلمانوں پر صدقہ کر دیا۔

البتہ اس واقعہ میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران کی ان ساٹھ آیتوں میں جو (واذ غدوت من اھلك) سے شروع ہوتا ہے، اشارہ فرمایا ہے۔

ایک حکمت تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو معصیت، بزدلی اور اختلافات کے برے انجام سے آگاہ کیا گیا تاکہ رسوائی کے اسباب سے پرہیز کریں۔

اور اللہ کی حکمت یہ ہے کہ رسول اور ان کے متبعین کو کبھی فتح حاصل ہو اور کبھی ناکامی لیکن انجام کار فتح انھیں کی ہو، کیوں کہ اگر ہمیشہ ہی کامیاب ہوں تو پھر مقصد حاصل نہ ہوگا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ۔ (سورہ آل عمران ـ ۱۷۹)

جس حالت پر تم ہو اسی پر اللہ مومنوں کو نہیں چھوڑ سکتا، یہاں تک کہ برے کو اچھے سے ممتاز نہ کر دے۔

یعنی مومنوں اور منافقوں کے مابین جو اختلاف ہے اسے باقی نہیں رکھا جائے گا، بلکہ امتیاز کیا جائے گا جس طرح احد کے دن آزما کر ممتاز کیا گیا۔ فرمایا کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ

یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ غیب سے آگاہ نہیں کرے گا۔

اس سے وہ غیب مراد ہے جو مومنین و منافقین کے مابین امتیاز پیدا کر دے، یہ دونوں فریق اللہ کے علم میں ممتاز ہیں، لیکن وہ یہ چاہتا ہے کہ ظاہر میں بھی ان کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے قول:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ

اللہ رسولوں میں جسکو چاہتا ہے برگزیدہ بناتا ہے۔

سے اطلاع علی الغیب کی نفی کا استدراک ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ غیب کی باتوں سے بھی آگاہ کرتا ہے، جیسا کہ سورۂ جن میں وارد ہے۔ اس لئے تمہاری سعادت اس میں ہے کہ اس غیب پر ایمان رکھو جس سے رسول واقف ہیں، اگر تم ایمان رکھو گے اور ڈرتے رہو گے تو تمہیں بڑا اجر ملے گا۔

ایک حکمت اولیاء اللہ کی عبودیت کا اظہار ہے کہ کس طرح خوشی اور رنج اور محبت و نفرت ہر حال میں یہ عبادت پر ثابت قدم رہتے ہیں، یہی اس کے حقیقی بندے ہیں نہ کہ وہ جو صرف خوشی کی حالت میں اس کی عبادت کرتے ہیں۔

ایک حکمت یہ ہے کہ اگر مومنوں کو ہمیشہ کامیابی عطا کیجاتی تو ان کا وہی حال ہوتا جو رزق کی کشادگی میں ہوتا، اس لئے اللہ تعالیٰ تدبیر کرتا ہے اور اپنی حکمت کیمطابق سب کچھ مہیا کرتا ہے یا سلب کرتا ہے۔

ایک حکمت یہ ہے کہ بندے جب اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہیں تو اس کی مدد واجب ہو جاتی ہے۔ کیونکہ مدد کی خلعت ذلت کی محبت ہی سے ملتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْـتُمْ اَذِلَّـةٌ۔ (آل عمران ـ ۱۲۳)

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم ذلیل تھے

ایک حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے ایسے اعلیٰ مقامات تیار کئے ہیں جنھیں وہ اپنے عمل سے حاصل نہیں کر سکتے، بلکہ آزمائش میں پورا اترنے ہی سے وہ درجہ حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب مقرر کئے جو آزمائش کے بعد بندوں کو ان مقامات کا مستحق بنا دیں، اسی کے ساتھ اس نے بندوں کو نیک عمل کی توفیق بھی دی۔

اور یہ کہ دائمی عافیت، مدد اور مالداری سے دنیا کی جانب میلان پیدا ہوتا ہے، طبیعت پست ہو جاتی ہے، اللہ کی راہ میں چلنے سے رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں جب کہ اللہ تعالیٰ بندہ کا بھلا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایسی آزمائش مقرر کر دیتا ہے جس سے ان بیماریوں کا علاج ہو جاتا ہے۔

اور یہ کہ شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ ترین مراتب میں سے ہے، اور وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے اولیاء میں سے شہید بنائے۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب مہیا کر دیتا ہے، اور ان اسباب میں کفر کے بعد سب سے بڑا طغیان وسرکشی اور اولیاء اللہ کی ایذا رسانی میں مبالغہ ہے، اس سے اولیاء کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور دشمنوں کو مٹانے کے اسباب مہیا ہوتے ہیں، اسی کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۳۹)

تم سست نہ ہو، تم غم نہ کرو، تمہیں بلند رہو گے بشرطیکہ مومن رہو۔

ان آیات میں مسلمانوں کو حوصلہ دلایا گیا ہے، تسلی دی گئی ہے اور اس حکمت کو ذکر کیا گیا ہے جس کے سبب کفار کو ان پر غلبہ ملا تھا، چنانچہ ارشاد ہے:

إِن يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ۔ (آل عمران۔ ۱۴۰)

اگر تم کو زخم پہونچا تو ایسا ہی ان کو بھی پہونچا ہے۔

یعنی تمہیں سست پڑنے یا غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، نقصان کا فروں کا بھی ہوا ہے، اور انھوں نے یہ سب شیطان کی راہ میں برداشت کیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتایا کہ اس زندگی میں دن پھرتے رہتے ہیں، یہ ایک وقتی منفعت ہے، اسے اللہ تعالیٰ دوستوں اور دشمنوں دونوں کو باری باری دیتا ہے، لیکن آخرت کا معاملہ ایسا

نہیں، وہاں کا فائدہ صرف دوستوں کو حاصل ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی ایک دوسری حکمت ذکر کی، یعنی مومن اور منافق کے مابین امتیاز پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ ہر ایک کو جانتا تھا لیکن اس نے مشاہدہ کرا دیا اور لوگوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا، ورنہ غیبی علم پر ثواب و عذاب کا مُرتب نہیں ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری حکمت ذکر کی، یعنی مسلمانوں میں بعض کو شہادت کا درجہ عطا کرنا۔ پھر وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ (اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا) فرما کر تنبیہ کی کہ اللہ تعالیٰ ان منافقین کو مکروہ و مبغوض سمجھتا ہے جنھوں نے احد کے دن اس کے نبی کو چھوڑ دیا اور لڑائی میں شریک نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ چونکہ ان سے محبت نہیں کرتا اس لئے وہ شہادت سے بھی محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکمت ذکر کی کہ اس طرح مومنوں کو گناہ سے پاک و صاف کیا گیا اور وہ منافقین سے بھی جدا ہو گئے۔ اسی طرح کافروں کو نیست کرنے کا سامان بھی فراہم ہو گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس خیال کی تردید کی کہ بغیر جہاد جنت میں داخلہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ (آل عمران ــ آیت ۱۴۲)	کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو جانا نہیں۔

یعنی ابھی تمہاری طرف سے ایسا ہوا نہیں کہ معلوم واقعہ کی بنیاد پر جزاء واقع ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ڈانٹ بتائی کہ جس موت کا سامنا کرنے کی تمنا کرتے تھے اسی سے ڈر کر شکست کھا گئے، چنانچہ فرمایا:

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (آل عمران ــ ۱۴۳)	تم موت کا سامنا کرنے سے پہلے موت کی تمنا کرتے تھے پس تم نے اسے دیکھ لیا۔

ایک حکمت یہ ہے کہ یہ واقعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی موت کا مقدمہ تھا اور جو شکر گذار تھے انہیں نے نعمت کی قدر کی اور مرتے دم تک اس پر ثابت رہے، پھر اس عتاب کا اثر اور اس خطاب کی حکمت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن ظاہر ہوئی، اور انجام کار شکر گذاروں ہی کے لئے رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ ہر شخص کا وقت مقرر ہے، بہت سے انبیاء اور ان کے بہت سے متبعین قتل کئے جا چکے ہیں، لیکن جو باقی بچے ان میں اللہ کی راہ میں پہونچنے والی مصیبت سے کوئی سستی یا کمزوری نہیں پیدا ہوئی، بلکہ انھوں نے قوت، عزم اور اقدام کے ساتھ شہادت کو خوش آمدید کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر کیا جن کے سبب انبیاء اور ان کی قوموں کو کامیابی حاصل ہوئی یعنی اعتراف گناہ، توبہ استغفار، اللہ تعالیٰ سے ثبات قدمی اور مدد کی طلب، چنانچہ ارشاد ہے:

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا	ان کا صرف یہ کہنا تھا کہ اے اللہ ہمارے گناہ
اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا	بخش دے، ہمارے اسراف کو معاف فرمادے ہمیں
وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ	ثابت قدم رکھ اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری
الْكَافِرِينَ ۔ (آل عمران - ۱۴۷)	مدد فرما۔

انھیں یہ معلوم ہو گیا تھا کہ گناہ کے سبب دشمنوں کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور انھیں سے شیطان انسانوں کو پھسلاتا ہے اور ہزیمت سے دوچار کراتا ہے، اور گناہوں میں بعض گناہ تو حق میں تقصیر سے ہوتے ہیں اور بعض حد سے تجاوز کرنے سے۔ اور یہ کہ مدد فرمانبرداری پر موقوف ہے، اسی وجہ سے ان لوگوں نے ایک طرف تو گناہوں سے معافی کی دعا کی اور دوسری طرف ثبات قدمی اور نصرت کا مطالبہ کیا کیونکہ اس کے بغیر کامیابی ممکن نہیں، اس طرح انھوں نے دونوں پہلوؤں کی رعایت کی، ایک پہلو توحید وانابت کا جو مدد کا مقتضی ہے، اور دوسرا مدد کی رکاوٹ کو دور کرنے کا یعنی گناہ واسراف۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار و منافقین کی فرمانبرداری سے ڈرایا اور یہ بتایا کہ ایسا کرنے میں دنیا و آخرت کا خسارہ ہے، ساتھ ہی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ منافقین میں سے کچھ لوگوں نے احد کی کامیابی کے بعد ان کی اطاعت کی تھی۔ پھر اللہ تعالےٰ نے یہ بتایا کہ وہ مسلمانوں کا مولیٰ اور بہترین مددگار ہے، جو اس سے محبت رکھے گا وہی کامیاب ہوگا۔ اور وہ کفار کے دلوں میں مسلمان کا رعب ڈالدے گا پھر وہ حملہ نہیں کرسکیں گے اور اس رعب کا سبب شرک ہے، جس کا شرک زیادہ ہوگا اسی کو زیادہ خوف لاحق ہوگا۔ اور جس مومن کے ایمان میں شرک کی آمیزش نہ ہوگی اس کے لئے امن و ہدایت مقرر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس کا مدد کا وعدہ سچا ہے، جبتک مسلمان فرمانبردار رہیں گے اللہ کی مدد ہوتی رہے گی۔ لیکن جب مسلمانوں نے فرمانبرداری چھوڑ دی تو خدا کی مدد بھی رُک گئی اور ان کو ان کے دشمنوں سے اللہ نے پھیر دیا تاکہ آزمائش ہو سکے اور معصیت کا انجام معلوم ہو۔ پھر اللہ نے بتایا کہ انھیں معاف کر دیا گیا۔ حضرت حسن سے پوچھا گیا کہ دشمنوں کو مسلط کرنے کے بعد معافی کا کیا معانی؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر اللہ کی معافی نہ ہوتی تو دشمن مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیتے، لیکن یہ عفوِ الٰہی کا ہی کرشمہ تھا کہ مسلمانوں کے استیصال پر دشمنوں کے اتفاق کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے انھیں روک دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یاد دلایا کہ وہ کس طرح پہاڑ کی طرف چڑھتے ہوئے بھاگے جا رہے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نیز صحابہ کی طرف مُڑ کر دیکھتے نہیں تھے، حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ اللہ کے بندو، میں رسول اللہ ہوں، میرے پاس آؤ۔ اس فرار کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انھیں غم کے بعد غم دیا یعنی ایک تو فرار کا غم، اور دوسرا شیطان کے اس نعرے کا غم کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے۔ بعض لوگوں نے "غما بغم" کا یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے فرار ہو کر رسول

صلی اللہ علیہ وسلم کو غم میں مبتلا کیا تھا، اس لئے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں غم میں ڈالا، لیکن پہلی تفسیر بچند وجوہ زیادہ ظاہر ہے۔

اول اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ (لکی لا تاسوا) یعنی تاکہ تم غم نہ کرو، اس میں غم کے بعد غم کی حکمت پر تنبیہ ہے، یعنی اس غم کو بھلا دینا جو فتح کے بجائے شکست حاصل ہونے سے پیدا ہوا تھا، اور یہ چیز اسی غم سے حاصل ہو سکتی ہے جس کے بعد دوسرا غم ہو۔

دوم یہ کہ یہی مفہوم واقعہ کے مطابق ہے، چنانچہ مسلمانوں کو ایک تو غنیمت کے فوت ہونے کا غم تھا، پھر شکست کا، پھر زخم و قتل، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کا، پھر دشمنوں کے پہاڑ پر ظاہر ہونے کا، اس لئے یہاں مخصوص طور پر دو غم نہیں مراد ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ از راہ آزمائش پیہم غم لاحق ہوئے۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا قول (بِغَمٍّ) ثواب کا تتمہ ہے، ثواب کی جزاء کا سبب نہیں اور معنی یہ ہے کہ تمہیں ایک غم سے متصل دوسرا غم دیا کیوں کہ تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر فرار ہوئے، آپؐ کی بات نہیں سُنی، مرکز پر جمے رہنے کے حکم کی مخالفت کی، آپس میں تنازعہ کیا اور سستی کی، اور ان میں سے ہر ایک فعل ایک مخصوص غم کا سبب بنا۔

پھر اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ فضل ہوا کہ اس نے نفرت کو روکنے والے اسباب کو جو طبیعتوں میں بالقوۃ موجود تھے فعل کی طرف نکال دیا تاکہ اس کے ناپسندیدہ اثرات ظاہر ہوں پھر مسلمانوں کو یہ معلوم ہو کہ ان سے توبہ کرنا، بچنا اور مخالف اعمال سے ان کو روکنا ضروری ہے، جیسا کہ کبھی کبھی بعض بیماریوں کے سبب جسم کو صحت حاصل ہو جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم کیا اور ان پر اونگھ طاری کر کے اس غم کو دور فرما دیا، اور یہ اونگھ جنگ میں کامیابی کی علامت ہے، یہ بدر کے دن بھی واقع ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنھیں یہ نیند نہیں ملی، کیونکہ انھیں اسلام، نبی اسلام صلی اللہ

علیہ وسلم اور صحابہ کے بجائے اپنی جان کا غم کھائے جا رہا تھا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ جاہلانہ ناحق گمان کر رہے تھے۔

اس گمان کی وضاحت میں مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ یہ سوچتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہیں فرمائے گا اور آپؐ کا معاملہ کمزور پڑ جائے گا، وہ یہ بھی سوچتے تھے کہ جو کچھ انہیں لاحق ہوا تقدیر الٰہی سے نہیں ہوا، اور اس میں کوئی حکمت بھی پوشیدہ نہیں، گویا انھیں اللہ کی حکمت، تقدیر اور دین کے اتمام کا انکار تھا، یہی بدظنی مشرکین و منافقین کو بھی تھی جس کا ذکر سورۂ فتح میں ہوا ہے۔ ایسے گمان کو بُرا گمان اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات، اس کے اسماء، اس کی حکمت، اس کی حمد، ربوبیت و الوہیت کے ساتھ اختصاص، وعدہ کی سچائی وغیرہ کے شایان شان نہیں۔ چنانچہ جو شخص یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے معاملہ کو اتمام تک نہیں پہونچائے گا اور باطل کو حق پر دائمی غلبہ دے دیگا، جس سے حق کمزور پڑ جائیگا اور پھر اسے بقاء نہ حاصل ہوگی، تو اس کا یہ سمجھنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدظنی ہوگی۔ اگر کوئی اس طرح کے کام میں تقدیر الٰہی کا انکار کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و ملکیت کا منکر ہے، اور جو اس میں اس کی اس حکمت کا انکار کرے جس پر وہ حمد کا مستحق ہے اور یہ سمجھے کہ اس طرح کا کام حکمت الٰہی سے خالی مشیئت ہے تو یہ کفار کا گمان ہے، اور کفار کے لئے جہنم کی خرابی و تباہی ہے۔

بہت سے لوگ اللہ تعالیٰ کیساتھ اپنے اور دوسرے انسانوں کے ساتھ متعلق معاملات میں بدظنی رکھتے ہیں، اور اس سے صرف وہی لوگ بچتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ، اس کی صفات اور حکیم و حمید ہونے کا پختہ علم ہے، جو لوگ اس کی رحمت سے ناامید ہیں وہ بھی بدظنی کے مرتکب ہیں۔ اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ نیکوکار کو عذاب دے سکتا ہے اور دوست و دشمن کے ساتھ برابری کر سکتا ہے وہ بھی اللہ کے ساتھ بُرا گمان رکھتا ہے۔ جو یہ سمجھتا

ہے کہ اس نے مخلوق کو امر و نہی سے آزاد پیدا کیا ہے وہ بھی اسی بدگمانی کا شکار ہے ایسی طرح جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو ثواب و عذاب نہ دیگا اور ان کے اختلافات کی چیزوں کو بیان نہیں کریگا۔ اس بدگمانی کا مرتکب وہ شخص بھی ہے جو یہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ بغیر سبب نیک عمل کو ضائع کر دے گا، اور بن کئے کاموں پر سزا دے گا، اور دشمنوں کی معجزات کے ذریعہ مدد کریگا، اس کا ہر کام اچھا ہے خواہ تاعمر عبادت کرنے والے کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالدے اور ہمیشہ معصیت کرنے والے کو نعمت میں رکھ دے، دونوں حسن میں برابر ہیں، کسی ایک کام کا محال ہونا بغیر سچی خبر کے معلوم نہیں ہو سکتا، عقل ایک کے قبح اور دوسرے کے حسن کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اسی طرح جو شخص یہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، صفات اور افعال کے بارے میں ایسی چیزوں کے ذریعہ خبر دیا ہے جو باطل ہیں اور حق کو چھوڑ دیا ہے اور اس کی خبر دینے کے بجائے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے، اور تشبیہ و باطل کے ذریعہ تصریح کی ہے اور یہ چاہا ہے کہ مخلوق اس کے کلام کی تحریف کے لئے ذہنی کاوش سے کام لے اور اسماء و صفات کی معرفت کے بارے میں کتاب الٰہی کی جگہ انسانی عقول پر اعتماد کیا ہے، بلکہ یہ چاہا ہے کہ انسان اس کے کلام کو اپنی معروف زبان پر نہ محمول کریں، حالانکہ اسے حق کو واضح کرنے اور ان الفاظ کو دور کرنے پر قدرت ہے، جن سے لوگ باطل عقیدے میں پڑ جاتے ہیں، اور اسی طرح جو یہ سمجھے کہ اللہ اور رسول کے سوا اس نے اور اس کے پیشروؤں نے حق کو واضح کیا ہے اور ہدایت و رہنمائی انہیں کے کلام میں ہے، اور کلام الٰہی کے ظاہری معنی سے گمراہی کے علاوہ کچھ اور حاصل نہیں، تو ایسا سوچنے والے تمام لوگ اللہ کے ساتھ بدترین گمان رکھنے والے ہیں، ایسا گمان دورِ جاہلیت کا گمان ہے۔ اور جو یہ سمجھے کہ اللہ کی بادشاہت میں وہ کام بھی ہو جاتا ہے جسے وہ نہیں چاہتا اور جس کی ایجاد و تکوین پر وہ قادر نہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ

بدترین گمان رکھنے والے ہیں، ایسا گمان دورِ جاہلیت کا گمان ہے۔ اور جو یہ سمجھے کہ اللہ کی بادشاہت میں وہ کام بھی ہو جاتا ہے جسے وہ نہیں چاہتا اور جس کی ایجاد و تکوین پر وہ قادر نہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے۔ اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ازل سے ابد تک معطل ہے، فعل پر اسے قدرت نہیں، پھر بعد میں قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو یہ بھی بدگمانی ہے۔ اور جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نہ سنتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ موجودات کو جانتا ہے تو وہ بھی بدگمانی کا مرتکب ہے۔ اور جو یہ سمجھے کہ اللہ کا نہ ارادہ ہے، نہ اس کے ساتھ کلام کا قیام ہے، نہ اس نے کسی سے کلام کیا اور نہ کرے گا، نہ حکم دیا اور نہ منع کیا تو اس نے بھی بدگمانی کی۔ اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر عرش پر مخلوق سے جُدا نہیں ہے اور تمام مقامات کی نسبت اس کے حق میں برابر ہے، اور جو سبحان ربی الاعلیٰ کی طرح سبحان ربی الاسفل کہے تو یہ بدترین گمان ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ وہ فرمانبرداری کی طرح کفر، فسق اور نافرمانی کو پسند کرتا ہے بدگمانی ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ وہ نہ تو پسند کرتا ہے نہ راضی ہوتا ہے نہ غصہ ہوتا ہے، نہ دوست رکھتا ہے، نہ دشمن سمجھتا ہے، نہ کسی سے قریب ہوتا ہے، نہ کسی کو قریب کرتا ہے، تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ بدگمانی ہے۔ اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ دو متضاد چیزوں کے درمیان برابری کرے گا یا دو برابر چیزوں کے درمیان تفریق کرے گا یا ایک کبیرہ گناہ سے تمام عمر کی نیکیوں کو ضائع کر کے گناہ کے مرتکب کو ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈال دے گا تو یہ بھی اس کے ساتھ بدگمانی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات یا رسول کے متعلق جن اوصاف کا ذکر کیا ہے ان کے خلاف اوصاف کا گمان رکھنا یا جن اوصاف سے خود کو متصف بتایا ہے ان سے اسے معطل گردانا بدگمانی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ سمجھے کہ اس کے لڑکا شریک یا بغیر اجازت کا سفارشی ہے یا اس کے اور مخلوق کے مابین وسائل ہیں جو ضرورتو

کو اس تک پہونچاتے ہیں، یا اس کے پاس کے انعامات اطاعت کی طرح معصیت سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں، یا جب اس کی خاطر کوئی چیز چھوڑ دیجاتی ہے تو وہ اس سے بہتر عوض نہیں دیتا یا محض چاہنے پر وہ بلا سبب بندے کو سزا دیتا ہے یا سچی رغبت و خوف کے باوجود بندے کو نامراد بنا دیتا ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے یا ان کے مرنے کے بعد لوگوں نے خود رائی سے کام لے کر اہل بیت پر ظلم کیا یا اللہ اور مسلمانوں کے دشمنوں کو دوستوں کے کسی گناہ کے بغیر عزت ملی یا وہ آپؐ کی مدد پر قادر تھا پھر آپؐ کے دشمنوں کو جنھوں نے آپؐ کے دین میں تبدیلی کر دی تھی، قبر میں آپؐ کا ہم خواب بنایا جہاں امت آپؐ کے ساتھ ساتھ ان پر بھی سلام بھیجتی ہے تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے بارے میں بیحد قبیح قسم کی بدگمانی ہے، اور لوگوں میں اکثر اس میں مبتلا ہیں، الا ماشا ءاللہ، نفس کو ٹٹولنے پر یہ بیماری اس طرح چھپی ملے گی جیسے چقماق میں آگ، جس کا دل ٹٹولو گے یہی آگ ہر جگہ ملے گی، خواہ کم یا زیادہ، خود اپنے آپ کو ٹٹول کر دیکھو کیا تم محفوظ ہو، شعر:

(اگر محفوظ ہو تو بڑی بلا سے محفوظ ہو، لیکن میرا خیال ہے کہ محفوظ نہ ہو گے)

اس لئے دانا شخص کو اپنے اوپر توجہ دینی چاہئیے، اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہئیے اور مذکورہ قسم کی بدگمانی سے استغفار کرنا چاہئیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو بتایا جو ایسا گمان رکھنے والوں کے باطل گمان سے صادر ہوا یعنی ان کا یہ کہنا کہ:

هل لنا من الامر من شيء	اس معاملہ میں ہمارا بھی کچھ ہے؟

پھر یہ کہنا کہ:

لو كان لنا من الامر شيء ما قتلنا هاهنا۔	اگر معاملہ میں ہمارا کچھ ہوتا تو ہمیں یہاں قتل نہ کیا جاتا۔

اس قول سے وہ تقدیر ثابت نہیں کرنا چاہتے تھے، اگر ایسا ہوتا توان کی مذمت نہ کی جاتی اور یہ جواب دینا مناسب نہ ہوتا کہ :

قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ ۔ آپ فرما دیجئے کہ معاملہ پورا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

یعنی وہی ہوگا جس کا فیصلہ اللہ نے کیا ہے، گھر میں بیٹھے ہوئے شخص کے لیئے قتل مقدر ہے تو وہ مقتل میں ضرور پہونچے گا، اور اس سے قدریہ کے خیال کی واضح تردید ہوتی ہے۔

پھر اس تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری حکمت کا ذکر کیا ہے، یعنی سینوں میں چھپے ہوئے حالات وخیالات کی آزمائش اور ایمان ونفاق کا امتحان، جس سے مومن کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے، اور منافق اور جن کے دل میں مرض ہے ان کا باطنی حال واضح ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری حکمت کا ذکر کیا یعنی مومن کے دلوں کی صفائی، کیونکہ طبیعتوں کے غلبے، نفوس کے میلان، عادات کے تسلط اور غفلت کے غلبہ سے ایمان کے منافی اثرات پیدا ہو جاتے ہیں، اگر دلوں کو ہمیشہ عافیت حاصل رہے تو یہ سب بیماریاں دور نہیں ہوسکتیں، اس لئے انسانوں کے ساتھ رحم کا تقاضہ ہے کہ اس طرح کی شکست اور جھٹکا لگے تاکہ اصلاح ہو، یہ چیز کسی مدد سے کم نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کا ذکر کیا جو میدان سے بھاگ آئے تھے اور یہ بتایا کہ ایسا گناہوں کے سبب ہوا ہے، شیطان ایسے اعمال کے ذریعہ انھیں پھسلاتا ہے، یہ اعمال خود انسانوں کے خلاف دشمنوں کی مدد کا کام دیتے ہیں، کیونکہ بعض عمل مخالف اثر رکھتے ہیں اور بعض موافق، اگر انسان ایسے دشمن کے مقابلہ سے فرار ہوجائے جس کی اسے طاقت ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بُرے اعمال کے اثرات سے ہوا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مسلمانوں کو معاف کر دیا گیا کیوں کہ وہ میدان جنگ سے

کسی شک کی بنیاد پر نہیں بھاگے تھے، بلکہ ایک عارضی سبب سے ایسا ہو گیا تھا۔ پھر بتایا کہ جنگ میں جو کچھ ہوا مسلمانوں کے اپنے فعل سے ہوا:

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا۔ الخ (آل عمران - ۱۶۵)	کیا جب تمہیں کچھ تکلیف پہونچی جس سے دگنی تم ان کو پہونچا چکے تھے۔ الخ

مکی سورتوں میں اسی بات کو مزید عموم سے ذکر کیا ہے، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ (الشوریٰ - آیت ۳۰)	جو کچھ تم کو تکلیف پہونچتی ہے سب تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے اور وہ بہت سے تصور معاف بھی کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ فرمایا:

ما اصابك من حسنة فمن الله، و ما اصابك من سيئة فمن نفسك (النساء — آیت)	جو بھلائی تم کو پہونچتی ہے وہ اللہ کی مہربانی سے ہے اور جو تکلیف پہونچتی ہے وہ تمہارے نفس سے ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ نعمت اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ناپسندیدہ نتیجہ اس کے عدل کا تقاضہ۔ پھر آیت کو اس ٹکڑے (اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) یعنی اللہ ہر چیز پر قادر ہے) پر ختم کر کے اس بات سے آگاہ کیا کہ عدل کے ساتھ اللہ کی قدرت بہت عام ہے۔ اس سے تقدیر اور اسباب دونوں کا اثبات ہو گیا، اور یہ معلوم ہوا کہ سبب بندوں کی طرف اور قدرت عامہ اللہ کی طرف منسوب ہے۔ پہلی چیز سے جبر کا ابطال ہو گیا اور دوسری سے قدریہ کا مذہب غلط ہوا، اسی سے ملتا جلتا مضمون اس آیت میں ہے:

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ، وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ	اس کے لئے جو راہ راست پر سیدھا چلنا چاہے اور تم چاہ کر کامیابی حاصل نہیں کر سکتے مگر جس وقت

(سورۂ تکویر، آیت ۲۸) خدا ہی چاہے جو سارے جہاں کا پروردگار ہے

اور آیت میں قدرت کا ذکر کرنے میں یہ لطیف نکتہ ہے کہ یہ معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، اس لئے ایسے امور کو دور کرنے کا سوال صرف اسی سے ہونا چاہیئے، اسی چیز کو ذیل کی آیت سے بھی واضح کیا گیا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ (آل عمران - ۱۶۶)

اور جو تکلیف تم کو دو لشکروں کے مقابلہ کے دن پہونچی وہ بھی اللہ کے حکم سے تھی۔

اور اس اذن سے تکوینی و تقدیری اذن مُراد ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس تقدیر کی حکمت بتائی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن و منافق کو ظاہری طور پر لوگ جان لیں، چنانچہ منافقین نے اپنے دلوں کی بات کو زبان سے ظاہر کر دیا اور مسلمانوں نے اسے سُنا، اسی طرح انھوں نے اللہ تعالیٰ کا جواب بھی سنا اور انھیں نفاق کا انجام معلوم ہوگیا۔ اب ہم سوچ سکتے ہیں کہ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی کتنی حکمتیں، نعمتیں، تنبیہ اور رہنمائی پوشیدہ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے شہداء کے سلسلہ میں مسلمانوں کو یہ بہترین تسلی دی۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا، بَلْ اَحْيَآءٌ - الخ

اللہ کی راہ میں مارے جانے والوں کو مُردہ نہ سمجھو، بلکہ وہ زندہ ہیں۔

(آل عمران - آیت ۱۶۹ - ۱۷۳)

ان آیات میں شہداء کی تکریم سے متعلق کئی باتیں ذکر ہیں، یعنی انھیں دائمی زندگی حاصل ہے، اللہ تعالیٰ کا قرب میسر ہے اور شہداء اللہ کے پاس رہتے ہیں، انھیں مسلسل رزق ملتا ہے، اور انھیں اللہ کے فضل سے جو کچھ ملا ہے اس پر وہ صرف راضی ہی نہیں بلکہ بیحد مسرور ہیں، اور جو مسلمان بھائی ابھی ان سے ملے نہیں ہیں ان سے بشارت حاصل کرتے

ہیں، جب ان سے ملیں گے اس وقت انھیں مکمل مسرت ہوگی، اور بشارت کے اس حصول سے اللہ کی نعمت اور اس کے کرم کی برابر تجدید ہوتی رہتی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش کی سب سے بڑی نعمت کا ذکر کیا جس کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی آزمائش اور بڑا سے بڑا امتحان ہیچ ہے، اور وہ بعثت نبوی کی نعمت اگر اس سے حاصل ہونے والے فوائد پر غور کیا جائے تو واضح ہوگا کہ کوئی بھی آزمائش اسکے مقابلہ میں کچھ بھی وزن نہیں رکھتی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مصیبت کا سبب خود مسلمان تھے، اس لئے انھیں آئندہ بچنا چاہیئے، اور یہ اللہ کی تقدیر سے نازل ہوئی تھی اس لئے انھیں اس پر بھروسہ کرنا چاہیئے اور اس کی توحید کو ماننا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آزمائش میں مخفی حکمتوں کو اس لیئے ذکر فرمایا تاکہ مسلمان اس کے فضل اور تقدیر کے سلسلہ میں کوئی شکوہ نہ کریں اور اس کے مختلف اسماء و صفات کے ذریعہ اس کی معرفت حاصل کریں۔ تسلی کے طور پر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مسلمان اگر غنیمت و فتح سے محروم ہوئے تو اس کے بدلہ میں انھیں اس سے بڑی چیز ملی۔ پھر شہداء کے متعلق تسلی دی تاکہ لوگ شہادت کی جانب راغب ہوں اور مقتولین کا غم نہ کریں، فالحمد للہ تعالیٰ۔

۷۲۔ فصل

حمراء الاسد کا واقعہ

جب لڑائی ختم ہوگئی اور مشرکین واپس چلے گئے تو مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ ان کا مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ ہے، یہ چیز ان پر بیحد شاق گذری۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ ان کا پیچھا کرو اور دیکھو کہ کیا کر رہے ہیں اور کیا ارادہ ہے؟ اگر گھوڑوں کو

چھوڑکر اونٹوں پر سوار ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مکہ جا رہے ہیں، اور اگر گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو ہنکاتے ہوئے لیجا رہے ہوں تو یہ معنی ہوگا کہ مدینہ کا قصد ہے، قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر وہ مدینہ کے ارادے سے آئیں گے تو میں ان کی طرف بڑھوں گا اور ان سے مقابلہ کروں گا۔ حضرت علی کہتے ہیں کہ میں ان کے تعاقب میں چلا کہ دیکھوں کیا کر رہے ہیں، پہونچنے پر دیکھا کہ گھوڑوں کو چھوڑ کر اونٹوں پر سوار مکہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اور مکہ واپسی کا ارادہ جب پختہ ہو گیا تو ابو سفیان نے مسلمانوں کی طرف دیکھ کر بآواز بلند یہ کہا تھا: اسی موسم میں تم سے بدر کے مقام پر ملنے کا وعدہ ہے" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہدو کہ ہاں ہم ملیں گے، پھر وہ لوٹ گئے۔ لیکن راستہ ہی میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کا زور ہم نے توڑ دیا تھا لیکن پھر انھیں چھوڑ دیا گیا، اس طرح وہ اپنی طاقت پھر اکٹھا کرلیں گے، چلو واپس چل کر ان کا استیصال کردیں۔ ان کے اس ارادے کی خبر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تو آپ نے اعلان کر کے صحابہ کو نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ صرف وہی لوگ ساتھ چلیں جو احد کی لڑائی میں شریک تھے۔ مسلمانوں نے اپنی خستہ حالی کے باوجود آپ کی آواز پر لبیک کہا اور تیار ہو گئے، حضرت جابر نے اپنے والد کی حالت کے پیش نظر آپ سے رکنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اجازت دیدی، مسلمانوں کی جماعت چل کر حمراء الاسد پہونچی۔ ابو سفیان نے جاتے ہوئے مدینہ کی طرف آنے والے ایک مشرک سے کہا کہ تم اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایک پیغام پہونچا دو تو میں مکہ واپس آنے پر تمہیں ایک سواری کے وزن برابر منقی دوں گا۔ اس نے آمادگی ظاہر کی، ابو سفیان نے اس سے کہا کہ یہ کہدو کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کے استیصال کے لئے پھر حملہ کا پروگرام بنایا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں نے کہا کہ:

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ، فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْءٌ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ۔ (آل عمران۔ ۱۷۴۔۱۷۵)

اللہ ہم کو کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، پھر وہ خدا کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے ان کو کچھ بھی ضرر نہ پہونچا اور اللہ کی مرضی پر چلے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

احد کا واقعہ شوال ۳ھ میں پیش آیا تھا۔ وہاں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور سال کے بقیہ مہینوں میں وہیں قیام فرمایا۔ محرم کا مہینہ شروع ہوا تو آپؐ کو خبر ملی کہ خویلد کے دونوں بیٹے طلیحہ اور سلمٰی اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ بنو اسد کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ جنگ پر آمادہ کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ نے ابوسلمہ کو ایک سو پچاس صحابہ کیساتھ ارسال فرمایا۔ یہ جماعت جنتمہ بنو اسد کے پاس پہونچی اور بہت سے اونٹ اور بکریوں پر قبضہ کر لیا، دشمنوں سے مدبھیڑ نہ ہوئی اور یہ لوگ واپس ہو گئے۔

۵ محرم کو آپؐ کو یہ معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان ہذلی جنگ کے ارادے سے لوگوں کو جمع کر رہا ہے۔ آپؐ نے عبداللہ بن انیس کو بھیج کر اسے قتل کرا دیا۔

صفر کے مہینہ میں آپؐ کے پاس قبیلہ عضل و قارہ کے لوگ آئے اور اپنی قوم کے مائل بہ اسلام ہونے کا ذکر کر کے آپؐ سے مبلغین بھیجنے کی درخواست کی، آپؐ حضرت خبیب سمیت چھ آدمیوں کو حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی کی سرکردگی میں روانہ فرمایا اور ان لوگوں کی شہادت کا مشہور واقعہ پیش آیا۔

اسی مہینہ میں بئر معونہ کا واقعہ بھی پیش آیا۔

ربیع الاول میں غزوۂ بنو نضیر پیش آیا۔ امام زہری کا خیال ہے کہ یہ غزوۂ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا تھا، لیکن یہ ان کا تسامح یا غلطی ہے، کیوں کہ یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ غزوۂ احد کے بعد پیش آیا تھا۔ بدر کے بعد غزوہ قینقاع پیش آیا تھا، اسی طرح قریظہ

خندق کے بعد اور خیبر حدیبیہ کے بعد، اس طرح یہود کے ساتھ کل چار غزوات پیش آئے۔

پھر آپؐ جمادی الاولیٰ میں غزوۂ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے، یہ غزوۂ نجد سے بھی موسوم ہے۔ اس میں آپؐ قبیلہ غطفان کے ارادہ سے نکلے تھے، اسی دن آپؐ نے صحابہ کو صلاۃ خوف بھی پڑھائی۔ اس غزوہ کی تاریخ میں نماز خوف کے بارے میں ابن اسحاق اور اصحاب سیر و معاز کی ایک جماعت کا یہی بیان ہے، اور اس کو لوگوں نے نقل بھی کیا ہے، لیکن اس میں بہت اشکال ہے۔ بظاہر پہلی صلاۃ خوف آپؐ نے غزوۂ عسفان میں پڑھی ہے، جیسا کہ امام ترمذی کی تصحیح کردہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ غزوۂ عسفان خندق کے بعد پیش آیا تھا، اور آپؐ سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے غزوہ ذات الرقاع میں صلاۃ خوف پڑھی تھی، جس سے یہ علم ہوتا ہے کہ وہ خندق و عسفان کے بعد واقع ہوا تھا۔ اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابوموسیٰ صحیحین کی روایت کے مطابق غزوۂ ذات الرقاع میں شریک تھے۔

آئندہ سال شعبان میں، اور بعض روایتوں کے مطابق ذی قعدہ میں ابوسفیان سے وعدہ کی بنا پر آپؐ نکلے اور بدر تک پہونچے اور مشرکین کا انتظار کیا۔ ابوسفیان بھی مشرکین کو لے کر مکہ سے نکلا، ان کی تعداد دو ہزار تھی اور پچاس گھوڑے ساتھ تھے۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلے تک پہونچ کر یہ لوگ واپس لوٹ گئے اور کہا کہ یہ قحط کا سال ہے۔

ربیع الاول ۵ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دُومۃ الجندل کی جانب نکلے اور وہاں پر آباد قبیلہ کی بکریوں پر حملہ کیا، کچھ ہاتھ لگیں اور کچھ بھاگ نکلیں۔ دومۃ کے باشندوں کو اس کی خبر ملی تو وہ ڈر کر منتشر ہو گئے۔

پھر ماہ شعبان میں آپؐ نے بریدہ اسلمی کو بنی المصطلق کی جانب بھیجا، یہی غزوۂ

مریسیع کے نام سے معروف ہے۔ مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس غزوہ میں فریقین کی صف آرائی کے بعد ایک گھنٹہ تک تیراندازی ہوئی، پھر آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا اور انھوں نے ایک ساتھ حملہ کر دیا، جس کے نتیجہ میں مشرکین کو شکست ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی عورتوں اور بچوں کو قید کر لیا اور مال و دولت پر قابض ہو گئے۔

اسی غزوہ میں حضرت عائشہ کا ہار گر گیا تھا جس کو ڈھونڈنے کے لئے مسلمانوں کو رکنا پڑا، اور تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ امام طبرانی نے معجم میں بہ سند محمد بن اسحاق عن یحیی بن عباد بن عبداللہ بن الزبیر عن ابیہ عن عائشہ نے جو حدیث ذکر کی ہے اس میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میری بیٹی، ہر سفر میں تم تکلیف و مشقت کا باعث بنتی ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے تیمم کی آیت نازل فرمائی۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہار کا قصہ جس کی وجہ سے تیمم کا حکم نازل ہوا اس غزوہ کے بعد کا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے لیکن اس غزوہ میں افک کا واقعہ پیش آیا تھا اور اس کا سبب بھی ہار کی گمشدگی ہی تھی، اسی وجہ سے بعض مؤرخین کو دونوں واقعات کے سلسلہ میں اشتباہ ہو گیا۔

لیکن افک کا واقعہ اسی غزوہ میں پیش آیا تھا، جس کے بعد حضرت علیؓ نے اشارہ سے یہ مشورہ دیا کہ آپؐ حضرت عائشہ کو علیحدہ فرما دیں، کیونکہ معاملہ مشکوک ہو چکا تھا اور شک کے مقابلہ میں یقین کو ترجیح دینا بہتر ہے۔ حضرت علیؓ کا مقصد یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس غم سے نجات مل جائے جو لوگوں کی چہ میگوئیوں اور الزام سے لاحق ہوا تھا۔

حضرت اسامہ نے انھیں ساتھ رکھنے کا حکم دیا کیوں کہ انھیں معلوم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے اور ان کے والد حضرت ابوبکرؓ سے حد درجہ محبت ہے، وہ عفت و تدین کے لئے معروف ہیں اور یہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کی محبوب بیوی اور اپنے صدیق کی لڑکی کو افتراء پردازوں کی کہی ہوئی بات کا مصداق بنائے۔

اللہ اور رسول کی سچی معرفت رکھنے والے اور اللہ کے نزدیک رسول کے مرتبہ کو جاننے والے لوگوں نے تو حضرت ابوایوب اور دیگر اہم صحابہ کی طرح اس بات کو سن کر صرف یہ کہا کہ :

سُبْحٰنَكَ، هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ "سبحان اللہ، یہ بہت بڑا بہتان ہے۔"

اس موقع پر اللہ کی پاکی کا جملہ بول کر ان لوگوں نے اس یقین کا اظہار کیا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے شایان شان نہیں کہ کسی بدکار عورت کو اپنے رسول کے عقد میں لائے

اس موقع پر اگر یہ سوال ہو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ کے معاملہ میں توقف اور تجسس کیوں تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ان حکمتوں کے تتمہ کے لئے ہوا جن کے لئے اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے سبب بنایا تھا، اس کے ذریعہ رسول اور امت کی آزمائش مقصود تھی، تاکہ کچھ لوگوں کو پست کیا جائے اور کچھ لوگوں کو بلندی دیجائے۔ آزمائش ہی کا تقاضہ تھا کہ ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ منقطع رہا، اور پوری طرح حکمت الٰہی کا ظہور عمل میں آیا، اس طرح مومنوں کے ایمان میں اضافہ اور عدل وحسن ظن پر ثبات قدمی میں زیادتی ہوئی، اور منافقین اپنے نفاق وافتراء پردازی پر جمے رہے، ان کے پوشیدہ ارادے بالکل نمایاں ہو گئے۔ حضرت عائشہ اور ان کے والد کی شان عبودیت اور اللہ پر ان کی نعمتیں تمام ہوئیں، انھوں نے اللہ کے حضور عاجزی وحاجتمندی کا اظہار کیا، مخلوق سے کٹ کر خالق سے اُمید باندھی۔ حضرت عائشہ نے تو اس موقع کا پورا حق اس وقت ادا کر دیا جب ان سے ان کے والد نے برأت کا حکم نازل ہونے کے بعد کہا کہ اٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ انھوں نے کہا کہ "میں آپؐ کے پاس نہیں جاؤں گی، بلکہ اس موقع پر صرف اللہ تعالیٰ کی حمد کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی۔ اگر اللہ تعالےٰ فوری طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت سے مطلع فرما دیتا تو یہ تمام امور

اور حکمتیں فوت ہو جاتیں اور کسی کو کچھ معلوم نہ ہوتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ اس کے یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو مرتبہ ہے اسے ظاہر کرے، خود آپؐ کی طرف سے مدافعت کرے اور ان دشمنوں کی تردید کرے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بے بنیاد باتیں منسوب کرتے تھے۔

مزید یہ کہ افتراء پردازوں کا مقصد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچانا تھا، ایسے موقع پر جب کہ آپؐ کی بیوی عائشہؓ پر الزام تھا، اُن کی پاکدامنی کے لئے خود آپؐ کی شہادت مناسب نہ تھی، آپؐ کو حضرت عائشہ کی برأت کا پورا یقین تھا، دوسرے مومنوں سے زیادہ آپؐ کے پاس قرائن بھی تھے، لیکن کمال صبر و ثبات کی بنا پر آپؐ خاموش رہے اور صبر کا پورا حق ادا کیا۔

حضرت عائشہ کی برأت پر مشتمل قرآنی آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے اس اتہام میں حصہ لینے والے لوگوں کو کوڑے کی سزا دی، لیکن سب سے بڑے افتراء پرداز عبداللہ بن ابی کو سزا نہیں دی۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہ کی ہے، ایک قول یہ ہے کہ چونکہ حدود کفارہ ہیں، اور منافق کفارہ کا سزاوار نہیں بلکہ اس کے لئے دردناک عذاب کا وعدہ ہے اس لئے اسے حد لگانے کی ضرورت نہیں۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ حد یا تو اقرار سے ثابت ہوتی ہے یا دلیل سے، اور ابن ابی نے نہ تو اپنے گناہ کا اقرار کیا تھا نہ ہی اس کے خلاف کسی نے گواہی دی تھی، کیوں کہ اس کے متبعین اس کے خلاف گواہی دے نہیں سکتے تھے اور مسلمانوں کے سامنے وہ بہتان تراشی کی ایسی باتیں کرتا نہیں تھا، اس لئے حد سے محفوظ رہا۔ تیسری توجیہ یہ کی گئی ہے کہ قذف کی حد آدمی کا ایسا حق ہے جسے بغیر مطالبہ حاصل نہیں کیا جا سکتا، اور اگر اسے اللہ کا حق مانا جائے تو بھی مقذوف (جس پر الزام لگایا گیا ہو) کی طرف سے مطالبہ ضروری ہے، اور دونوں صورتوں میں حضرت عائشہ کی

طرف سے کوئی مطالبہ نہ تھا۔

بعض لوگوں کی توجیہ یہ ہے کہ بتقاضائے مصلحت حد نہیں لگائی، جس طرح نفاق کے ظہور کے بعد اسے قتل نہیں کیا، مصلحت یہ تھی کہ قوم کو مانوس کیا جائے اور اسلام سے نفرت نہ دلائی جائے، کیوں کہ ابن ابی کے بارے میں مذکور ہے کہ اپنی قوم میں وہ سردار و مطاع تھا، اور اس کی طرف سے فتنہ انگیزی کا اندیشہ تھا۔ اور شاید انھیں وجوہ کا لحاظ کر کے آپؐ نے اس پر حد نہیں جاری فرمائی۔

اس غزوہ سے لوٹتے ہوئے منافقین کے سردار ابن ابی نے کہا تھا کہ:

لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ۔ (المنافقون ۔ ۸)

اگر ہم مدینہ واپس ہوتے تو باعزت لوگ بے عزت لوگوں کو وہاں سے نکال دیں گے۔

یہ بات حضرت زید بن ارقم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سنائی، پھر ابن ابی آپؐ کے پاس آکر معذرت کرنے لگا اور قسم کھانے لگا کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے اور حضرت زید کی تصدیق میں قرآن کی سورۃ منافقین نازل ہوئی۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید کا کان پکڑ کر فرمایا کہ خوش ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق فرما دی۔ آپؐ نے مزید فرمایا یہ وہ شخص ہے جس نے اپنے کان کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ، عباد بن بشیر کو حکم دیجئے کہ اس کی گردن مار دے۔ آپؐ نے فرمایا کہ جب لوگ یہ کہنے لگیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں، اس وقت تم کیا جواب دو گے؟

۳۷۔ فصل

غزوۂ خندق

یہ غزوہ شوال ۵ھ میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے احد کی لڑائی میں مشرکین کی کامیابی دیکھی تھی، پھر انھیں یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں سے وعدہ کے مطابق ابوسفیان جنگ کے لئے نکلا پھر واپس لوٹ گیا۔ ان دونوں باتوں کے پیش نظر مغز یہودی مکہ جاکر قریش سے ملے اور انھیں مسلمانوں پر حملہ کے لئے اُکسایا۔ قریش نے یہودیوں کی بات سن لی اور قبیلہ غطفان سے ملے۔ قبیلہ والوں نے قریش کی دعوت جنگ پر لبیک کہا۔ اسی طرح قریش نے دوسرے قبیلہ والوں کو جمع کیا اور خندق کی لڑائی پیش آئی۔ اس مقام پر ابن القیم نے قبیلہ عرنیہ کے لوگوں کا واقعہ ذکر کر کے تحریر فرمایا ہے کہ اس سے درج ذیل احکام مستنبط ہوتے ہیں۔

۱۔ اونٹ کا پیشاب پینا جائز ہے۔

۲۔ جس جانور کا گوشت کھانا جائز ہے اس کا پیشاب پاک ہے۔

۳۔ محارب یعنی آمادۂ جنگ افراد کو اگر وہ مال پر قبضہ کرلیں، ہاتھ پیر کاٹنے اور قتل کی سزا دیجائے گی۔

۴۔ مجرم جو جرم کرے اس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔ چنانچہ ان لوگوں نے چرواہے کی آنکھوں میں سلائی ڈالی تھی تو ان کی آنکھوں میں بھی سلائی دی گئی۔

اس توضیح سے پتہ چلا کہ واقعہ محکم ہے، اس وقت حدود نازل نہیں ہوئی تھیں لیکن نازل ہونے کے بعد اس واقعہ کا اثبات ہوا نہ کہ ابطال۔

۴۷۔ فصل

صلح حدیبیہ

حدیبیہ کا واقعہ ذکر کرتے ہوئے مصنف نے لکھا ہے کہ، اس میں یہ طے پایا تھا کہ دس سال تک جنگ نہ ہوگی، اور آپؐ اس سال واپس چلے جائیں گے، چنانچہ آئندہ سال آپؐ تشریف لائے اور مشرکین نے کوئی مزاحمت نہ کی، اور تین دن آپؐ نے قیام کیا۔ یہ شرط بھی تھی کہ مسلمان مکہ میں داخل ہوتے وقت تلوار میان میں رکھ کے آئیں گے۔ جو شخص مشرکین کے پاس آئے گا اسے وہ واپس نہیں کریں گے اور جو مسلمانوں کے پاس آئے گا اسے مسلمانوں کو واپس کرنا ہوگا۔

حدیبیہ ہی کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے کعب بن عجرۃ سے متعلق یہ حکم نازل فرمایا کہ حج میں سر منڈانے والے فدیہ میں روزہ رکھیں، یا صدقہ یا قربانی کریں۔

اسی میں سر منڈانے والوں کے لئے تین بار اور بال چھوٹا کرنے والوں کے لئے ایک بار آپؐ نے دُعا فرمائی۔

اور ایک اونٹ دس افراد کی طرف سے اور ایک گائے سات افراد کی طرف سے قربانی میں دی۔

اسی میں آپؐ نے ابوجہل کے اونٹ کو ہدی میں دیا تاکہ مشرکین برافروختہ ہوں۔

اسی میں سورہ فتح نازل ہوئی۔

جب آپؐ مدینہ واپس تشریف لائے تو مسلمان عورتیں آپؐ کے پاس آئیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں مشرکوں کی جانب واپس لوٹانے سے آپؐ کو منع فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ اس

سے یہ معلوم ہوا کہ عورتوں سے متعلق صلح حدیبیہ کی شرائط مسلم نہیں، بعض لوگوں نے کہا کہ حدیث کو قرآن کے ذریعہ خاص کیا گیا ہے، اور ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ معاہدہ کی شرطوں کا تعلق صرف مردوں سے تھا، اور مشرکین نے انھیں دونوں اصناف پر لاگو کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کیا جا سکتا ہے، اور میقات سے عمرہ کا احرام باندھنا افضل ہے، جیسا کہ حج کا احرام ہے۔

جس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ، بیت المقدس سے عمرہ کا احرام باندھنے والے کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، وہ ثابت نہیں ہے۔

ایک مسئلہ یہ بھی معلوم ہوا کہ تنہا عمرہ میں ہدی (قربانی) بھیجنا سنت ہے، اور اسے اِشعار (خون سے نشان زدہ) کرنا سنت ہے، اسے مثلہ نہیں کہا جا سکتا۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دشمنانِ خدا کو برافروختہ کرنا اور جلانا بھی سنت ہے۔

اور یہ کہ امیر دشمنوں کی جاسوسی کے لئے لوگوں کو بھیج سکتا ہے۔

اور یہ کہ کسی بے ضرر مشرک سے جہاد میں مدد لینا بوقت ضرورت جائز ہے، چنانچہ عینیہ خزاعی سے جو کہ کافر تھا آپؐ نے مدد لی تھی۔

اور یہ کہ امام رعیت سے مشورہ کر سکتا ہے تاکہ صحیح رائے سامنے آئے، لوگوں کے دل خوش ہوں اور حکم الٰہی کی پابندی ہو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مشرکین کی اولاد کو جنگ سے پہلے قید کرنا جائز ہے۔

اور یہ کہ غلط بات کی خواہ وہ غیر مکلف کی طرف منسوب ہو تردید کرنی چاہیئے چنانچہ جب لوگوں نے کہا کہ قصواء اونٹنی اَڑ گئی ہے، تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ اَڑی نہیں ہے اور نہ اسے یہ زیبا ہے۔

اور یہ کہ کسی دینی خبر کی تاکید کے لئے قسم کھانا مستحب ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کل اسی سے زائد مقامات پر قسم منقول ہے، اور سورۂ یونس، سبا، اور تغابن میں تین مقامات پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو قسم کا حکم دیا۔

اور یہ کہ مشرکین اور فاجر اگر محرمات الٰہی میں سے کسی امر کی تعظیم کا مطالبہ کریں تو ان کی بات مانی جائے گی اور اس سلسلہ میں ان کے ساتھ تعاون کیا جائے گا، البتہ کفر و شرک اور دوسرے معاملات میں ان کے ساتھ تعاون نہ ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ چیز پر مدد طلب کرنے والے شخص کی بہرحال مدد کیجائے گی، بشرطیکہ اس سے کوئی ناپسندیدہ چیز کا ظہور لازم نہ آئے۔ یہ مقام بہت نازک اور مشکل ہے، اسی لئے بہت سے صحابہ کے دلوں میں تنگی پیدا ہوئی تھی، حضرت عمرؓ نے اسی وجہ سے اس موقع پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا تھا، اور حضرت ابوبکرؓ نے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دیا، اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپؓ تمام صحابہ میں افضل تھے۔ اللہ، رسول اور دین کے بارے میں آپؓ کی واقفیت زیادہ تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت میں سب سے سخت تھے، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ کے علاوہ کسی اور صحابی سے دریافت نہیں کیا۔

اس واقعہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کی جانب بائیں طرف مائل ہو کر نکلے تھے، اس لئے امام شافعی کا قول ہے کہ اس کا بعض حصہ حل میں ہے اور بعض حرم میں۔ اسی واقعہ کے ضمن میں امام احمد نے یہ روایت نقل کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حرم میں نماز پڑھتے تھے، حل کے سلسلہ میں اس میں اضطراب ہے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اجر میں اضافہ کا وعدہ پورے حرم سے متعلق صرف مسجد سے نہیں، اور "صلاۃ فی مسجد الحرام" کے الفاظ کی حیثیت وہی ہے جو آیت کریمہ:

فَلا یقربوا المسجد الحرام" میں اور "سبحان الذی أسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام" میں ہے۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ مکہ کے قریب اترنے والے کیلئے مناسب ہے کہ حل میں اُترے اور حرم میں نماز پڑھے، حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کرتے تھے۔

اور یہ کہ مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر امام صلح کا مطالبہ کر سکتا ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ کا آپؐ کے سر کے پاس تلوار لے کر کھڑا ہونا آپؐ کے روزانہ کے معمول میں نہ تھا، لیکن غیر مسلم قاصدوں کی آمد کے موقع پر فخر و عزت اور امام کی توقیر و تعظیم کے لئے ایسا کرنا مناسب ہے، ایسا عمل تکبر مذموم میں شمار نہ ہوگا، جیسا کہ جنگ میں فخر و تکبر کا اظہار جائز ہے۔

اور دوسرے قاصد کے سامنے اونٹوں کو بھیجنے سے یہ دلیل نکلتی ہے کہ کفار کے قاصدوں کے سامنے اسلامی شعائر کا اظہار مستحب ہے۔ مغیرہ سے آپؐ کا یہ فرمانا کہ اسلام مجھے قبول ہے اور مال سے کوئی مطلب نہیں، اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ والے مشرک کا مال محفوظ ہے، اس پر قبضہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ واپس کر دیا جائے گا، کیوں کہ مغیرہ امان کے بعد اُن کی مصاحبت میں آیا تھا، پھر بیوفائی کر کے قبضہ کر لیا، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مال سے کوئی تعرض نہ کیا، نہ مدافعت کی نہ ضمانت دی، کیوں کہ یہ واقعہ مغیرہ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے پیش آیا تھا۔

حضرت ابوبکر نے عروہ بن مسعود کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ:

امصص بظر اللات "لات کی شرمگاہ چوسو"

اس سے یہ دلیل ملی کہ مصلحت کی وجہ سے شرمگاہ کا نام کھول کر لیا جا سکتا ہے جیسا کہ جاہلیت کے دور کے نعروں کو دہرانے والے شخص کے حق میں باپ کی شرمگاہ کی

وضاحت کا حکم ہے، مثلاً یہ کہنا:

اعضض أیر أبیك "اپنے باپ کا ذکر کاٹو۔"

اس میں کسی طرح کا کنایہ نہیں کیا گیا ہے، کیوں کہ ہر مقام کے مناسب ایک بات ہوتی ہے۔

ایک حکم یہ معلوم ہوا کہ اگر رسول اللہ کے ساتھ کفار بے ادبی کریں اور مصلحت کا تقاضہ ہو کہ اسے برداشت کیا جائے تو کرنا چاہیئے، جیسا کہ عروہ کے آپؐ کی داڑھی پکڑنے پر آپؐ کی طرف سے کوئی اعتراض نہیں ہوا۔

اسی واقعہ سے کھنکھار اور مستعمل پانی کی طہارت کا بھی علم ہوا اور یہ بھی پتہ چلا کہ نیک فال لینا مستحب ہے، کیوں کہ سہیل کی آمد پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "سھل امرکم" یعنی تمہارا کام آسان ہو گیا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصلحت کی بنیاد پر مشرکین کے ساتھ دب کر صلح کرنا جائز ہے۔

درج ذیل احکام بھی اسی واقعہ سے معلوم ہوئے:

اگر کوئی شخص وقت کی تعین کے بغیر قسم کھائے یا نذر مانے یا کوئی وعدہ کرے تو اس کی تعمیل فوری ضروری نہیں بلکہ اسے مہلت رہے گی۔

سر کا منڈانا بھی حج کا ایک کام ہے اور یہ بال کتروانے سے افضل ہے، عمرہ میں بھی اسے عبادت کا حکم حاصل ہے، جیسا کہ حج میں ہے، زبردستی روکے گئے شخص کے عمرہ میں بھی اسے دوسروں کے عمرہ کی طرح عبادت کا حکم حاصل ہے۔

جسے روک دیا جائے وہ اسی مقام پر اپنے جانور کی قربانی کر دے گا، خواہ وہ حل ہو یا حرم ہو، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جانور کسی شخص کو دے تاکہ وہ حرم میں لے جا کر اس کی قربانی کرے، اور یہ کہ ہدی کے اپنی جگہ پہونچنے سے پہلے وہ شخص حلال نہ ہو گا، کیوں کہ

قرآن میں ارشاد ہے کہ:

وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ — اور قربانیوں کو قربان گاہ تک پہونچنے سے روکا کہ وہ اپنی جگہ پہ کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔

(الفتح ـ آیت ۲۵)

جس جگہ ان لوگوں نے قربانی کی تھی وہ حل کا مقام تھا کیوں کہ حرم پورا کا پورا قربانی کی جگہ ہے، اگر جانور وہاں پہونچ جاتے تو آیت میں روکنے کا ذکر نہ ہوتا۔

روکے گئے شخص پہ قضا ضروری نہیں، اور اس عمرہ کے بعد والے عمرہ کو عمرۂ قضیہ اس لئے کہا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ادائیگی پہ ان سے معاہدہ کیا تھا۔

مطلق امر کی تعمیل فوری طور پہ ضروری ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو آپؐ صحابہ کے توقف پہ ناراض نہ ہوتے۔ صحابہ کے اس توقف کا درجہ سعی مغفور کا تھا مشکور کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح میں تمام مسلمانوں کے گناہ بخش دیئے تھے اور ان کے حق میں جنت واجب کر دی تھی۔

کفار کے ساتھ اس شرط پہ صلح کرنا جائز ہے کہ مسلمان مردوں میں سے کوئی اگر ان کے پاس سے بھاگ کر آئے تو اسے لوٹا دیا جائے، لیکن اگر عورتیں آئیں تو نہ لوٹایا جائے ان کا لوٹانا جائز نہیں، اس معاہدہ کا یہی جزء قرآن کی نص سے منسوخ ہے، دوسرے اجزاء کی منسوخی کا دعویٰ صحیح نہیں۔

عورت اگر شوہر کے نکاح سے نکل جائے تو اس کی قیمت ادا کی جا سکتی ہے، اور اس میں متعین مہر کا اعتبار ہوگا، مہر مثل کا نہیں۔

کفار کے پاس سے امام کے پاس آنے والے کسی شخص کو لوٹانے کی شرط میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جو اسلام کی حالت میں امام کے علاوہ کسی اور علاقہ میں چلا جائے، ایسا شخص اگر امام کے علاقہ میں آئے گا تو بغیر طلب اس کا لوٹانا ضروری نہیں۔

اگر کسی آنے والے کو کافروں کے حوالے کیا جائے اور پھر وہ ان لوگوں کو قتل کر دے تو اس پر دیت یا قصاص واجب نہ ہوگا اور نہ امام اس کا ضامن ہوگا۔

اگر کسی مسلمان بادشاہ اور ذمیوں کے مابین معاہدہ ہو تو دوسرا بادشاہ ذمیوں پر حملہ آور ہو سکتا ہے، شیخ اسلام ابن تیمیہ نے مشرکین کے ساتھ پیش آنے والے ابوبصیر کے واقعہ سے استدلال کرتے ہوئے یہی فتویٰ دیا ہے۔

صلح حدیبیہ کے واقعہ میں جو حکمتیں پنہاں ہیں ان کا احاطہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا، یہاں پر بعض حکمتوں کی جانب اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ یہ صلح فتح اعظم کا مقدمہ تھی، جو کام شرعی لحاظ سے بڑے ہوں اور ان کا مرتبہ اونچا ہو ان کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ پہلے بطور مقدمہ و تمہید کچھ امور کو ظاہر فرماتا ہے پھر اصل معاملہ سامنے لاتا ہے۔

۲۔ اس صلح کے نتائج کسی بھی بڑی فتح کے نتائج سے کم نہ تھے، کیوں کہ اس کے بعد جب لوگ ایک دوسرے سے مامون ہو گئے تو ان کے درمیان میل ملاقات اور اختلاط شروع ہوا اور مسلمان کفار سے ملنے لگے، انھیں قرآن سنایا، دین کی دعوت دی اور اسلام کے بارے میں تبادلۂ خیال کیا، جو خفیہ مسلمان تھے انھوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا اور بہت سے دوسرے لوگ بھی مسلمان ہوئے۔ اس طرح وہ شرائط جنھیں کفار نے اپنے فائدہ کے لئے معاہدہ میں شامل کیا تھا مسلمانوں کے حق میں مفید ہو گئیں، کفار عزت کی سوچ رہے تھے لیکن انھیں ذلت نصیب ہوئی، اور مسلمانوں نے اللہ کے سامنے عاجزی کی تو انھیں عزت حاصل ہوئی، اس طرح باطل کے سہارے حاصل ہونے والی عزت حق کی وجہ سے ذلت بن گئی۔

۳۔ جب مسلمانوں کو شرائط کے سلسلہ میں مجبور کیا گیا تو اس کے نتائج کے بعد انکے

ایمان میں اضافہ ہوا، فیصلہ الٰہی پر راضی ہونے اور اللہ کے وعدہ کا انتظار کرنے سے تقدیر پر ایمان مضبوط ہوا، خدا کا یہ احسان بھی ہوا کہ اس نے مسلمانوں کے دلوں میں سکون پیدا کیا جس کی انھیں سخت ضرورت تھی، کیوں کہ حالات ایسے تھے کہ پہاڑ میں لغزش پیدا ہو جانا بھی بعید نہ تھا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو رسول کی مغفرت، اپنی نعمتوں کے اتمام، ہدایت و نصرت اور ظلم کے باوجود انشراح صدر کا سبب قرار دیا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا تذکرہ بطور جزاء و غایت کیا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں کو اضطراب و پریشانی کے موقع پر سکون و اطمینان سے متصف پایا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ان کی بیعت کو اپنی بیعت سے تعبیر فرمایا اور یہ بتایا کہ اس کو توڑنے والا خود اس کا نقصان اُٹھائے گا۔ اس موقع پر رسول کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اسلام کے حقوق کے تحفظ کے لئے اللہ سے بیعت کرنے والے تھے۔ پھر بدوؤں کے گمان اور اللہ کے سلسلہ میں ان کی نادانی کا ذکر کیا، مومنوں کی بیعت پر اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا اور یہ بتایا کہ ان کے دلوں میں فرمانبرداری کا جو سچا جذبہ ہے اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اس نے مومنوں پر اسی لئے سکینت نازل فرمائی اور انھیں فتح و غنیمت سے نوازا۔ سب سے پہلی فتح اور غنیمت خیبر میں حاصل ہوئی تھی پھر فتوحات و غنائم کا سلسلہ ہمیشہ کے لئے کھل گیا، مسلمانوں سے مخالفین کے ہاتھوں کو روکنے کا جو ذکر ہے اس کی تفسیر میں بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ اہل مکہ کے شر سے محفوظ کرنا مراد ہے۔ بعض نے لکھا کہ یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو صحابہ کے مدینہ سے نکلنے کے بعد وہاں پر موجود مسلمانوں کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ خیبر کے لوگ اور قبیلۂ اسد و غطفان کے ان کے حلیف مراد ہیں، لیکن صحیح قول یہ ہے کہ

آیت ان تمام دشمنان اسلام کے حق میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول کہ:

وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۔(الفتح۔۲۰) "اور تاکہ مومنوں کے لیے نشانی بن جائے۔"

نشانی بننے والی چیز بعض نے ہاتھوں کے رد کرنے کو اور بعض نے فتح خیبر کو قرار دیا ہے۔ اس نعمت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ہدایت سے بھی نوازا، اور ان سے ایسے غنائم و فتوحات کا وعدہ فرمایا جن کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، اس کی تفسیر فتح مکہ، فتح روم و فارس اور خیبر کے بعد مشرق و مغرب کی دیگر فتوحات سے کی گئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بتایا کہ اگر کفار ان کے ساتھ جنگ کریں گے تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے، یہ خدا کی سنت اور اٹل قانون ہے۔

یہاں پر اگر یہ سوال ہو کہ احد میں ایسا کیوں نہیں ہوا؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اللہ کا یہ وعدہ صبر و تقویٰ کی شرط سے مشروط ہے، اور احد کے دن چونکہ مسلمانوں نے صبر کا دامن چھوڑ کر سستی کا مظاہرہ کیا اور تقویٰ کے بجائے معصیت میں ملوث ہو گئے اس لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا نہ ہوا۔ پھر مذکورہ مردوں اور عورتوں کی وجہ سے ہاتھوں کو روکنے کا ذکر کیا اور ان سے عذاب کو اسی طرح دُور کیا جس طرح رسول ؐ کی موجودگی کے وقت آپؐ کے سبب عذاب کو ہٹایا تھا۔

پھر کفار کے دلوں کی اس حمیت کے بارے میں آگاہ کیا جس کا مصدر ظلم و جہالت ہے، اور اس کے بعد بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء کے دلوں میں حمیت کی جگہ سکینت رکھی ہے اور تقویٰ کا کلمہ ان کے لئے لازم کر دیا ہے، اور اس سے عام طور پر وہ تمام کلمے مراد ہیں جن سے اللہ کا ڈر پیدا ہو، اور سب سے اعلیٰ کلمہ اخلاص ہے۔

پھر یہ ذکر کیا کہ رسول کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور دین برحق کے ذریعہ اس لئے ارسال فرمایا ہے کہ تمام ادیان پر غالب کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے اسلام کو

روئے زمین کے تمام ادیان پر غالب بنانے کا خود ذمہ لے کر مسلمانوں کے دلوں کو تقویت بخشی اور ان کو بشارت دی اور اس وعدہ کے اتمام پر یقین کے لئے زور دیا، تاکہ مسلمان یہ نہ سوچیں کہ حدیبیہ کے دن جو چشم پوشی کی گئی اور مسلمانوں کو دبنا پڑا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے دشمنوں کی مدد کی اور اسلام و رسول اسلام سے دست بردار ہو گیا، ایسا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جب کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق دین سمجھ کر بھیجا ہے اور اسے تمام دیگر ادیان پر غالب کرنے کا وعدہ فرمایا ہے ؟

۴۷۔ فصل

غزوۂ خیبر کا بیان

موسیٰ بن عقبہ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے واپس مدینہ تشریف لائے تو وہاں تقریباً بیس دن قیام فرمایا، پھر خیبر کی طرف روانہ ہو گئے، آپؐ نے مدینہ پر سباع بن عرفطہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہ جب مدینہ آئے تو فجر کی نماز میں حضرت سباع کو پہلی رکعت میں سورہ کہیعص اور دوسری رکعت میں ویل للمطففین پڑھتے ہوئے سنا تو نماز ہی میں کہا کہ "فلاں شخص کا بُرا ہو" اس کے پاس دو پیمانے ہیں، جب کوئی چیز ناپ کر دیتا ہے تو چھوٹے پیمانے سے دیتا ہے، اور جب لیتا ہے تو بڑے پیمانے سے لیتا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر انھوں نے سباع سے ملاقات کی، لوگوں نے انھیں زاد سفر دیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے مسلمانوں سے بات چیت کی تو انھوں نے ابو ہریرہ اور ان کے ساتھیوں کو غنیمت کے حصوں میں تقسیم کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر پہونچ کر صبح کی نماز ادا فرمائی اور مسلمان سوار ہو کر نکلے، خیبر کے لوگ اپنی کھیتی باڑی کا سامان لیکر

نکلے، انھیں کچھ خبر نہ تھی، جب مسلمانوں کے لشکر کو دیکھا تو محمد اللہ کی قسم محمد کہتے ہوئے شہر کی طرف بھاگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ اکبر، خیبر برباد ہو، ہم جب کسی قوم کے علاقہ میں اتر جاتے ہیں تو پھر ڈرائے گئے لوگوں کی صبح اچھی نہیں ہوتی۔"

مصنف نے پھر حضرت علی کو جھنڈا دینے اور مرحب سے ان کے مقابلہ کا حال لکھا ہے اور محمد بن مسلمۃ کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

خیبر کے یہودی جب قلعہ قموص میں محصور ہو گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا محاصرہ کیا جو بیس دن تک جاری رہا، مسلمانوں کو اس محاصرہ میں تکلیف پہونچی تو انھوں نے گدھوں کو ذبح کیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا۔

پھر آپؐ نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ خیبر چھوڑ کر چلے جائیں اور سواریوں پر لاد کر جو کچھ لیجا سکیں لیجائیں، خواہ سونا ہو یا چاندی، لیکن اگر کسی نے کوئی چیز چھپائی یا غائب کی تو پھر وہ معاہدہ کی مراعات کا مستحق نہ ہوگا۔ اس شرط کے باوجود ان لوگوں نے ایک مشک چھپا دی جس میں حیی بن اخطب کا مال و زیور وغیرہ تھا، اسے وہ اپنے ساتھ خیبر لایا تھا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کو وہاں سے نکالنا چاہا تو ان لوگوں نے درخواست کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیجیے، آپؐ نے اس شرط پر انھیں رہنے دیا کہ پیداوار کا ایک حصہ وہ مسلمانوں کے حوالہ کریں اور ایک حصہ خود لیں اور جب تک آپؐ چاہیں انھیں وہاں رہنے دیں۔ صلح کے بعد آپؐ نے ابن ابی الحقیق کے علاوہ کسی کو قتل نہیں کرایا۔

اسی غزوہ میں صفیہ بنت حیی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قید میں آئیں، آپؐ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، جب وہ مسلمان ہو گئیں تو آپؐ نے انھیں آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور آزادی کو بطور مہر قرار دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو چھتیس حصوں میں تقسیم کر کے ہر حصوں میں سو حصے جمع

کر دیئے اس طرح کل تین ہزار چھ سو حصے ہوئے، جن میں آدھے مسلمانوں کو اور آپؐ کو ملے اور آدھے مسلمانوں کی عام ضرورت اور مشکل اوقات کے لئے رکھ لئے گئے۔ امام بیہقی کا بیان ہے کہ خیبر کا ایک حصّہ جنگ کے ذریعہ اور ایک حصہ بغیر جنگ فتح کیا تھا، تو جو حصّہ بذریعہ جنگ فتح ہوا تھا اسے آپؐ نے خمس اور غنیمت کے مستحقین کے مابین تقسیم کر دیا اور جو حصّہ بغیر جنگ فتح ہوا تھا اسے ضرورت کے لئے محفوظ رکھ لیا۔ امام بیہقی کی یہ وضاحت شافعی مذہب کے اس قاعدہ پر مبنی ہے کہ جنگ کے ذریعہ فتح کیجانے والی تمام زمینوں کو تقسیم کرنا واجب ہے۔

لیکن غور کرنے سے واضح ہوگا کہ خیبر پورا کا پورا جنگ سے فتح ہوا تھا، یہی صحیح قول ہے جس میں کوئی شک نہیں۔ البتہ امام کو یہ اختیار ہے کہ چاہے تو زمین تقسیم کرے یا روک رکھے، اگر وہ چاہے تو کچھ تقسیم کرے کچھ روک رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تینوں طرح کے افعال ثابت ہیں، چنانچہ آپؐ نے بنو قریظہ و بنو نضیر کی زمین کو تقسیم کر دیا تھا، مکہ کو تقسیم نہیں کیا، اور خیبر کے ایک حصّہ کو تقسیم کر دیا اور ایک حصہ کو باقی رکھا۔

اہل حدیبیہ میں سے کوئی سوائے جابر بن عبداللہ کے خیبر سے غیر حاضر نہ تھا۔ آپؐ نے ان کے لئے حصّہ لگایا۔ اسی غزوہ میں آپؐ کے پاس حضرت جعفر اور ان کے رفقا نیز اشعری قبیلہ کے لوگ آئے، اور اسی میں آپؐ کو ایک یہودی عورت نے بکری کا دست ہدیہ میں دیا جس میں زہر ملایا گیا تھا لیکن آپؐ نے اسے کوئی سزا نہ دی، لیکن بعض لوگوں کا بیان ہے کہ بشر بن براء کے مرجانے کے بعد آپؐ نے اس عورت کو قتل کرا دیا کیوں کہ وہی زہر آلود گوشت کھانے سے ان کی موت واقع ہوگئی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر پر حملہ کی خبر جب قریش کو ملی تو انھوں نے آپس میں شرط لگائی، بعض کہتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ غالب ہوں گے اور بعض لوگ

کہتے تھے کہ دونوں حلیف اور خیبر کے یہودی غالب ہوں گے۔ مصنف نے یہاں حجاج بن علاط سلمی کا جو مسلمان ہو گئے تھے اور فتح خیبر میں شریک تھے، واقعہ ذکر کیا ہے۔

اس غزوہ سے درج ذیل فقہی احکامات ثابت ہوتے ہیں:

حرمت والے مہینوں میں قتال کرنا، کیوں کہ آپؐ محرم میں خیبر کی جانب روانہ ہوئے تھے۔

غنیمت کی تقسیم میں سوار کو تین حصے دینا اور پیدل کو ایک۔

لشکریوں میں سے کوئی اگر کھانے کی چیز پائے تو وہ اس کے لئے جائز ہے اور اس میں سے نکالنا ضروری نہیں، چنانچہ ابن مغفل کو چربی کا ایک تھیلا ملا تو انھوں نے اسے لے لیا۔

اگر جنگ کے خاتمہ کے بعد کوئی کمک پہونچے تو اسے فوج کی اجازت کے بغیر مال غنیمت سے حصہ نہیں دیا جا سکتا، کیوں کہ کشتی والوں کے سلسلہ میں آپؐ نے صحابہ سے بات چیت کی تھی۔

گھریلو گدھوں کا گوشت حرام ہے کیونکہ وہ پلید ہوتا ہے، یہ توجیہ دوسری توجیہات پر مقدم ہے مثلاً اس کا خمس نہیں نکالا جاتا، یا یہ گندگی کھاتا ہے۔

امام کے لئے صلح کا معاملہ کرنا جائز ہے اور یہ کہ جب چاہے اسے فسخ کر دے۔

صلح اور امان کے معاملہ کو شرائط پر معلق کرنا اور متہم لوگوں کو سزا کے ذریعہ ثابت رکھنا۔

قرائن کا لحاظ کرنا، چنانچہ آپؐ نے فرمایا تھا کہ: مال زیادہ تھا اور مدت تھوڑی۔

اور یہ کہ جس شخص کا جھوٹ ثابت ہو جائے اس کے قول کی طرف توجہ نہیں دی جائیگی۔

ذمی اگر کسی شرط کی مخالفت کریں گے تو پھر ان کا ذمہ ختم ہو جائے گا۔ اور یہ کہ

غنیمت کی تقسیم سے پہلے اگر کوئی اس میں سے کچھ لے گا تو اس کا مالک نہیں ہو سکتا، خواہ وہ چیز تقسیم میں اس کے حصہ سے کم ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ "شراکٌ من النار" سے معلوم ہوتا ہے۔

نیک فال لینا جائز بلکہ مستحب ہے، جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے ساتھ کدال، کلہاڑی اور ٹوکری دیکھ کر یہ فال لیا کہ خیبر ویران ہو جائے گا۔

معاہدہ کو توڑنے والے اگر با اختیار افراد ہوں تو عورتوں اور بچوں کے حق میں بھی معاہدہ ٹوٹ جائے گا، اور اگر کسی جماعت کا ایک فرد بقیہ افراد کی موافقت کے بغیر عہد توڑ دے تو عورتوں اور بچوں کے حق میں عہد نہیں ٹوٹے گا، جیسا کہ قیدیوں میں سے اگر کسی کا خون آپؐ مباح قرار دیں تو یہ حکم اس کی عورتوں اور بچوں کو شامل نہ ہو گا۔

آدمی کا اپنی لونڈی کو آزاد کر کے آزادی کو بطور مہر قرار دینا اور اسے اپنی بیوی بنا لینا جائز ہے اس میں کسی گواہ، ولی یا لفظ تزویج کی ضرورت نہیں۔

آدمی کا اپنے یا دوسرے کے بارے میں جھوٹ بولنا جائز ہے، بشرطیکہ دوسرے کو اس سے کچھ نقصان نہ ہو اور اس آدمی کا حق اسے مل جائے۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادیٔ قریٰ کی جانب گئے جہاں یہودیوں کی ایک جماعت موجود تھی، مسلمان جب اس جگہ اترے تو یہودیوں نے تیراندازی شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں آپؐ کا غلام مدعم فوت ہو گیا، لوگوں نے کہا کہ اسے جنت مبارک ہو۔ آپؐ نے فرمایا "ہرگز نہیں، قسم اس ذات کی جو میری جان کا مالک ہے، خیبر کے دن غنیمت کی تقسیم سے پہلے جو چادر اس نے لی تھی وہ آگ بن کر اس پر شعلہ زن ہے۔

پھر آپؐ نے لوگوں کو جہاد کے لئے تیار فرمایا اور وادی والوں کو اسلام کی دعوت دی، لیکن ان میں سے ایک شخص مقابلہ کے لئے نکلا جسے حضرت زبیرؓ نے قتل کیا، پھر

دوسرا نکلا جس کا کام حضرت علیؓ نے تمام کیا، اس طرح ان کے گیارہ آدمی مارے گئے، جب بھی کوئی مارا جاتا تو بقیہ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے، اس طرح شام تک لڑائی ہوتی رہی صبح کو ابھی سورج ایک نیزہ بھی اوپر نہیں چڑھا تھا کہ آپؐ نے وادی کو بزور فتح کر لیا، اور زمین نیز کھجور کے درخت پر یہودی کو نگراں اور کارندہ مقرر فرما دیا۔

تیماء کے یہودیوں کو جب خیبر، فدک اور وادی قری والوں کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کی خبر ملی تو انھوں نے بھی جزیہ پر آپؐ کے ساتھ صلح کر لی اور اپنے مال کیساتھ مقیم رہے۔ یہ لوگ حضرت عمرؓ کے دَورِ حکومت میں بھی وہاں سے نکالے نہیں گئے کیوں کہ تیماء اور وادی قری کے دونوں علاقے شام کی سرزمین میں داخل مانے جاتے ہیں، اور خیال یہ ہے کہ اس سے نچلا علاقہ مدینہ تک حجاز میں داخل ہے اور اس کے پرے کا علاقہ شام کا حصہ مانا جاتا ہے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس لوٹے، راستہ میں رات کو ایک جگہ قیام فرمایا تو حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ ہمارے لئے فجر کی نماز کا خیال رکھنا، پھر بقیہ حدیث ذکر کی۔

ایک روایت میں ہے کہ حدیبیہ سے واپسی کی بات ہے، اور بعض لوگوں کا قول ہے کہ تبوک سے واپسی پر آپؐ نے یہ فرمایا تھا۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی نماز پڑھے بغیر سو جائے یا بھول جائے تو جب بیدار ہو یا یاد کرے اسی وقت پڑھ لے۔ اور یہ کہ سنن رواتب کو قضاء کیا جائے گا، اور فوت شدہ نماز کے لئے اذان دیجائے گی اور اقامت بھی کہی جائے گی اور باجماعت پڑھا جائے گا۔ اور قضاء فوراً بلا تاخیر کیجائے گی، کیوں کہ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جب یاد آئے فوراً پڑھ لے۔ آپؐ نے قیام کی جگہ سے ہٹ کر اس لئے نماز پڑھی کہ وہ شیطان کی جگہ تھی۔ آپؐ وہاں سے ہٹ کر اس سے بہتر جگہ گئے، اس سے جو تاخیر ہوئی اس کا کوئی لحاظ نہیں کیونکہ

یہ بھی نماز کے لئے ہی تھی۔

اس میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ شیطان کی جگہوں پر نماز سے اجتناب کیا جائے گا، جیسے حمام وغیرہ۔

خیبر سے جب لوگ مدینہ واپس پہونچے تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں شوال تک قیام فرمایا اور مختلف لشکر روانہ فرمائے، انھیں میں ایک ابن حذافہ کا لشکر تھا جنھوں نے اپنے ساتھیوں کو آگ میں داخل ہونے کا حکم دیا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا کہ وہ لوگ آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی نہ نکلتے، امیر کی اطاعت صرف نیک کاموں میں ضروری ہے۔ یہاں پر اگر یہ سوال ہو کہ آگ میں اگر وہ داخل ہوتے تو اپنے خیال میں اللہ اور رسول کی اطاعت میں داخل ہوتے اور اس طرح تاویل میں خطاکار مانے جاتے پھر خلود کا حکم کیسے صحیح ہوتا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ ان کا یہ عمل اپنے اجتہاد کے بغیر یہ جاننے کے بعد ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے جان کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے اس لئے وہ معذور نہ سمجھے جاتے اور دائمی عذاب کے مستحق بنتے۔ یہاں یہ قابل غور امر یہ ہے کہ جب ولی امر کی اطاعت میں اپنی جان کو عذاب میں ڈالنا جائز نہیں پھر اس کی اطاعت میں کسی دوسرے مسلمان کو سزا دینا کس طرح جائز ہوگا اور جب مذکورہ صحابہ اللہ ورسول کی اطاعت کا قصد کرنے کے باوجود آگ میں داخل ہو کر نکلتے نہیں تو پھر ان کا کیا حال ہوگا جو کسی دنیوی مفاد یا نقصان کے پیش نظر ناجائز اطاعت پر آمادہ ہوتے ہیں؟ اور ان برادران شیطان کا کیا حال ہوگا جو آگ میں داخل ہوتے ہیں اور جاہلوں کو اس وہم میں مبتلا کرتے ہیں کہ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی میراث ہے۔

۷۵۔ فصل

فتح مکہ کا عظیم واقعہ

جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، رسول، فوج اور حرم امین کو عزت بخشی، جس کی خوشی آسمان والوں نے بھی منائی، جس سے حاصل سربلندی کی طنابیں جوزاء ستارے تک بلند ہوئیں اور جس کے ذریعہ لوگ اسلام میں فوج در فوج داخل ہونے لگے۔ ۱۰ رمضان ۸ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی جانب روانہ ہوئے۔ مصنف نے اس فتح کی تفصیلات لکھنے کے بعد اس سے ثابت ہونے والے فقہی احکام کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: اس غزوہ میں آپؐ کے اسوہ سے یہ حکم ملتا ہے کہ معاہدہ والے جب امام کے ذمہ والوں سے جنگ آزما ہوں تو خود امام سے جنگ آزما تصور کئے جائیں گے، اور ایسی صورت میں امام کو یہ حق ہوگا کہ ان کے علاقہ میں ان پر چڑھائی کرے، اسے ان لوگوں کو آگاہی دینے کی بھی ضرورت نہ ہوگی، البتہ اگر خیانت کا صرف اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں حملہ سے پہلے خبردار کرنا ضروری ہوگا۔ اور یہ کہ اگر خیانت پر تمام افراد راضی ہوں تو سب کے حق میں معاہدہ ٹوٹ جائیگا، جس طرح سب کے حق میں منعقد ہوا تھا۔

اور یہ کہ دس سالہ مدت کے لئے صلح جائز ہے، اگر ضرورت ہو اور مصلحت متقاضی ہو تو اس سے زیادہ دنوں کے لئے بھی صلح کی جا سکتی ہے۔

اور یہ کہ امام سے اگر کسی ناجائز یا غیر ضروری امر کا سوال کیا جائے اور وہ خاموش رہے تو اس کے معنی اس کی رضامندی نہ ہوگا، کیوں کہ ابوسفیان نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید عہد کا سوال کیا تھا جس پر آپؐ خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا، لیکن اس خاموشی کا

معنی یہ نہ تھا کہ آپؐ نے معاہدہ کی تجدید منظور فرمالی۔

اور یہ کہ قاصد کو قتل نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ ابو سفیان عہد شکن لوگوں میں تھا۔

اور یہ کہ مسلمان جاسوس کو قتل کیا جا سکتا ہے۔

ضرورت کیلئے عورت کو برہنہ کیا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو اپنی خواہش کے بغیر اللہ کے لئے غصہ اور دینی حمیت کی بنا پر بطور تاویل کافر یا منافق کہہ دے تو وہ گنہگار نہ ہوگا۔

بڑے گناہ کا کبھی بڑی نیکی سے کفارہ ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ۔ "نیکیاں برائیوں کو ختم کر دیتی ہیں۔"

(سورہ ہود۔ آیت ۱۱۵)

اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ۔ (البقرہ۔ آیت ۲۶۴) اپنے صدقات کو احسان جتلا کر اور تکلیف پہونچا کر رائگاں نہ کرو۔

ایک جگہ فرمایا:

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (الحجرات، آیت ۲) ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

پھر مصنف نے حاطب اور ذوالخویصرہ وغیرہ کے واقعات کو ذکر کر کے فرمایا کہ "اہل دانش اس مسئلہ کی حیثیت اور اس کی ضرورت کو جانتے ہیں اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت وحکمت کے ایک عظیم باب سے واقف ہوتے ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ جائز لڑائی کے لئے مکہ میں بغیر احرام بھی داخل ہو سکتے ہیں البتہ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ عبادت و مناسک کے لئے مکہ میں بغیر احرام داخل ہونا جائز نہیں

اس کے علاوہ وہی چیز واجب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے واجب کیا ہے۔ اس میں یہ واضح بیان بھی موجود ہے کہ مکہ بذریعہ قوت فتح ہوا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشنام دہندہ کو قتل کرا دیا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز کہا تھا کہ "مکہ کو اللہ تعالیٰ نے بھی با حرمت بنایا ہے صرف لوگ اسے محترم نہیں مانتے، اس کی حرمت شریعت میں مقدر رہی ہے، دنیا کو پیدا کرنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کی اس حیثیت کا فیصلہ کیا تھا، پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبانی اس کا اظہار ہوا تھا۔"

آپؐ نے فرمایا "اس میں خونریزی جائز نہیں"، یعنی خونریزی کی یہ حرمت حرم کیسا تھ خاص ہے اور دوسری جگہ جائز ہے، جب کہ اس کا شرعی تقاضا موجود ہو، جس طرح کہ حرم کے درختوں کو کاٹنا حرام ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "اس کے درخت کاٹے نہیں جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ کانٹے نہ توڑے جائیں گے، اس سے صاف طور پر کانٹوں اور کوسج کو کاٹنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن علماء نے خشک روئیدگی کو کاٹنا جائز قرار دیا ہے، کیونکہ وہ مردہ کے مشابہ ہے۔ ایک روایت میں "لا یخبط شوکھا" کے الفاظ آئے ہیں، جن سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ پتہ کا کاٹنا حرام ہے۔

یہ بھی فرمایا کہ "حرم کی گھاس بھی کاٹی نہیں جائے گی۔ اس سے باتفاق وہ گھاس مراد ہے جو خودرو ہو، "خلا" تر گھاس کو کہتے ہیں، اذخر کا استثنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپؐ کا یہ فرمان تمام گھاسوں کے لئے عام ہے۔ لیکن اس میں سانپ کی چھتری اور زمین میں چھپی ہوئی چیز نہیں داخل ہے، کیوں کہ یہ پھل کے درجہ میں ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ حرم کے شکار کو وہاں سے بھگایا نہ جائے، اور اس فرمان

سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شکار کی ہلاکت کا سبب بنا، کسی بھی طرح اسے شکار کرنا یا اس کی جگہ سے اسے ہنکانا حرام ہے، کیوں کہ وہ حرم میں پہونچ کر ایک محترم حیثیت اور پُر امن جگہ حاصل کر چکا ہے اور اب اسے وہاں سے بھگانا صحیح نہیں ہے۔

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ "حرم میں گری پڑی چیز نہ اُٹھائی جائے، البتہ اگر کوئی اسے مشتہر کرنا چاہے تو اٹھا سکتا ہے۔ ایک لفظ میں ہے کہ "گری پڑی چیز تعارف کرنے والے کے علاوہ کسی اور کیلئے حلال نہیں"۔ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حرم کی گری پڑی چیز کا کوئی کسی حال میں بھی مالک نہیں ہو سکتا، اور اسے اگر کوئی اُٹھائے گا تو مشتہری کے خیال ہی سے اٹھائیگا۔ یہ امام احمد سے منقول ایک روایت ہے، دوسری روایت میں ان کا اور امام شافعی کا بھی یہ قول ہے کہ ملکیت کے خیال سے اس کا اٹھانا جائز نہیں۔ البتہ اگر مالک کے لئے اس کو محفوظ کرنے کا ارادہ ہو تو جائز ہے۔ اگر اسے کوئی اُٹھائے تو مالک کے آنے تک برابر مشتہر کرتے رہنا پڑے گا، یہی قول صحیح ہے، اور حدیث میں اسی کی وضاحت ہے حدیث میں منشد کا جو لفظ ہے اس کا معنی ہے مشتہر کرنے والا، اور ناشد کا معنی ہے گمشدہ چیز کو ڈھونڈنے والا۔

فتح مکہ کے واقعہ کے ضمن میں یہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں اسوقت تک داخل نہیں ہوئے جب تک وہاں سے تصویروں کو ہٹا لیا گیا۔ اس سے یہ دلیل ملتی ہے کہ جس جگہ تصویریں ہوں وہاں نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور حمام کے مقابلہ میں یہ کراہت زیادہ ہے، کیوں کہ حمام کے متعلق یہ گمان ہے کہ وہ نجاست کی جگہ یا شیطان کا مسکن ہے، لیکن تصویروں سے شرک کا اندیشہ ہے، اور یہ واقعہ ہے کہ اکثر قوموں کے اندر تصویروں اور قبروں ہی کے ذریعہ شرک داخل ہوا ہے۔

اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ ایک یا دو مردوں کو عورت امان دے سکتی

ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام ہانی کی امان کو معتبر قرار دے دیا تھا۔

اس سے ایسے مُرتد کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے جس کا ارتداد شدید ہو، ایسے شخص کو توبہ کا مطالبہ کئے بغیر قتل کر دیا جائے گا جیسا کہ ابن ابی سرح کے سلسلہ میں آپؐ نے فرمایا تھا

۷۶۔ فصل

غزوۂ حنین کا بیان

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبیلۂ ہوازن کو جب فتح مکہ کی خبر ہوئی تو مالک بن عوف نے ہوازن، ثقیف اور جشم کو جمع کیا، ان میں پیر فرتوت درید بن صمۃ بھی تھا جس کی رائے قابل ذکر ہوتی تھی۔ مصنف نے اس مقام پر غزوہ کی تفصیلات کا ذکر کیا ہے، پھر آگے لکھا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ فتح مکہ کے بعد لوگ جوق درجوق اسلام میں داخل ہوں گے، پھر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ ہوا کہ ہوازن اور اس کے تابع قبائل کے دلوں کو اسلام سے روک دیا جائے اور وہ اکٹھا ہو کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیں تاکہ اس طرح اللہ تعالیٰ کا حکم غالب ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت و تسلط ملے اور ان سے حاصل ہونے والی غنیمت فتحمندوں کیلئے شکر کا محرک بنے اور اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے بندوں کو اس عظیم شوکت و قوت کے سبب غلبہ عطا فرمائے جو اب تک مسلمانوں کو حاصل نہ تھی تاکہ اس کے بعد عربوں میں کسی کو ان کے مقابلہ کی جرأت نہ پیدا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ان کی قوت کے باوجود شکست کا مزہ چکھایا جائے تاکہ فتح سے بلند ہونے والے ان سروں کو پست کر دے جو حرم مکہ میں نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کی طرح سر جھکا کر داخل نہیں ہوئے اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ آج ہم قلت کے سبب مغلوب نہ ہوں گے انھیں یہ بتائے کہ مدد صرف خدا کی طرف سے ہوتی ہے، چنانچہ جب مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے تو ان کی دلجوئی کے لئے نصرت کے پیامبر پہونچے اور اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اپنی سکینت نازل فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ بھی ہے کہ نصرت و فتح کی خلعت انھیں لوگوں کو ملتی ہے جو تواضع سے کام لیتے ہیں، ارشاد ہے کہ:

وَنُرِيدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَنُرِىَ فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ ۝ (القصص، آیت ۶)	اور جن لوگوں کو زمین میں کمزور کیا جاتا تھا ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں اور ان کو (دین کے) امام بنائیں اور ملک کے وارث بنائیں، اور زمین پر انھیں کو حکومت دیں، اور فرعون وہامان اور ان کی فوجوں کو وہ چیز دکھا دیں جس سے ڈر لوگ ڈرتے تھے۔

عربوں کے ساتھ غزوہ کی ابتداء بدر سے ہوئی اور خاتمہ حنین سے، اور ان دونوں غزوات میں فرشتوں نے لڑائی میں حصہ لیا، دونوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمنوں کی جانب کنکریاں پھینکیں، دونوں سے عربوں کا اشتعال مدھم پڑا، چنانچہ بدر میں ان کو ڈر محسوس ہوا، اور ان کی حدت ٹوٹی اور حنین میں ان کی طاقت کا خاتمہ ہوا۔

اس غزوہ سے یہ معلوم ہوا کہ مشرک کا ہتھیار استعارے میں لینا جائز ہے، اسباب کا استعمال بھی توکل ہی میں داخل ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی محافظت کی ضمانت کے اسباب کے استعمال کی منافی نہیں ہے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا یہ بتانا کہ وہ دین کو غالب کرے گا اس کے حکم جہاد کے منافی نہیں ہے۔

اسلحہ لیتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ضمان کی جو شرط لگائی تھی اس کے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا آپؐ نے مستعار سامان کے بارے میں ضمان کی مشروعیت کو بتایا تھا یا بعینہ اس مستعار سامان کو واپس کرنے کی ضمانت سے متعلق خبر دی تھی؟

اسی غزوہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دشمن کو قتل کرنے میں مدد مل سکے تو اس کی سواری کو زخمی کیا جا سکتا ہے، حیوان کی ایذا دہی سے آپؐ نے جو منع فرمایا ہے اس سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اسی غزوہ میں آپؐ نے اس شخص کو معاف فرما دیا جس نے آپؐ کے قتل کا ارادہ کیا تھا، آپؐ نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور اس کو دعا دی جس سے وہ مسلمان ہو گیا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غنیمت کی تقسیم میں کافروں کے مسلمان ہونے کا انتظار کرنا جائز ہے تاکہ اسلام کے بعد ان کا مال انھیں واپس کر دیا جائے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مال غنیمت کی ملکیت تقسیم سے مکمل ہوتی ہے محض اس پر قبضہ نہیں، چنانچہ اگر کوئی تقسیم سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کا حصّہ دوسرے مجاہدین کو دیدیا جائے گا، یہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور دوسرے لوگوں کو دلجوئی کے خیال سے جو زائد حصّہ دیا تھا اس کے بارے میں امام احمد نے یہ وضاحت کی ہے کہ غنیمت کے مال سے پانچواں حصّہ نکالنے کے بعد بقیہ مال سے دیا جائیگا۔ غنیمت میں کسی کسی کو زائد حصّہ دینے کی مصلحت چوں کہ ذوالخویصرۃ کی سمجھ میں نہ آ سکی تھی اس لئے کہنے والے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ "انصاف کیجئے"

اور اسلام میں امام کو مسلمانوں کے نائب کی حیثیت حاصل ہے جسے مسلمانوں کی مصلحت اور دین کے قیام کے لئے کوشش کرنی ہوگا، اگر اسلام کے دفاع کے لئے کسی کو مال دینا پڑے یا سرغنہ دشمنان اسلام کو اپنے پاس بلانا پڑے تاکہ مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہ سکیں

تو یہ جائز ہوگا، کیوں کہ شریعت کا اُصول یہ ہے کہ بڑے فساد کو روکنے کے لئے چھوٹے فساد کو برداشت کر لیا جائے، اور بڑی مصلحت کے لئے چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ دونوں قاعدے دین و دنیا کی مصلحتوں کی بنیاد ہیں۔

اسی غزوہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ غلام بلکہ جانوروں میں بعض کو بعض کے بدلے ادھار اور کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز ہے۔ اور یہ کہ دو معاملہ کرنے والے اگر اپنے مابین غیر محدود مدت مقرر کرلیں اور اس پر اتفاق کرلیں تو یہ جائز ہے، کیوں کہ اس میں نہ تو کوئی ممانعت ہے نہ دھوکہ۔

اسی غزوہ میں آپؐ نے یہ فرمایا کہ جو کسی کافر کو قتل کرے اور اس کے پاس دلیل بھی موجود ہو تو اس کا سامان قتل کرنے والے ہی کو ملے گا۔ یہاں پر فقہاء کے مابین اختلاف ہے کہ اس شخص کو شرعیہ سامان ملے گا یا شرط کی بناء پر؟ اس کے متعلق دو قول ہیں جو امام احمد سے مروی دو روایتوں پر مبنی ہیں۔ ماخذ نزاع یہ ہے کہ آپؐ نے یا بحیثیت رسول ایسا فرمایا تھا تو پھر یہ فرمان ایک عام شرعی حکم بن جائے گا جس طرح آپؐ کا یہ ارشاد کہ "جس شخص نے کسی قوم کی زمین ان کی اجازت کے بغیر بوئی اس کا پیداوار میں کوئی حصہ نہیں، البتہ اخراجات کا وہ مستحق ہے۔

یا بحیثیت مفتی فرمایا تھا، جیسے ہند بنت عتبہ سے آپؐ نے فرمایا کہ "شوہر کے مال سے مناسب طور پر اتنا لے سکتی ہو جو تمہیں اور تمہارے بیٹے کو کافی ہو۔"

یا بحیثیت امام آپؐ نے فرمایا تھا، ایسی صورت میں آپؐ کے وقت میں آپؐ کا فرمان امت کے لئے مصلحت میں شامل ہوگا اور بعد میں مصلحت کے اعتبار سے اس کی نگہداشت ضروری ہوگی۔

یہیں سے علماء کے مابین بہت سے مقامات میں اختلاف پیدا ہوا ہے، مثلاً

آپؐ کا یہ ارشاد کہ "جو شخص کسی مردہ زمین کو آباد و زندہ کرے وہ اسی کی ملکیت ہے"۔

اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دعویٰ میں ثبوت کے لئے صرف ایک گواہ بغیر قسم کافی ہے، اور اس کے لئے شہادت کے لفظ کا تلفظ بھی مشروط نہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مقتول کافر سے ہونے والے مال کا خمس نہیں نکالا جائے گا، اور یہ کہ وہ اصل غنیمت میں سے ہے، اور یہ کہ اس کے مستحق حصہ پانے والے اور نہ پانے والے مثلاً عورت اور بچے سب ہیں۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مجاہد جتنے کفار کو قتل کرے گا ان سب کا مال لے لیگا خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔

۷۷۔ فصل

غزوۂ طائف کا بیان

ثقیف کو جب اوطاس میں شکست ہوگئی تو بھاگ کر اپنے قلعہ میں داخل ہو گئے اور لڑائی کی تیاری شروع ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی طرف روانہ ہوئے اور قلعہ سے قریب پڑاؤ ڈالا۔ مسلمانوں کو بہت سخت تیراندازی کا سامنا کرنا پڑا جس کے نتیجہ میں بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بارہ ۱۲ افراد شہید ہو گئے، پھر یہاں سے اٹھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس جگہ تشریف لائے جہاں آج طائف کی مسجد ہے، اور اٹھارہ دن تک محاصرہ جاری رکھا، اس غزوہ میں آپؐ نے منجنیق کا بھی استعمال فرمایا، جو اسلام میں پہلی بار استعمال ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے انگور کے درختوں کو بھی کاٹنے کا حکم فرمایا جس میں لوگ فوراً مصروف ہو گئے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ ان لوگوں نے اللہ اور قرابتمندی کا حوالہ دے کر ان درختوں کو چھوڑنے کی درخواست کی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور فرمالی، پھر آپؐ کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ جو غلام ہمارے پاس اتر آئے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر دس سے زائد افراد اترے جن میں ابو بکرہ بھی تھے، ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے حوالے کر دیا کہ وہ ان کی خبر گیری کریں، یہ چیز طائف والوں پر شاق گذری، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف فتح کرنے کی اجازت نہیں ملی، اللہ کے حکم سے آپؐ نے کوچ کا اعلان کیا، جس سے صحابہ چیخنے لگے اور کہنے لگے کہ طائف فتح کئے بغیر ہم کس طرح واپس جائیں گے؟ آپؐ نے فرمایا کہ اچھا صبح کو لڑائی کے لئے نکلو، صحابہ نکلے اور زخمی ہوئے، پھر آپؐ نے فرمایا کہ ہم انشاء اللہ پھر لوٹیں گے، یہ سن کر صحابہ خوش ہو گئے اور واپسی شروع ہو گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لبوں پر تبسم تھا، جب لوگ سواریوں پر بیٹھ چکے تو آپؐ نے فرمایا کہ یہ دعاء پڑھو:

آئِبُوْنَ تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ۔ "ہم لوٹنے توبہ کرتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے۔

لوگوں نے درخواست کی کہ ثقیف کے لئے بد دعاء کیجئے، آپؐ نے فرمایا "اے اللہ، ثقیف کو ہدایت دے اور انھیں ہمارے پاس پہونچا۔"

پھر آپؐ مقام جعرانہ کی طرف تشریف لے گئے اور وہیں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ تشریف لے گئے پھر مدینہ واپس لوٹے۔

ماہ رمضان میں جب تبوک سے آپؐ مدینہ واپس پہونچے تو اسی مہینہ آپؐ کے پاس ثقیف کا وفد آیا۔ ان کا واقعہ یہ تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس ہوئے تو عروہ بن مسعود آپؐ کے پیچھے آئے اور مدینہ پہونچنے سے پہلے آپؐ سے ملاقات کی،

اسلام قبول کیا اور آپؐ سے اپنے قبیلہ میں واپس جانے کی اجازت مانگی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تمہاری قوم کے بیان کے مطابق وہ تمہیں قتل کرنے والے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ ان میں اسلام سے رکنے کی نخوت ہے، عروہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! وہ کنواری عورتوں سے زیادہ محبوب مجھے رکھتے ہیں اور درحقیقت عروہ ان کے اندر ایسے ہی محبوب ومطاع تھے۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلہ کو اس امید پر اسلام کی دعوت دینے لگے کہ ان کے مرتبہ کا خیال کر کے وہ ان کی دعوت کو قبول کرلیں گے، عروہ نے جب سربرآوردہ لوگوں کے سامنے دعوت پیش کی تو انھوں نے چاروں طرف سے ان پر تیروں کی بوچھار شروع کر دی، جس کے نتیجہ میں وہ جاں بحق ہو گئے۔ لوگوں نے زخمی ہونے کے بعد اُن سے پوچھا کہ اپنے خون کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ شہادت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مجھے باعزت بنایا ہے، میرا وہی درجہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر سے پہلے شہید ہونے والوں کا، اس لئے تم مجھے انھیں کے ساتھ دفن کرنا۔ لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عروہؓ سے متعلق فرمایا تھا کہ قبیلہ میں ان کی مثال وہی ہے جو صاحب یٰسین کی ان کی قوم میں تھی۔

حضرت عروہ کی شہادت کے بعد قبیلۂ ثقیف کے لوگ ایک ماہ تک رُکے رہے پھر انھیں احساس ہوا کہ گردوپیش کے عربوں سے جنگ کی طاقت ان میں نہیں ہے، لہٰذا انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کو بھیجنے کا فیصلہ کیا جس طرح اس سے پہلے عروہ کو آپؐ کے پاس بھیجا تھا، انھوں نے اس کے لئے عبد یالیل بن عمرو سے بات چیت کی، لیکن انھوں نے اس ڈر سے انکار کر دیا کہ کہیں ان کے ساتھ بھی حضرت عروہ جیسا معاملہ پیش نہ آئے، انھوں نے پھر یہ جواب دیا کہ میں تنہا نہیں جاؤں گا، میرے ساتھ اور لوگوں کو بھی بھیجو۔ انھوں نے کل پانچ آدمیوں کو ساتھ لگایا جن میں عثمان بن ابی العاص بھی تھے۔

یہ لوگ مدینہ کے قریب پہونچ کر ایک نہر کے پاس اُترے، جہاں اُن کی ملاقات حضرت مغیرہ بن شعبہ سے ہوئی، وہ دوڑے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دیں، راستہ میں ان سے حضرت ابو بکرؓ ملے اور کہا کہ میں حلف دلاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینے میں مجھ سے سبقت نہ کرو، حضرت مغیرہؓ بات مان گئے، حضرت ابو بکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچے اور آپؐ کو وفد کی خبر دی، پھر حضرت مغیرہؓ ان کے پاس پہونچے اور ظہر کے وقت ان کے ساتھ روانہ ہوئے، مسجد نبوی میں پہونچنے کے بعد ایک گوشہ میں ان کے لئے خیمہ نصب کر دیا گیا، حضرت خالد بن سعید اس وفد اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پیغام رسانی کا کام انجام دیتے تھے۔

وفد کے لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ ان کے بُت لات کو آپؐ تین سال تک منہدم نہ کریں تاکہ قبیلہ کے بیوقوفوں سے وہ محفوظ رہ سکیں، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرما دیا، لیکن وہ لوگ برابر اصرار کرتے رہے اور آخر میں ایک ماہ کا مطالبہ کیا، آپؐ نے فرمایا کہ کسی متعینہ مدت تک بُت کو چھوڑے رکھنا ناممکن ہے۔

ان لوگوں نے نماز سے اور بتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑنے سے بھی معافی کا مطالبہ کیا تھا، جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "بتوں کو اپنے ہاتھوں سے توڑنے کے لئے ہم تمہیں مجبور نہ کریں گے۔ لیکن جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو یہ یاد رکھو کہ جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو آپؐ نے حضرت عثمان بن ابی العاص کو ان کا امیر مقرر فرما دیا، یہ سب سے نو عمر تھے لیکن دین سیکھنے کا جذبہ ان میں سب سے زیادہ تھا۔

وفد کے لوگ جب وطن روانہ ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان اور حضرت مغیرہ کو ان کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ بُت کو منہدم کر دیں، جب حضرت

مغیرہؓ پھاوڑا لے کر اٹھے تو بنو مغیث دور ہٹ گئے، انھیں ڈر تھا کہ عروہ کی طرح انھیں بھی کسی مصیبت کا سامنا نہ کرنا پڑے، ثقیف کی عورتیں ننگے سر روتی ہوئی باہر نکل آئیں۔ مغیرہؓ نے جب بُت کو منہدم کیا تو اس سے نکلنے والی دولت کو سمیٹ لیا۔ وفد ثقیف کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے پہلے حضرت عروہ کے قتل کے بعد ابو ملیح بن عروہ اور قارب بن اسود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر مقیم تھے، وہ ثقیف کو چھوڑنے کے ارادہ سے آئے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ جسے چاہو ولی بنا لو، انھوں نے جواب دیا کہ اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی کو ولی نہیں بنائیں گے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اور اپنے ماموں سفیان بن حرب کو بھی، انھوں نے منظور کر لیا۔ طائف کے لوگ جب مسلمان ہو گئے تو عروہ کے بیٹے ابو ملیح نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ بُت سے حاصل ہونے والے مال سے ان کے باپ کا قرض ادا فرما دیں، آپؐ نے منظور کر لیا۔ حضرت قارب نے بھی اپنے باپ کے قرض کی ادائیگی کیلئے درخواست کی، حضرت عروہ اور اسود دونوں بھائی تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسود تو شرک کی حالت میں فوت ہوا ہے۔ قارب نے کہا کہ لیکن اس طرح قرابتمند کے ساتھ صلح رحمی ہو گی، وہ قرض تو اصل میں میرے اوپر ہے۔ یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عروہ اور اسود دونوں کا قرض بُت سے ملنے والے مال سے ادا فرما دیا۔

اس غزوہ سے درج ذیل احکام معلوم ہوتے ہیں :

حرمت والے مہینہ میں لڑائی جائز ہے، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے رمضان کے اخیر میں نکلے اور مکہ میں انتیس۲۹ دن قیام فرمایا، پھر ہوازن کی طرف نکلے اور ان کے ساتھ جنگ سے فراغت کے بعد طائف تشریف لے گئے، طائف کا محاصرہ بیس دن سے زائد، اور ابن سعد کے بیان کے مطابق اٹھارہ دن تک جاری رہا، اس پر غور کرنے

سے یہ پتہ چلتا ہے کہ محاصرہ کے کچھ ایام لازمی طور پر ذیقعدہ کے مہینہ میں پڑے ہوں گے۔ لیکن یہ کہا جاسکتا ہے کہ لڑائی کی ابتداء آپؐ نے شوال میں کی تھی، مگر اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ ابتداء اور برقرار رہنے میں کوئی فرق نہیں۔

یہ حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ میں اہلیہ کو لے کر جانا جائز ہے، کیوں کہ اس غزوہ میں آپؐ کے ساتھ حضرت ام سلمہ اور زینب تھیں۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے درختوں کو کاٹنا جائز ہے جب کہ اس سے انھیں کمزوری یا غصہ ہو۔

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفار پر حملہ کے لئے منجنیق نصب کرنا اور اس کے ذریعہ ان پر پتھر برسانا جائز ہے، خواہ اس سے لڑائی سے بے تعلق بعض عورتوں اور بچوں کی ہلاکت کا اندیشہ ہی کیوں نہ ہو۔

اور یہ کہ غلام جب بھاگ کر مسلمانوں سے مل جائے تو وہ آزاد ہوجاتا ہے، ابن منذر نے اس پر علماء کا اجماع مقرر کیا ہے۔

اور یہ کہ امام جب کسی قلعہ کا محاصرہ کرے پھر اسے محاصرہ اٹھانے میں مصلحت نظر آئے تو اٹھا سکتا ہے۔

اور یہ کہ آپؐ نے مقام جعرانہ سے عمرہ کا احرام باندھا، لہٰذا طائف سے مکہ آنے والے کیلئے ایسا کرنا سنت ہے، لیکن عمرہ کا احرام باندھنے کی نیت سے مکہ سے جعرانہ جانے کو کسی عالم نے مستحب نہیں سمجھا ہے۔

اسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال رافت و رحمت کا بھی پتہ چلتا ہے کیونکہ ثقیف آپؐ سے برسرِ پیکار تھے، صحابہ کی ایک جماعت کو قتل کر دیا تھا اور آپؐ کے قاصد کو بھی مار ڈالا تھا لیکن پھر بھی آپؐ نے ان کے لئے ہدایت ہی کی دُعا فرمائی۔

اسی سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابو بکر صدیق رضی کی کمال محبت کا بھی علم ہوتا ہے، اور یہ کہ ہر ممکن طور سے آپؐ کا تقرب انھیں محبوب تھا، اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مسلمان اپنے بھائی سے یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ وہ از راہ ایثار اسے نیک کام کرنے کا موقع دے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ دوسرے کیلئے نیکی کا ایثار جائز نہیں، ان کا قول صحیح نہیں، کیوں کہ حضرت عائشہ نے اپنے گھر میں حضرت عمر کے دفن کرنے کی اجازت دے کر اسی طرح کا ایثار کیا تھا، حضرت عمر نے جب ان سے اس کا سوال کیا تو انھوں نے نہ تو سوال کو ناپسند کیا نہ اس کی تکمیل کو۔

یہ بھی معلوم ہوا کہ شرک کے مقامات کو قدرت پانے کے بعد ایک دن کے لئے بھی باقی رکھنا جائز نہیں کیوں کہ یہ عظیم ترین منکرات میں داخل ہیں۔ یہی حکم ان زیارت گاہوں کا بھی ہے جنہیں قبروں پر تعمیر کیا گیا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ جن پتھروں کی لوگ تعظیم کرتے ہیں، تبرک حاصل کرتے ہیں، نذر و نیاز پیش کرتے ہیں اور بوسہ دیتے ہیں ان میں سے کسی کو قدرت کے بعد باقی رکھنا جائز نہیں، ان میں سے اکثر تو لات وعزی اور منات کے درجہ کے ہیں بلکہ بعض کے ساتھ ان سے زیادہ شرک و خرافات کا رواج ہے، اللہ اپنا رحم فرمائے۔ آمین

مذکورہ بتوں کو ماننے والوں میں کوئی ایسا نہ تھا کہ ان بتوں کے بارے میں یہ سمجھے کہ وہ پیدا کرتے ہیں، رزق دیتے ہیں، مارتے ہیں یا جلاتے ہیں، بلکہ ان کے پاس صرف ایسے افعال کرتے تھے جو آج کے مشرکین بتوں کے پاس کرتے ہیں، یہ لوگ قدم بہ قدم انھیں کے پیرو ہیں، بلکہ آج علم کی کمی اور جہالت کے غلبہ کے سبب اکثر لوگوں پر شرک کا غلبہ ہے، معروف اب منکر اور منکر معروف ہو چکا ہے، سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھا جاتا ہے، انھیں حالات میں چھوٹے بڑے ہو رہے ہیں، بڑے بوڑھے

ہو رہے ہیں، شریعت کی معروف باتیں مٹ رہی ہیں، اسلام کی غربت بڑھ رہی ہے، علماً کم ہو رہے ہیں، نادانوں کا غلبہ ہے، معاملہ بڑھ چکا ہے، خوف سخت ہے، اور لوگوں کے عمل کے سبب خشکی و تری میں بگاڑ ظاہر ہو چکا ہے لیکن ان حالات میں بھی ایک محمدی جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے اور اہل شرک و بدعت کے ساتھ جہاد میں مصروف ہے، اور یہ سلسلہ قیامت تک قائم رہے گا۔

اسی غزوہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زیارت گاہوں میں جو مال خرچ ہوتا ہے اسے امام وقت جہاد اور دوسری مصلحتوں میں خرچ کر سکتا ہے، ان کو فوجیوں میں تقسیم کر سکتا ہے اور دوسرے بھلے کاموں میں لگا سکتا ہے، ان مزارات پر جو اوقاف ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ اسلام میں سے کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

فصل ۷۸

۹ سنہ ہجری کے واقعات

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور ہجرت کا نواں سال شروع ہو گیا تو آپؐ نے صدقات کی وصولی کے لئے محصلین کو بھیجا، چنانچہ عینیہ بن حصن کو بنو تمیم کے پاس، یزید بن حصین کو اسلم و غفار کے پاس، عدی بن حاتم کو طی اور بنو اسد کے پاس مالک بن نویرہ کو بنو حنظلہ کے پاس، زبرقان بن بدر اور قیس بن عاصم کو بنو سعد کے پاس علاء بن حضرمی کو بحرین کے لئے اور علی کو نجران کے لئے روانہ فرمایا۔

اسی سن میں غزوہ تبوک پیش آیا، رجب کا مہینہ تھا، مسلمان سخت تنگی و قحط سالی میں مبتلا تھے اور پھلوں کے پکنے کا وقت قریب تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کسی غزوہ کے لئے نکلنا ہوتا تو اس کا تذکرہ بطور کنایہ کرتے، لیکن غزوۂ تبوک کیلئے ایسا نہیں کیا، کیوں کہ سفر طویل اور حالات سخت تھے۔ ایک دن آپؐ نے جد بن قیس سے فرمایا کہ "بنو اصفر (رومیوں) سے غزوہ کا ارادہ ہے؟ اس نے کہا کہ "یارسول اللہ، آپؐ مجھے اجازت دیجئے اور فتنہ میں نہ ڈالئے، کیوں کہ عورتوں کے ساتھ میری وارفتگی غیر معمولی ہے، مجھے ڈر ہے کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر میں صبر نہ کر سکوں گا۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں اجازت دیدی۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ۔ (سورۂ توبہ ۔ آیت ۵۰) ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ مجھے اجازت دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالئے۔

منافقین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو، اس کے بارے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ (توبہ ۔ ۸۱) اور کہتے ہیں کہ گرمی میں مت جاؤ۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کا حکم فرمایا اور مالدار لوگوں کو خرچ کی ترغیب دی، حضرت عثمان نے تین سو اونٹ مع سامان اور ایک ہزار دینار دیا۔ اس موقع پر سات افراد روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ سے سواری طلب کی، آپؐ نے فرمایا کہ میرے پاس سواری کا انتظام نہیں، وہ لوگ آنسو بہاتے ہوئے واپس ہوئے، انھیں غم تھا کہ خرچ کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں۔ پھر ابو موسیٰ کو ان کے ساتھیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپؐ ان کو سواری دے دیں۔ ابو موسیٰ جب آپؐ کے پاس پہونچے تو آپؐ غضب میں تھے اور ابو موسیٰ سے فرمایا کہ "بخدا میں تمہیں سواری نہ دوں گا، اور نہ میرے پاس تمہارے لئے سواری ہے۔ پھر آپؐ کے پاس ایک اونٹ آ گیا جسے

آپؐ نے ان لوگوں کے پاس بھیجدیا اور فرمایاکہ "میں نے تمہیں سواری نہیں دی ہے، بلکہ اللہ نے سواری دی ہے، اور میں جب کوئی قسم کھاتا ہوں اور دوسرے کام میں مجھے بھلائی نظر آتی ہے توقسم کا کفارہ دیکر اس کام کو کر لیتا ہوں۔ اسی موقع پر علیہ بن یزید رات کو نماز پڑھ رہے تھے اور یہ دعا کر رہے تھے کہ "اے اللہ، تونے جہاد کا حکم فرمایا ہے، اور تیرے رسول کے پاس میرے لئے سواری نہیں، میں ہر مسلمان پر صدقہ کر رہا ہوں اس ظلم کی تلافی کو جو مجھے ملی جسمانی یا عزت وآبرو کے سلسلہ میں لاحق ہوئی ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ آج کی رات صدقہ کرنے والا کہاں ہے؟ اس آواز پر کوئی کھڑا نہیں ہوا، آپؐ نے دوبارہ سوال فرمایا تو حضرت علیہ کھڑے ہوئے، ان سے آپؐ نے فرمایا "قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم خوش ہو جاؤ، تمہارا صدقہ مقبول زکوٰۃ میں لکھ لیا گیا۔ اس موقع پر کچھ دیہاتی لوگ عذر کرتے ہوئے آپؐ سے اجازت طلب کرنے آئے، لیکن آپؐ نے ان کا عذر قبول نہیں فرمایا۔

ابن ابی اپنے یہودی اور منافق ساتھیوں کے ہمراہ ثنیۃ الوداع پر مقیم تھا، کہا جاتا تھا کہ اس کا لشکر دونوں لشکروں میں کم تعداد والا نہ تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پر محمد بن مسلمہ کو نائب مقرر فرمایا تھا، پھر جب آپؐ روانہ ہوئے تو ابن ابی اور اس کے ساتھی آپؐ کے پیچھے رہ گئے۔

حضرت علیؓ کو آپؐ نے گھر والوں کا نگراں بنایا تھا، انھوں نے کہاکہ "آپؐ عورتوں اور بچوں کے ساتھ مجھے چھوڑ رہے ہیں"؟ آپؐ نے فرمایاکہ "کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ میرے ساتھ تمہیں وہی نسبت ہو جو حضرت موسیٰ کے ساتھ ہارون کو تھی؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ میرے بعد کوئی بھی نبی نہ ہوگا۔

مسلمانوں میں سے چند لوگ کسی طرح کے شک وشبہہ کے بغیر اس غزوہ میں شرکت

سے رہ گئے تھے، ان کے نام یہ ہیں، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، مرارۃ بن ربیع، ابوخیثمہ اور ابوذر۔ آخر الذکر دونوں اشخاص پھر بعد میں جاکر شریک ہو گئے تھے۔ اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیس ہزار افراد اور دس ہزار گھوڑے تھے، آپؐ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور قصر سے نماز ادا فرماتے رہے، ہرقل اس وقت حمص میں تھا۔

ابوخیثمہ کا واقعہ یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے چند روز بعد وہ ایک گرم دن میں اپنے گھر واپس آگئے، گھر پہونچ کر دیکھا کہ ان کی دونوں بیویوں نے چھپر پہ پانی چھڑک رکھا ہے، پانی ٹھنڈا کیا ہے اور کھانا پکایا ہے، گھر میں داخل ہوتے ہوئے انھوں نے دروازہ پر سے دونوں عورتوں اور ان کے تیار کئے ہوئے کھانے کو دیکھا پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دھوپ، آندھی اور گرمی میں ہوں اور ابوخیثمہ ٹھنڈی چھاؤں تیار کھانے اور خوبصورت عورتوں کے پاس، یہ انصاف نہیں ہے، بخدا میں تم میں سے کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں گا، لاؤ میرے لئے زاد سفر دو، اسی وقت سواری لی اور تبوک پہونچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہوگئے۔

ابوخیثمہ سے راستہ میں عمیر بن وہب ملے، یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جارہے تھے، دونوں ساتھ ہوگئے، جب تبوک سے قریب پہونچے تو ابوخیثمہ نے کہا کہ مجھ سے ایک گناہ ہوگیا ہے، اس لئے مضائقہ نہ ہو تو مجھ سے تھوڑا پیچھے ہو جاؤ، میں جاکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملوں، وہ ہٹ گئے تو ابوخیثمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب ہوئے، لوگوں نے کہا کہ کوئی سوار آرہا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ابوخیثمہ ہوگا۔ لوگوں نے کہا کہ ہاں بخدا وہی ہیں۔ ابوخیثمہ سواری سے اتر کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور سلام کے بعد اپنا واقعہ سنایا، آپؐ نے سن کر اچھا کہا اور ان کے لئے دعا فرمایا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب ثمود کے علاقے مقام حجر سے گذرے تو فرمایا کہ یہاں

کے پانی کو نہ تو پیو نہ اس سے وضو کرو، اور اگر آٹا گوندھ چکے ہو تو اونٹوں کو کھلا دو، اور تم میں سے کوئی کہیں تنہا نہ نکلے بلکہ کسی کو ساتھ لے لے۔ سب لوگوں نے ایسا ہی کیا، لیکن بنی ساعدہ کے دو آدمیوں میں سے ایک اپنی کسی ضرورت کے لئے تنہا نکل گیا اور دوسرا شخص اپنا اونٹ ڈھونڈنے چلا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پہلا شخص راستہ ہی میں تھا کہ اسے خناق کا عارضہ ہو گیا اور دوسرا آندھی سے اڑ کر دور طئی کے پہاڑوں میں پہونچ گیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "کیا میں نے تم کو منع نہیں کر دیا تھا؟" پھر آپ نے خناق والوں کے حق میں دعا فرمایا تو اسے شفا ہو گئی اور دوسرے شخص کو طئی والوں نے مدینہ آنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچایا۔

امام زہری کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب مقام حجر میں پہونچے تو اپنے چہرے کو کپڑے سے چھپا لیا اور سواری کو تیز کر لیا اور فرمایا کہ "ظالموں کے گھروں میں صرف روتے ہوئے داخل ہوا کرو، کیوں کہ ڈر ہے کہ جو عذاب انھیں لاحق ہوا تمہیں بھی لاحق ہو۔ صحیح میں مروی ہے کہ آپ نے پانی کو بہا دینے کا حکم فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ لوگ اس کنوئیں سے پانی لیں جس پہ حضرت صالح کی اونٹنی جاتی تھی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب لوگوں کے پاس پانی نہیں بچا تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی، آپ نے دعا کی تو فوراً بارش ہو گئی، لوگ سیراب ہوئے اور ضرورت کا پانی بھر لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے، جب کوئی شخص پیچھے رہ جاتا تو لوگ کہتے کہ فلاں رہ گیا، آپ فرماتے کہ چھوڑ دو، اگر اس میں کوئی خیر ہو گا تو اللہ تعالیٰ اسے تمہارے ساتھ ملا دے گا، اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر تم اس سے آرام پا گئے۔

حضرت ابوذر کو اپنے اونٹ سے شکایت ہوئی تو انھوں نے اپنا سامان اپنی پیٹھ پر رکھ لیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل پر اترے تو ایک شخص نے کہا کہ

یارسول اللہ، یہ کوئی آدمی راستہ میں تنہا آرہا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ ابوذر ہوگا، لوگوں نے کہا کہ یارسول اللہ وہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم فرمائے، تنہا چلتا ہے تنہا مرے گا اور تنہا اٹھایا جائے گا۔ صحیح ابن حبان میں ہے کہ جب حضرت ابوذر کی موت کا وقت آیا تو ان کی اہلیہ رونے لگیں، انھوں نے کہا کہ کیوں روتی ہو؟ اہلیہ نے جواب دیا کہ ٹاپو میں آپ کی موت آئی، میرے پاس کفن کے لئے کپڑا بھی نہیں ہے اور نہ غسل دینے کی طاقت ہے۔ انھوں نے کہا کہ روؤ نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جماعت کے حق میں جس میں میں بھی تھا فرماتے ہوئے سنا کہ "ضرور تم میں کوئی ایک ویرانے میں فوت ہوگا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی تکفین وتدفین میں شریک ہوگی، اور اب ان میں سے کوئی باقی نہیں، لہٰذا آپؐ کی پیشین گوئی کے مطابق اب میں ہی ہوں، میں نے نہ جھوٹ کہا نہ مجھ سے غلط بیانی کی گئی، تم جاؤ اور راستہ دیکھو۔"

ان کا بیان ہے کہ میں ایک بار جاکر ٹیلہ پر چڑھ کر دیکھتی تھی پھر واپس آکر حضرت ابوذر کی تیمارداری کرتی۔ اسی اثناء میں کچھ لوگ سواریوں پر نظر آئے۔ دور سے گدھ کی طرح نظر آتے تھے، سواریاں تیزی سے ان کو لے کر آرہی تھیں، میں نے انھیں اشارہ کیا تو وہ تیزی کے ساتھ میری جانب آئے اور کہا کہ "خدا کی بندی، کیا معاملہ ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ایک مسلمان موت سے ہمکنار ہو رہا ہے، کیا تم اسے تکفین دے سکتے ہو؟ انھوں نے پوچھا کہ کون ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ابوذر، انھوں نے کہا کہ صحابی رسول؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں، ان لوگوں نے ابوذر کے حق میں اپنے والدین کو فدا کرنے کے جملے کہے اور تیزی کے ساتھ ان کے پاس پہونچے۔ حضرت ابوذر نے کہا کہ خوش ہو جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا، پھر پوری حدیث ذکر کی، اس کے بعد کہا کہ "اگر میرے یا میری بیوی کے پاس کفن کا کپڑا ہوتا تو میں اسی کو اختیار کرتا، اب تمہیں خدا کا واسطہ دیکر کہتا

ہوں کہ تم میں وہ شخص مجھے کفن نہ دے جو کسی جگہ کا گورنر یا چودھری یا قاصد یا نقیب رہ چکا ہو، انھوں نے غور کیا تو سب کے سب مذکورہ مناصب میں سے کسی نہ کسی منصب کو اختیار کر چکے تھے، صرف انصار کا ایک جوان حضرت ابوذر کی شرط پر پورا اتر رہا تھا، اس نے کہا کہ چچا جان، میں آپ کو کفن دوں گا، میرے پاس ایک چادر اور دو کپڑے ہیں جو میری ماں کے بنے ہوئے ہیں، یہ سُن کر حضرت ابوذر نے کہا کہ ہاں تمہیں مجھے کفن دینا، پھر وفات کے بعد انصاری نے انھیں کفن دیا، سب نے جنازہ کی نماز پڑھی پھر انھیں دفن کیا، اس جماعت میں سب لوگ یمن کے تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت معاذ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہونچنے سے پہلے فرمایا تھا کہ "انشاء اللہ تم کل چشمۂ تبوک کے پاس پہونچو گے، لیکن تم وہاں چاشت سے پہلے نہیں پہونچ سکتے، لہٰذا جب وہاں پہونچو تو میرے آئے بغیر اس کا پانی نہ چھونا۔ راوی کا بیان ہے کہ جب ہم وہاں پہونچے تو دو آدمی ہم سے پہلے پہونچ چکے تھے۔ اور چشمہ کا پانی تسمہ کی طرح تھوڑا تھوڑا نکل رہا تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پوچھا کہ تم نے اس کا پانی چھوا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں، اس پر آپ نے انھیں کچھ سخت سست کہا، پھر لوگوں نے چُلو سے تھوڑا تھوڑا پانی جمع کیا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ اور منہ دُھلا اور پھر اسے چشمہ میں ڈال دیا، اس سے پانی تیزی کے ساتھ اُبلنے لگا اور سب لوگ سیراب ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا کہ "معاذ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے یہ جگہ درختوں سے بھر جائے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تبوک پہونچنے پر ایلہ کے حاکم نے آپ کے پاس آکر صلح کی اور جزیہ دیا، اسی طرح جربا اور اذرح کے لوگوں نے بھی آکر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا، آپ نے ایلہ کے حاکم کے لئے درج ذیل فرمان لکھوا دیا تھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ اللہ اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے یحنہ بن ردیتہ کے حق میں پروانہ امن ہے، اور اہل ایلہ، ان کی کشتیوں اور سواریوں کے لیے بھی خشکی اور تری میں ان کے لیے اللہ کا ذمہ ہے، اس کے نبی کا ذمہ ہے، شام، یمن اور سمندر والوں میں سے ان کے ساتھ والوں کے لیے بھی۔ اگر ان میں سے کسی نے کوئی خلاف ورزی کی تو اس کا مال اس کی جان نہ بچا سکے گا، اور وہ مال اسی کا ہو جائے گا جس کے ہاتھ لگے گا، انھیں جس گھاٹ پر وہ آنا چاہیں یا خشکی اور تری کے جس راستہ پر چلنا چاہیں اس سے کوئی روک نہیں سکتا۔"

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو دومتہ الجندل کے حاکم اکیدر بن عبدالملک کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ تم اسے گائے کا شکار کرتے ہوئے پاؤ گے، حضرت خالد روانہ ہوئے، جب حاکم کا قلعہ نظر آنے لگا تو ٹھہر گئے، چاندنی رات تھی، ایک نیل گائے آئی اور اپنی سینگ سے محل کا دروازہ رگڑنے لگی، اکیدر اپنے مصاحبین کی ایک جماعت کے ساتھ باہر نکلا، اسی وقت اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں نے پکڑ لیا اور اس کے بھائی حسان کو قتل کر ڈالا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی جان بخشی کے بعد جزیہ پر صلح کر لی، اکیدر نصرانی تھا۔ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت خالد نے اکیدر کو قتل سے بچا لیا تھا۔ حضرت خالد کے ساتھ چار سو بیس شہسوار تھے، انھوں نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو بکریوں چار سو زرہ اور چار سو نیزوں پر صلح کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ الگ کر کے یہ غنیمت تقسیم کی گئی، پہلے خمس نکالا گیا پھر باقی مال صحابہ میں تقسیم کیا گیا، ہر صحابی کو پانچ پانچ حصے ملے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دس دن سے زیادہ قیام کے بعد تبوک سے واپس

تشریف لائے تھے۔

حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ غزوۂ تبوک میں ایک رات میں اٹھا تو لشکر کے ایک حصّہ میں آگ کا شعلہ نظر آیا، وہاں پہونچا تو دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکر اور عمر موجود تھے، ایک صحابی عبداللہ ذوالبجادین فوت ہو گئے تھے، ان کے لئے قبر کھودی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبر میں اُترے، حضرت ابوبکر و عمر میت کو قبر میں اتار رہے تھے اور آپؐ فرماتے تھے کہ اپنے بھائی کو میرے قریب کرو، ان لوگوں نے لاش آپؐ سے قریب کر دی، آپؐ نے اسے قبر میں رکھنے کے بعد فرمایا کہ: "اے اللہ، میں ان سے راضی ہوں، تو بھی ان سے راضی ہو جا" ابن مسعود نے یہ سن کر تمنا ظاہر کی کہ کاش اس قبر میں میں دفن ہوتا۔

حضرت ابوامامۃ باہلی سے مروی ہے کہ تبوک میں حضرت جبریل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا کہ: "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معاویہ بن معاویہ مزنی کے جنازہ میں شرکت کیجئے، یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نکلے اور حضرت جبریل ستر ہزار فرشتوں کیساتھ اترے اور اپنا دایاں پر پہاڑوں پر رکھا تو وہ پست ہو گئے، اور بایاں پیر زمین پر رکھا تو وہ بھی پست ہو گئی، یہاں تک کہ مکہ و مدینہ کی طرف دیکھ لیا، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم، جبریل، اور فرشتوں نے ان کی نماز پڑھی۔ فارغ ہو کر آپؐ نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ معاویہ کو یہ مرتبہ کیسے ملا؟ انھوں نے جواب دیا کہ کھڑے، بیٹھے، سواری پر اور پیدل ہر حال میں قل ھو اللہ احد پڑھنے کی وجہ سے۔ اس حدیث کو ابن السنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تم جو راستہ طے کرتے ہو اور جس وادی میں چلتے ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتے ہیں، صحابہ نے پوچھا کہ کیا مدینہ میں رہتے ہوئے؟ آپؐ نے فرمایا کہ "ہاں، انھیں عذر نے روک رکھا ہے"۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ کی طرف واپس ہوئے تو راستہ میں منافقین

نے آپؐ کے ساتھ ایک چال چلی ان کا مقصد یہ تھا کہ چلتے ہوئے پہاڑ کی گھاٹی سے آپؐ کو نیچے گرا دیں، اسی لیے وہ لوگ آپؐ ہی کے ساتھ چلنے کا ارادہ رکھتے تھے، آپؐ کو جب انکے ارادے کی خبر ہوئی تو لوگوں سے فرمایا کہ وادی کے نشیب کا حصہ زیادہ کشادہ ہے اس لئے جو چاہے ادھر سے جائے، خود آپؐ نے گھاٹی کا راستہ اختیار کیا، دوسرے لوگ نشیبی راستہ سے نیچے چلنے لگے، البتہ سازشی منافقین نے نقاب پہن کر آپؐ کے ساتھ چلنے کا ارادہ کیا، آپؐ نے حذیفہ بن یمان اور عمار بن یاسر کو اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا اور عمار کو حکم فرمایا کہ اونٹنی کی لگام پکڑلیں اور حذیفہ کو حکم فرمایا کہ اسے ہنکا کر لے چلیں، یہ لوگ اس طرح چل رہے تھے کہ اچانک پیچھے سے لوگوں کے دوڑنے کی آواز سُنی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ ہو کر حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ دوڑ کر آنیوالوں کو پیچھے ہٹا دیں، حذیفہ نے جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دیکھا تو چھڑی لے کر پلٹے اور اس سے ان کی سواریوں کے منہ پر مارا، انھیں نقاب پہنے ہوئے دیکھ کر حضرت حذیفہ نے سمجھا کہ بعض مسافروں کی طرح ان لوگوں نے بھی نقاب پہن لیا ہے (اور اس کا مقصد کسی سازش کو چھپانا نہیں ہے) منافقین نے حضرت حذیفہ کو دیکھا تو اللہ کی طرف سے ان کے دلوں پر رعب طاری ہو گیا اور وہ یہ سمجھ گئے کہ ان کی سازش بے نقاب ہو گئی، چنانچہ وہ جلدی جلدی لوگوں میں مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کہ "تم نے ان میں سے کسی کو پہچانا؟" انھوں نے جواب دیا کہ سواری فلاں فلاں لوگوں کی تھی، مگر تاریکی تھی اس لیئے سوار کو پہچان نہ سکا۔ آپؐ نے پوچھا کہ ان کا مقصد سمجھا؟ حضرت حذیفہ نے جواب دیا کہ نہیں'۔ آپؐ نے فرمایا کہ وہ ایک چال میرے ساتھ چلتے ہوئے تھے، اُن کا مقصد یہ تھا کہ جب میں گھاٹی پر چڑھوں تو مجھے نیچے گرا دیں، حضرت حذیفہ نے کہا کہ "آپؐ ان کی گردن کیوں نہیں مار دیتے؟" آپؐ نے فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ لوگ یہ چرچا کریں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، پھر آپؐ نے

حضرت عمار و حضرت حذیفہ کو ان کے نام بتا کر فرمایا کہ تم ان کو چھپائے رکھنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے آکر ذی اوان میں اُترے، یہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کا راستہ ہے۔

جب آپؐ تبوک کے سفر پر نکلنے کی تیاری میں مصروف تھے تو مسجد ضرار والے آپؐ کے پاس آئے تھے اور کہا تھا کہ ہم نے بیماروں کے خیال اور بارش کی مجبوری کی وجہ سے ایک مسجد تعمیر کی ہے اور چاہتے ہیں کہ آپؐ اس میں نماز ادا فرمالیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں سفر کے لئے پابرکاب ہوں، واپسی پر انشاء اللہ تمہارے پاس آئیں گے۔ پھر وحی کے ذریعہ آپؐ کو اس مسجد کا حال بتایا گیا تو آپؐ نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو یہ حکم دے کر بھیجا کہ جاکر ظالموں کی مسجد کو گرادو اور آگ لگادو، وہ لوگ تیزی سے نکلے اور مسجد میں پہونچ کر اسے گرادیا اور پھر آگ لگادی، مسجد تعمیر کرنے والے پھر منتشر ہوگئے، اسی سے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔	اور جن لوگوں نے مسجد بنائی نقصان پہونچانے کے لئے، کفر کی بنا پر اور مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لئے۔
(سورۂ توبہ ـ ۱۰۸)	

جب آپؐ مدینہ سے قریب پہونچے تو عورتیں اور بچے آپؐ کے استقبال کے لئے نکل پڑے، ان کی زبان پر یہ اشعار تھے:

طلع البدر علینا	من ثنیات الوداع
ہم پر ماہ کامل طلوع ہوا	وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ما دعا للہ داع
ہم پر شکر واجب ہے	جبتک اللہ کیلئے بلانیوالا بلائے

بعض مصنفین نے یہ لکھا ہے کہ ہجرت کے موقع پر مدینہ پہونچنے کے وقت یہ اشعار پڑھے گئے تھے، لیکن یہ وہم ہے کیوں کہ ثنیات الوداع (جس کا شعر میں ذکر ہے) شام کی جانب ہیں مکہ کی جانب نہیں۔ جب آپؐ مدینہ سے قریب ہوئے تو فرمایا کہ "یہ طیبہ (خوشگوار مقام) ہے اور یہ احد کا پہاڑ ہے جو ہمیں اور ہم اسے دوست رکھتے ہیں۔ شہر میں داخل ہو کر پہلے آپؐ مسجد تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی۔ یہ آپؐ کا دستور تھا، پھر لوگوں کے پاس بیٹھے، اس موقع پر تبوک میں شرکت سے رہ جانے والے لوگ آپؐ کے پاس آئے اور عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، آپؐ نے بظاہر ان کا عذر قبول فرمالیا، ان کے لئے مغفرت طلب کی اور باطن کا معاملہ اللہ کے حوالے فرمادیا، انھیں کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ الخ
(سورہ توبہ — آیت ۹۵)

تمہاری واپسی کے بعد وہ لوگ تمہارے پاس آکر معذرت کرتے ہیں۔ الخ

۷۹۔ فصل

واقعہ تبوک سے مستنبط احکام و فوائد

ا۔ حرمت والے مہینہ میں لڑائی جائز ہے (بشرطیکہ رجب میں آپؐ کے نکلنے سے متعلق ابن اسحاق کا بیان محفوظ ہو۔)

۲۔ امام کو چاہئے کہ لوگوں کو وہ بات بتادے جس کے چھپانے میں ان کا نقصان ہو۔

۳۔ امام جب کوچ کا حکم دے تو سب کے لئے نکلنا ضروری ہے، کوئی پیچھے نہیں رہ سکتا، اس میں یہ شرط نہیں کہ امام ہر شخص کو متعین طور پر نکلنے کے لئے کہے۔ جہاد جن تین

موقعوں پر فرض عین ہو جاتا ہے ان میں سے ایک تو یہ ہے، اور دوسرا یہ کہ جب دشمن شہر کا محاصرہ کر لے، اور تیسرا یہ کہ جب آدمی دو صفوں (دشمن اور اپنی صف) کے درمیان ہو۔

۴۔ جانی جہاد کی طرح مالی جہاد بھی واجب ہے، اور یہی قول درست ہے، کیونکہ قرآن میں جہاد بالمال کو جہاد بالنفس پر مقدم رکھا گیا ہے، صرف ایک جگہ ایسا نہیں ہے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالی جہاد زیادہ ضروری ہے۔ اور جب جسمانی طور پر حج سے مجبور شخص پر مالی حج واجب ہوتا ہے تو ایسی صورت میں مالی جہاد کا واجب ہونا اولیٰ ہے۔

۵۔ عظیم مال خرچ کرنے کے صلہ میں حضرت عثمان کی سبقت۔

۶۔ مال سے عاجز شخص کو کوشش کے بغیر معذور نہیں مانا جائے گا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عاجز لوگوں سے حرج کی نفی اس وقت کی جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ آپ انھیں سواری دیں، پھر روتے ہوئے واپس لوٹے۔

۷۔ امام جب سفر پر نکلے تو رعیت میں سے کسی کو نائب بنا دے، جو شخص نائب بنے گا وہ بھی مجاہدوں کے حکم میں ہوگا کیوں کہ اس کے ذریعہ مجاہدین کو بہت بڑا تعاون ملے گا۔

۸۔ اونٹنی والے کنویں کے علاوہ ثمود کے کسی کنویں سے پانی پینا، طہارت کرنا، کھانا پکانا اور آٹا گوندھنا جائز نہیں، البتہ جانوروں کو ان کنوؤں سے پلا سکتے ہیں، اونٹنی والا کنواں عصر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک لوگوں کو معلوم تھا، پھر بعد میں ہمارے دور تک ہر صدی میں لوگ اس کو جانتے رہے، سواروں کا قافلہ اس کے علاوہ کسی اور کنویں پر جاتا ہی نہیں۔

۹۔ اگر کوئی ان قوموں کے علاقہ سے گذرے جن پر اللہ کا غضب اور عذاب نازل ہوا تو اس کے اندر داخل نہ ہونا چاہیئے اور نہ وہاں قیام کرنا چاہیئے بلکہ تیزی کے ساتھ منہ ڈھانک کر گذر جانا چاہیئے، اور جب کسی ایسے علاقہ سے گذر ہو تو روتے ہوئے اور عبرت اندوز ہوتے ہوئے گذرنا چاہیئے۔

۱۰۔ سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو نمازیں ایک ساتھ ادا فرماتے تھے، حضرت معاذ کی جو حدیث اس واقعہ سے تعلق رکھتی ہے اس میں ایک نماز کو مقدم کر کے ایک ساتھ دو نمازوں کے پڑھنے کا ذکر ہے، ہم اس کا سبب ذکر کر چکے ہیں، مقدم کر کے جمع کا ثبوت صرف اسی سفر میں ہے، اسی طرح عرفہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی جمع تقدیم کا ثبوت ملتا ہے۔

۱۱۔ ریت سے تیمم کرنا جائز ہے، کیوں کہ سفر تبوک میں آپؐ اور صحابہ ریتیلی زمین میں چلتے تھے، اور اپنے ساتھ مٹی نہیں رکھتے تھے، پورے میدان میں کہیں پانی نہیں تھا، صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیاس کی بھی شکایت کی تھی۔

۱۲۔ تبوک میں دس دن سے زیادہ آپؐ کا قیام تھا اور آپؐ برابر قصر نماز ادا کرتے تھے، کسی سے آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ اس سے زیادہ قیام کی صورت میں قصر نہیں ہے۔ آپؐ کو اتنی مدت قیام کا اتفاق پڑا، حالت سفر کی یہ اقامت سفر کے حکم سے خارج نہیں، خواہ طویل ہو جائے یا نہ ہو، بشرطیکہ آدمی اس اقامت گاہ کو وطن نہ بنا لے یا وہیں اس کا اقامت کا ارادہ نہ ہو جائے۔ ابن المنذر کا قول ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ مسافر اگر اقامت کا ارادہ نہ کرے تو سالوں قصر کر سکتا ہے۔

۱۳۔ جائز بلکہ مستحب ہے کہ قسم کھانے والا اگر قسم کے مخالف کام میں بھلائی سمجھے تو کفارہ دے کر وہ کام کرے، کفارہ کام کرنے سے پہلے اور بعد میں دونوں طور پر ادا کر سکتا ہے۔

۱۴۔ غصہ کی حالت میں اگر آدمی اپنی کہی ہوئی بات کو سمجھتا ہے تو اس کی قسم منعقد ہو جائے گی، اس کا حکم نافذ ہو جائے گا اور معاملات صحیح ہوں گے، البتہ اگر غصہ اتنا بڑھ چکا ہو کہ عقل پر پردہ پڑ گیا ہو تو پھر نہ تو قسم کا انعقاد ہو گا نہ طلاق کا۔

۱۵۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "میں نے تمہیں سواری نہیں دی بلکہ اللہ نے تمہیں سواری عطا کی ہے" سے جبری مذہب کو ماننے والا استدلال کر سکتا ہے، حالانکہ اس میں اس

کی گنجائش نہیں، اس قول کی مثال آپؐ کے اس قول جیسی ہے "بخدا نہ تو میں کسی کو کچھ دیتا ہوں نہ کسی کو محروم کرتا ہوں، میں تو تقسیم کرتا ہوں، جہاں کا حکم ملا ہے وہیں رکھ دیتا ہوں"۔ یعنی آپؐ کی حیثیت بندے اور رسول کی ہے، اللہ کے حکم کے مطابق آپؐ سب کام انجام دیتے ہیں، جب کوئی حکم ملتا ہے تو اسے آپؐ نافذ کرتے ہیں، اس طرح دینے، روکنے اور سوار کرانے کا کام صرف اللہ کا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم پاتے ہیں اسی کو نافذ کرتے ہیں۔

۱۶۔ معاہدین اگر کوئی ایسا نیا کام کریں جس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہونچے تو ان کی جان و مال کے حق میں معاہدہ ختم ہو جائے گا، اگر امام ایسے لوگوں پر قادر نہ ہو سکے تو بھی ان کا خون اور مال حلال ہو جائے گا، مال جو پائے گا اسی کا حق ہو جائے گا۔

۱۷۔ مردہ کو رات میں دفن کرنا جائز ہے، جیسا کہ آپؐ نے ذوالبجادین کو دفن کیا تھا اگر کوئی ضرورت یا مخصوص مصلحت ہو تو ایسا کیا جائے گا۔

۱۸۔ اگر امام کوئی لشکر بھیجے اور اسے غنیمت حاصل ہو یا قیدی ہاتھ لگیں یا قلعہ فتح ہو تو خمس نکالنے کے بعد باقی مال اسی لشکر کا ہوگا، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دومۃ الجندل کی غنیمت کو فاتح لشکر ہی کے مابین تقسیم فرما دی تھی، لیکن اگر فوج سے غزوہ کی حالت میں لشکر نکلے اور فوج کی قوت سے غنیمت حاصل کرے تو ایسی صورت میں حاصل شدہ مال میں سب کا حصہ ہوگا بشرطیکہ اس سے خمس اور نفل کو علیحدہ کر لیا جائے۔

۱۹۔ آپؐ نے فرمایا تھا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ تمہارے ہر سفر اور ہر نقل و حرکت میں ساتھ ہوتے ہیں، اس سے قلبی و ارادی معیت مُراد ہے، اور یہ جہاد بالقلب ہے، جہاد کے چار مراتب میں ایک یہ بھی ہے اور بقیہ تین مراتب ہیں، جہاد لسانی، جہاد مالی، جہاد بدنی۔

۲۰۔ معصیت کے مقام کو جلا دینا چاہیئے جس طرح آپؐ نے مسجد ضرار کو جلانے کا حکم

دیدیا تھا۔اس طرح کے جتنے مقامات ہوں انھیں منہدم کرکے یا جلاکر بیکار کرنا امام وقت کا فرض ہے، اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم ازکم اس مقام کی صورت بگاڑ کر ایسا بنا دینا چاہیئے کہ معصیۃ کا کام وہاں پرانجام نہ پا سکے۔مسجد ضرار کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منہدم کرنے اور جلا دینے کا حکم فرمایا تو پھر تبرکیہ مقامات، شراب سازوں کے گھر اور اصحاب منکرات کے ٹھکانوں کا حکم تو اس سے بھی سخت ہونا چاہیئے۔حضرت عمرؓ نے شراب فروشی میں ملوث ایک پورے گاؤں کو جلا دیا تھا، اسی طرح رویشد ثقفی کی شراب کی دوکان کو بھی آپ نے جلا دیا تھا اور اسے فُوَیسق (بدکار) کے نام سے موسوم کیا تھا۔حضرت سعد نے جب اپنے محل میں رعیت سے حجاب اختیار کرلیا تو اسے بھی حضرت عمرؓ نے جلا دیا تھا۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جمعہ اور جماعت چھوڑنے والوں کے گھروں کو جلانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تھا، لیکن اس میں رہنے والے دوسرے بے گناہ لوگوں کے خیال سے آپؐ نے ایسا نہیں کیا۔

۲۱۔عبادت کے علاوہ کسی اور مقصد کے لئے وقف صحیح نہیں ہوگا، اس لئے اگر قبر پر مسجد بنائی جائے تو اسے ڈھا دینا چاہیئے، اگر مسجد میں مردہ دفن کیا جائے تو کھود کر پھینک دینا چاہیئے، کیوں کہ اسلام میں مسجد اور قبر کا اجتماع جائز نہیں، دونوں میں سے جو چیز بعد کی ہو اسے ہٹانا ضروری ہے، اگر دونوں ایک ساتھ وجود میں آئیں تو دونوں ناجائز ہیں، ایسا وقف نہ صحیح ہے نہ جائز، نہ ایسی مسجد میں صحیح نماز ہوگی، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے اور قبر کو مسجد بنانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔یہ ہے دین اسلام کی صحیح تعلیم جسے اللہ کے رسول لے کر آئے تھے لیکن آج اس دین کی غربت سب کے سامنے ہے۔

۸۰۔ فصل

غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے تین صحابیوں یعنی کعب بن مالکؓ ہلال بن امیہؓ اور مرارۃ بن ربیعؓ کا واقعہ

صحیحین میں حضرت کعب بن مالک سے مروی ہے کہ غزوۂ تبوک کے علاوہ کسی بھی غزوہ سے میں غیر حاضر نہیں ہوا، البتہ غزوۂ بدر میں شریک نہیں تھا، لیکن اس میں نہ شریک ہونے والا کوئی معتوب نہیں ہوا تھا، کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے تجارتی قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے اور دشمنوں سے بغیر وعدہ ملاقات ہوگئی تھی، میں عقبہ کی رات میں بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ موجود تھا، جب کہ ہم نے اسلام پر استقامت کا عہد کیا تھا، بدر کے مقابلہ میں مجھے اس رات کی حضوری زیادہ محبوب ہے، اگرچہ بدر کاروں میں چرچا زیادہ رہتا ہے۔ غزوۂ تبوک میں میرے پیچھے رہ جانیکا جو واقعہ پیش آیا اس کی تفصیل یہ ہے، میں اس غزوہ کے موقع پر ہر طرح قوی و آمادہ تھا، اس سے پہلے کبھی میرے پاس دو سواریاں نہ تھیں لیکن اس موقع پر میرے پاس دو سواریاں موجود تھیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو اسے چھپا کر دوسری جگہ کا ذکر فرماتے، لیکن جب غزوۂ تبوک کا واقعہ پیش آیا تو موسم بہت گرم تھا، سفر طویل، راستہ دشوار گذار اور دشمنوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لئے آپؐ نے مسلمانوں کے سامنے اپنے ارادہ کا اظہار فرما دیا اور جگہ کی تعیین فرما دی تاکہ لوگ غزوہ کی پوری تیاری کر لیں۔ اس وقت صحابہ کی تعداد زیادہ ہو چکی تھی لیکن ان کے نام کا کوئی رجسٹر نہ تھا، حضرت کعب کہتے ہیں کہ "اس لئے غزوہ سے غائب رہنے والے یہ سوچتے تھے کہ اگر وحی نازل نہ ہو تو غیر حاضری

کی خبر کسی کو نہیں ہو سکے گی۔ غزوہ تبوک کے موقع پر پھل پک چکے تھے اور موسم خوشگوار تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ تیار ہو گئے تو میں بھی تیاری کی سوچنے لگا لیکن کچھ کیا نہیں، میرا خیال تھا کہ معاملہ میرے ہاتھ میں ہے جب چاہوں گا تیاری کر لوں گا، میرا یہی حال رہا اور لوگ سنجیدگی کے ساتھ تیار ہو گئے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کا وقت آ گیا اور میں کوئی تیاری نہیں کر سکا ہیں یہ سوچ رہا تھا کہ ایک دو روز بعد تیار ہو کر میں آپؐ سے جا ملوں گا لیکن لشکر کی روانگی کے بعد بھی میں تیاری نہ کر سکا اور لوگ دور نکل گئے، پھر میں نے نکلنے کا ارادہ کیا اور کاش نکل گیا ہوتا، لیکن یہ میرے مقدر میں نہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکلتا تھا تو اس بات سے بڑی تکلیف ہوتی تھی کہ پیچھے رہنے والوں میں یا تو منافقین تھے یا معذور و کمزور افراد۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک پہونچنے کے بعد مجھ کو یاد فرمایا، لوگوں میں بیٹھ کر آپؐ نے دریافت فرمایا کہ "کعب بن مالک کا کیا ہوا؟" بنو سلمہ کے ایک آدمی نے کہا کہ یا رسول اللہ، انھیں لباس و شخصیت کے اہتمام نے روک رکھا ہے، حضرت معاذ بن جبل نے کہا کہ تم بہت بُری بات کہہ رہے ہو، بخدا یا رسول اللہ، ہمیں ان کے بارے میں بھلائی کے سوا کچھ معلوم نہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے کہ مجھے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لا رہے ہیں تو پھر میں نے جھوٹ کی سوچی، میں یہ سوچتا تھا کہ کس طرح آپؐ کے غصہ سے بچ سکتا ہوں، اس کے لئے میں نے اپنے گھر والوں میں سے ہر صاحب رائے سے مدد لی، پھر جب یہ بتایا گیا کہ آپؐ آ رہے ہیں تو میرے دل سے غلط خیال نکل گیا اور میں یہ سمجھ گیا کہ جھوٹ کے ذریعہ میں بچ نہیں سکتا، پھر میں نے سچ کا عہد کر لیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو مسجد میں دو رکعت نماز ادا فرمائی، یہ آپؐ کا سفر سے واپسی پر معمول تھا، پھر لوگوں کے پاس آپؐ بیٹھے، اس وقت میں پیچھے رہنے والے آآ کر اپنا عذر پیش کرنے لگے اور قسمیں کھانے لگے، ایسے لوگوں کی تعداد اسّی سے زائد تھی، آپؐ نے بظاہر ان کا بیان سن لیا اور دلوں کا معاملہ اللہ کے حوالے کر دیا، میں بھی آپؐ کے پاس پہونچا اور سلام کیا تو آپؐ نے غصہ آمیز تبسم فرمایا اور فرمایا کہ "آؤ" جب میں آکر بیٹھ گیا تو آپؐ نے پوچھا کہ کیوں پیچھے رہ گئے، کیا تم نے سواری خرید نہیں لی تھی؟ میں نے جواب دیا کہ "ہاں، خرید لیا تھا، اور اگر میں آپؐ کے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتا تو کوئی نہ کوئی عذر کر کے آپؐ کے غصہ سے بچ جاتا کیوں کہ میرے اندر جدل کا مادہ ہے، لیکن بخدا مجھے معلوم ہے کہ اگر جھوٹ بول کر آج آپؐ کو راضی کر لوں گا تو اس سے اللہ تعالیٰ مجھ سے ناراض ہو جائیگا، اور اگر سچ بولوں اور آپؐ اس سے مجھ پر ناراض ہوں تو ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عفو کی امید ہے حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہ تھا اور طاقت وسہولت میں کوئی کمی نہ تھی۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "تم نے سچی بات کہہ دی، اب جاؤ اور اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو"، یہ سُن کر میں اٹھا اور میرے پیچھے بنو سلمہ کے کچھ لوگ بھی آئے اور کہا کہ "واللہ، اس سے پہلے تم نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دوسرے لوگوں کی طرح عذر نہ کر سکے، اگر عذر کر دیتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استغفار سے یہ گناہ معاف ہو جاتا؛ اس طرح وہ لوگ مجھ کو سرزنش کرنے لگے اور میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ واپس چل کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے سابقہ بیان کی تکذیب کر دوں پھر میں نے پوچھا کہ کیا میری طرح کے کچھ اور لوگ ہیں؟ جواب ملا کہ ہاں دو اور اشخاص نے تمہاری ہی طرح کا بیان دیا ہے اور ان سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی

جوتم سے کہی تھی، میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں؟ جواب ملا کہ مرارة بن ربیع عمروی، اور ہلال بن امیۃ واقفی، یہ دونوں نیک لوگ تھے اور غزوہ بدر میں شریک تھے، ان کے نام سن کر میں نے واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہم تینوں اشخاص کے ساتھ بات چیت سے منع فرما دیا جس کے نتیجہ میں لوگ ہم سے علیٰحدہ ہو گئے اور ان کا رویہ بدل گیا، مجھے زمین کا ہر حصہ بالکل اجنبی سا لگتا تھا۔

اس حالت میں ہم نے پچاس دن گذارے، میرے دونوں ساتھی بائیکاٹ کی اس فضا کو برداشت نہ کر سکے اور گھر میں بیٹھ کر رونے لگے، میں چوں کہ ان کے مقابلہ میں نوعمر اور مضبوط دل و جان والا تھا اس لیے مسجد میں آ کر نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازار جاتا تھا لیکن کوئی مجھ سے بات نہیں کرتا تھا، جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نماز سے فراغت کے بعد جاتا اور سلام کرتا تو آپؐ کے ہونٹوں کی طرف دیکھتا کہ جواب میں حرکت ہوتی یا نہیں، اسی طرح آپؐ سے قریب کھڑے ہو کر میں نماز پڑھتا تھا اور دزدیدہ نگاہوں سے آپؐ کو دیکھتا تھا، جب میں نماز میں مشغول ہو جاتا تو آپؐ میری طرف دیکھتے تھے، اور جب میں آپؐ کی طرف متوجہ ہوتا تو آپؐ رُخ پھیر لیتے۔ مسلمانوں کی بے تعلقی کا یہ معاملہ جب طول پکڑ گیا تو ایک دن میں اپنے چچازاد بھائی ابوقتادہ کے باغ میں چلا گیا، مجھے ان سے بیحد محبت تھی، پہونچنے کے بعد میں نے سلام کیا تو انھوں نے جواب نہیں دیا، میں نے کہا کہ "ابوقتادہ للہ بتاؤ کیا مجھے اللہ اور رسولؐ سے محبت نہیں ہے؟ لیکن وہ خاموش رہے، میں نے انہیں پھر اللہ کا واسطہ دلایا، اس پر انھوں نے جواب دیا" اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں"۔ یہ سن کر میرے آنسو نکل پڑے اور میں واپس آ گیا۔ ایک دن میں ایسے ہی مدینہ کے بازار میں گھوم رہا تھا کہ ایک نبطی (عجمی) جو شام سے گیہوں لے کر فروخت کرنے آیا تھا، یہ آواز لگانے لگا کہ کوئی کعب بن مالک کا پتہ بتا سکتا ہے؟ لوگوں نے میری جانب اشارہ کرنا شروع

کر دیا، اس نے میرے پاس آکر مجھے غسانی بادشاہ کا ایک خط دیا جس میں تحریر تھا کہ :

"امابعد، مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تمہارے ساتھی نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، لیکن تم نہ تو ذلت کے مقام پر ہو نہ ضائع کرنے کے قابل، ہمارے پاس آجاؤ ہم تمہارے ساتھ ہمدردی و دلجوئی کا معاملہ کریں گے۔"

یہ خط پڑھ کر میں نے سوچا کہ یہ بھی میری ایک آزمائش ہے، پھر اُٹھ کر خط چولہے میں ڈال دیا اور وہ جل گیا۔ پچاس راتوں میں جب چالیس راتیں گذر گئیں اور وحی کا انتظار ہوتا رہا تو ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا پیامبر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا ہے کہ تم اپنی اہلیہ سے علیحدہ ہو جاؤ، میں نے پوچھا کہ کیا اسے طلاق دیدوں؟ قاصد نے کہا کہ نہیں صرف علیحدہ ہو جاؤ، اور صحبت نہ کرو، اسی طرح کا پیغام میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی پہونچا، میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ اور اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ ہونے تک وہیں رہو۔

حضرت کعب کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام سن کر حضرت ہلال بن امیۃ کی عورت آپؐ کے پاس آئی اور کہا کہ "یا رسول اللہ، ہلال بن امیۃ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں، ان کے پاس کوئی خادم بھی نہیں، اگر میں ان کی خدمت کر دوں تو اس میں کوئی حرج ہے"؟ آپؐ نے فرمایا کہ خدمت کر سکتی ہو لیکن صحبت کی اجازت نہیں، انھوں نے کہا کہ اس وقت انھیں کسی بھی چیز کی خبر ہی نہیں، اس دن سے آج تک وہ برابر رو رہے ہیں۔ اس اجازت کے بعد مجھ سے بھی لوگوں نے کہا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال بن امیۃ کی بیوی کو اجازت دیدی تو تم بھی اپنی بیوی کے لئے اجازت لے لو، میں نے جواب دیا کہ میں اجازت نہیں مانگوں گا، معلوم نہیں آپؐ کیا جواب دیں گے، میں نوجوان آدمی ہوں۔ اسطرح میں دس دن منتظر رہا، جب پچاس دن پورے ہو گئے اور میں فجر کی نماز پڑھ کر اپنے

گھر کی چھت پر بیٹھا تھا کہ ایک آدمی نے پہاڑی سے آواز دی اور کہا کہ "کعب بن مالک خوش ہو جاؤ، بشارت سنو، یہ سن کر میں سجدہ میں گر پڑا اور یقین کر لیا کہ مشکل کٹ گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا، اعلان سن کر لوگ ہمیں خوشخبری سنانے لگے، میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی لوگ گئے اور ایک شخص گھوڑا دوڑا کر میرے پاس آیا، قبیلۂ اسلم کے جس شخص نے پہاڑ سے آواز لگائی اس کی خبر میں نے پہلے سُن لی، کیوں کہ آواز بہر صورت گھوڑے سے تیز پہونچ گئی۔

آواز لگانے والا جب میرے پاس آیا تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو دیدیئے، چوں کہ میرے پاس ان کے علاوہ کپڑے نہیں تھے اس لئے مجھے عاریۃً کپڑے لینے پڑے۔ خوشخبری سن کر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل پڑا، لوگ جوق در جوق مجھے مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ کعب، توبہ کی قبولیت مبارک ہو، جب میں مسجد میں پہونچا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے، مجھے دیکھ کر حضرت طلحہ بن عبید اللہ لپکے اور مصافحہ کر کے مبارکباد دی، مہاجرین میں سے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں اٹھا، حضرت کعب کو حضرت طلحہ کی یہ گرم جوشی ہمیشہ یاد تھی۔ کعب کہتے ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا تو آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ خوش ہو جاؤ یہ تمہاری زندگی کا سب سے بہترین دن ہے، میں نے کہا کہ، یا رسول اللہ، آپؐ کی طرف سے یا اللہ کی طرف سے؟ آپؐ نے فرمایا کہ، ہاں اللہ کی طرف سے۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تھے تو آپؐ کا روئے مبارک چاند کی طرح دمکنے لگتا تھا، ہمیں آپؐ کی اس حالت کا اندازہ تھا، میں جب آپؐ کے سامنے بیٹھا تو کہا کہ، یا رسول اللہ، توبہ کی قبولیت پر میں اپنا مال اللہ اور رسول کیلئے صدقہ دیتا ہوں۔

آپ نے فرمایا کہ کچھ مال رکھ لو، بہتر ہوگا، میں نے کہا کہ خیبر میں میرا جو حصّہ ہے اسے رکھ لیتا ہوں، یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے مجھے سچائی کے سبب نجات دی ہے، اب میں ہمیشہ سچ بولوں گا، سچائی کا جو انعام مجھے ملا ہے شاید کسی مسلمان کو نہ ملا ہو ہوگا۔ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جس دن یہ کہا اس کے بعد سے اب تک کوئی جھوٹ نہیں بولا ہوں، اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ بقیہ زندگی میں مجھے محفوظ رکھے گا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ ۭ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

"اللہ تعالیٰ نے نبی پر اور مہاجرین وانصار پر توجہ کی جو مشکل وقت میں جب کہ بعض مسلمانوں کے دل ڈگمگا چلے تھے نبی کے ساتھ رہے، پھر وہ ان پر متوجہ رہا، وہ بڑا ہی مہربان نہایت رحم والا ہے اور ان تینوں پر بھی رحم کیا جن کا معاملہ خدا کے حکم کے انتظار میں اس وقت تک ملتوی کر دیا گیا تھا کہ زمین اپنی وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جان سے بیزار ہوگئے اور سمجھا کہ اللہ کے علاوہ کہیں پناہ نہیں، پھر ان پر توجہ کی کہ وہ بھی جھکے رہیں، بلاشبہ اللہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کا ساتھ دیا کرو۔"

(سورۂ توبہ ۔ ۱۱۷ ۔ ۱۱۹)

بخدا، اسلام کے بعد میرے اوپر اللہ کا سب سے بڑا احسان یہ ہوا کہ میں نے نبی صلی

اللہ علیہ وسلم کے سامنے سچ کہا، اگر جھوٹ بول دیتا تو جھوٹوں کے ساتھ میں بھی ہلاک ہو جاتا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں جھوٹوں کے لئے بدترین بات کہی ہے، فرماتا ہے:

سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ ۫ وَّ مَاۡوٰىہُمۡ جَہَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ۝ یَحۡلِفُوۡنَ لَکُمۡ لِتَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ ۚ فَاِنۡ تَرۡضَوۡا عَنۡہُمۡ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یَرۡضٰی عَنِ الۡقَوۡمِ الۡفٰسِقِیۡنَ ۔ (التوبہ ـ ۹۶)

جب تم ان کے پاس لوٹو گے تو تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے درگذر کرو، لہٰذا تم ان سے منہ پھیرلو، وہ ناپاک ہیں، اور ان کے عمل کے سبب ان کا ٹھکانہ جہنم ہے تمہارے پاس قسمیں کھائیں گے کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ بدکار لوگوں سے راضی نہیں ہو سکتا۔

واضح ہو کہ حضرت کعب کی اس حدیث سے درج ذیل فوائد کا علم ہوتا ہے:

۱۔ مسلمان کی غیبت کی تردید جیسا کہ حضرت معاذ نے کیا۔

۲۔ مشکلات کے باوجود سچائی کی پابندی کہ انجام اسی کا بہتر ہوتا ہے۔

۳۔ سفر سے واپسی کے بعد سب سے پہلے مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرنا مستحب ہے۔

۴۔ یہ بھی مستحب ہے کہ سفر سے واپس آنے والا ضرورت کے وقت مسجد یا کسی اور کھلی جگہ بیٹھ کر آنیوالوں سے ملے۔

۵۔ انسان کے ظاہری حالات کے مطابق احکام لاگو ہوتے ہیں اور باطن کا حال اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

۶۔ کھلے طور پر بدعات و معاصی کا ارتکاب کرنے والوں سے قطع تعلق کر لیا جائیگا اور ان کی تحقیر و تنبیہ کے لئے ان کے ساتھ سلام مصافحہ نہیں کیا جائے گا۔

۷۔ کسی گناہ کے ارتکاب پر انسان کے لئے رونا مستحب بلکہ ضروری ہے۔

۸۔کسی مصلحت کی بنا پر ایسا کاغذ جس میں اللہ تعالیٰ کا نام ہو، جلایا جا سکتا ہے، جیسا کہ حضرت کعب نے کیا تھا۔

۹۔کنایہ کی طلاق مثلاً بیوی سے یہ کہنا کہ اپنے میکے چلی جاؤ، بغیر نیت واقع نہیں ہوتی۔

۱۰۔عورت اپنے شوہر کی خدمت کر سکتی ہے، لیکن یہ لازم یا واجب نہیں۔

۱۱۔کسی نعمت کے حصول یا مصیبت کے ٹلنے پر سجدۂ شکر ادا کرنا اور صدقہ دینا مستحب ہے

۱۲۔خوشخبری و مبارکبادی پیش کرنا اور پیش کرنے والے کا کپڑا وغیرہ دے کر اکرام کرنا مستحب ہے۔

۱۳۔کسی فاضل شخص کی تکریم میں کھڑے ہونا مستحب ہے، اور اس سے اگر کسی کو مسرت حاصل ہو تو یہ بھی دُرست ہے، جیسا کہ حضرت طلحہ کے کھڑے ہونے سے حضرت کعب کو مسرت حاصل ہوتی تھی، یہ فعل درج ذیل حدیث کے مخالف نہیں کہ" لوگوں کے کھڑے ہونے سے جسے خوشی ہو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔کیوں کہ یہ وعید متکبرین اور ان لوگوں کے لئے ہے جو نہ کھڑے ہونے پر غصہ ہوتے ہیں، چنانچہ مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ کو دیکھ کر خوشی سے کھڑے ہو جاتے تھے، اور فاطمہ آپؐ کو دیکھ کر تعظیم میں کھڑی ہو جاتی تھیں۔یہی حکم ہر اس قیام کا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور کسی بھائی پر اللہ کی نعمت سے خوشی حاصل ہو، اور اعمال کا دار و مدار نیت ہی پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم

۱۴۔انسان کسی خوبی کی بنا پر اپنی تعریف کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں فخر نہ ہو۔

۱۵۔عقبہ کا درجہ تمام مجمعوں سے بڑھا ہوا ہے۔

۱۶۔فوجیوں کا رجسٹر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زندگی میں نہیں تھا، بلکہ اسے سب سے پہلے حضرت عمر نے جاری کیا۔

۱۷۔ انسان کو اگر عبادت و نیکی کا موقع ہاتھ آئے تو پوری احتیاط سے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے، کیوں کہ ارادے بہت جلد پست ہو جاتے ہیں اور ایک حال پہ برقرار نہیں رہتے۔ اگر کسی کو نیکی کا موقع ملے اور وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو اُسے یہ سزا ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے قلب و ارادہ کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ	مومنو، اللہ اور رسول کی اطاعت کرو جب وہ تم کو
وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یُحْیِیْکُمْ	تمہاری زندگی کے لئے پکارے اور جان رکھو
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ یَحُوْلُ بَیْنَ الْمَرْءِ	کہ اللہ تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان
وَقَلْبِهٖ۔ (سورۃ انفال۔ ۲۴)	حائل ہو جاتا ہے۔

اسی کی وضاحت ایک دوسری آیت میں فرماتی ہے:

وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَھُمْ (سورۃ انعام۔ ۱۱۰)	اور ہم ان کے دلوں کو پھیر دیں گے۔

نیز فرمایا:

فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَھُمْ۔	پھر جب وہ ٹیڑھے ہوتے گئے تو خدا نے ان کے
(الصف ــ ۵)	دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔

اور فرمایا:

وَمَا کَانَ اللّٰهُ لِیُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ	اور اللہ کی یہ شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کے
اِذْ ھَدٰھُمْ حَتّٰی یُبَیِّنَ لَھُمْ مَّا یَتَّقُوْنَ	بعد گمراہ کر دے جب تک ان کو ان امور سے اطلاع
(سورۃ توبہ ــ ۱۱۶)	نہ دے جن سے ان کو بچنا ہو۔

اس طرح کا مضمون قرآن میں بہت سی جگہ آیا ہے:

۱۸۔ [illegible] میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلنے سے وہی لوگ رہ جاتے تھے جو منافق یا معذور یا کسی کام پہ مامور ہوتے تھے۔

۱۹۔امام کو چاہیئے کہ کسی وجہ سے پیچھے رہنے والوں کو نظر انداز نہ کرے بلکہ اس کا ذکر کرتا رہے تاکہ پھر وہ فرمانبردار بن جائے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کے متعلق پوچھا تھا کہ ما فعل کعب یعنی کعب کا کیا حال ہے؟ کعب کا تذکرہ آپؐ نے ان کی اصلاح کے خیال سے کیا تھا اور منافقین کا ذکر جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا۔

۲۰۔اللہ اور رسول کی مدافعت کیلئے غالب اجتہاد کی بنا پر کسی شخص کو مطعون کرنا جائز ہے، محدثین نے اسی بنا پر راویوں کے حق میں طعن کیا ہے اور اسی پر اہل بدعت کے حق میں اہل سنت کے طعن کو بھی محمول کیا جائیگا۔

۲۱۔مذکورہ اصول ہی کی روشنی میں جرح کرنے والے کی تردید بھی جائز ہے، جب کہ تردید کرنے والے کو جرح کرنے والے کے وہم یا غلطی کا گمان غالب ہو، جیسا کہ حضرت معاذ نے تردید کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جارح اور تردید کرنے والے کسی کی بھی تغلیط نہیں فرمائی۔

۲۲۔سفر سے آنے والے کیلئے مسنون ہے کہ شہر میں باوضو داخل ہو اور اپنے گھر سے پہلے اللہ کے گھر میں جاکر دو رکعت نماز ادا کرے۔

۲۳۔بدعت یا نیا کام کرنیوالے کے سلام کا جواب امام کو نہیں دینا چاہئیے تاکہ اسے تنبیہ و تادیب ہو سکے۔

۲۴۔امام اپنے ساتھیوں اور عزیزوں پر عتاب کر سکتا ہے، چنانچہ آپؐ نے مذکورہ تینوں صحابہ پر عتاب کیا تھا۔ احبار کے عتاب اور اس کے لذت اندوز ہونے کی داستان بہت طویل ہے، اور جب مخلوقات میں سب سے معزز شخص کسی پر عتاب کرے تو پھر اس کی لذت کا کیا پوچھنا، یہ عتاب شیریں بھی ہوگا اور مفید بھی، تینوں صحابہ کو مختلف قسم کی مسرتیں، رضائے الٰہی کی لذت اور قبولیت کی خلعتوں سے جس طرح نوازا گیا اس کا حال اللہ ہی کو

معلوم ہے۔

۲۵۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں کو ان کی سچائی کے سبب توفیق دی اور انھیں جھوٹ اور ناحق عذر سے بچایا کہ ان سے تھوڑی دیر کے لئے دنیا تو سدھر جاتی ہے لیکن عاقبت ہمیشہ کے لئے خراب ہو جاتی ہے، سچے لوگ دنیا میں کچھ تکلیف تو ضرور اٹھاتے ہیں لیکن آخرت سنور جاتی ہے۔ دنیا اور آخرت کا معاملہ اسی پہ قائم ہے، ابتدائے کار کی تلخی انتہا میں حلاوت پیدا کرتی ہے، اور ابتداء کی حلاوت سے انجام تلخ ہوتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چوں کہ تمام پیچھے رہنے والوں میں سے صرف انھیں تین صحابیوں سے مسلمانوں کو بات چیت کرنے سے روکا تھا، اس لئے اس سے ان تینوں کی سچائی اور بقیہ لوگوں کے جھوٹ کا پتہ چلا، سچے مسلمانوں کی تادیب کے لئے آپؐ نے ان سے قطع تعلق کا حکم فرمایا، رہے منافقین تو ان کے حق میں یہ علاج مفید نہیں۔ گناہوں پر سزا کے سلسلہ میں بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہی دستور ہے، اللہ کا محبوب بندہ جب کوئی ادنیٰ گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تادیب فرماتا ہے جس سے وہ برابر ہوشیار و محتاط رہتا ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی نظر سے گر چکا ہے اور اس کے سامنے ذلیل ہو چکا ہے اس کے حق میں اللہ تعالیٰ گناہوں سے رکاوٹ ختم کر دیتا ہے، اور وہ جب بھی گناہ کرتا ہے تو اس کے بعد اسے کوئی نعمت مل جاتی ہے۔

۲۶۔ حضرت کعب نے فرمایا تھا کہ "میں ابو قتادہ کے باغ کی دیوار پھاند کر اندر گیا تھا" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آدمی اپنے ساتھی اور پڑوسی کے گھر میں بلا اجازت اندر داخل ہو سکتا ہے بشرطیکہ اسے اس کی رضا مندی کا علم ہو۔

ان تینوں صحابہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی بیویوں سے علیحدگی کا ارادہ فرمایا تو یہ چیز ان کے حق میں بشارت کا درجہ رکھتی تھی کیوں کہ آپؐ نے اس طرح ان سے کلام

تو کیا اور انکے معاملہ پہ توجہ کا اظہار فرمایا۔

حضرت کعب کا یہ قول کہ "تم اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤ" اس بات کی دلیل ہے کہ اس طرح کے الفاظ سے بغیر نیت طلاق واقع نہیں ہو سکتی۔ حضرت کعب نے بشارت کی آواز سن کر سجدہ کیا تو اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی یہ عادت تھی۔ اس فعل سے نعمت کے حصول اور مصیبت کے ٹلنے پر سجدۂ شکر کے مستحب ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حضرت جبریل نے یہ خوشخبری سنائی کہ جو شخص آپؐ پر ایک مرتبہ درود بھیجے گا اس پر اللہ تعالیٰ دس مرتبہ رحمت نازل فرمائے گا تو آپؐ نے سجدۂ شکر ادا کیا، اسی طرح امت کے حق میں شفاعت کی قبولیت پر بھی آپؐ نے شکرانہ کا سجدہ کیا تھا۔ حضرت ابو بکر کو جب مسیلمہ کذاب کے قتل کی خبر ملی تو انھوں نے سجدہ کیا، خوارج میں ذوالیدیہ مقتول پایا گیا تو حضرت علی نے بھی سجدۂ شکر ادا کیا۔

۲۷۔ توبہ کی قبولیت کے بعد گھوڑے پر حضرت کعب کے پاس جانیوالے اور اسی طرح پہاڑی پر چڑھ کر خوشخبری کا اعلان کرنے والے کے فعل سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگوں کو بھلائی کا بیحد خیال رہتا تھا اور ایک دوسرے کی خوشی سے غیر معمولی دلچسپی اور منافست رہتی تھی۔

۲۸۔ حضرت کعب نے بشارت دینے والے کو اپنے دونوں کپڑے اتار کر دیدیا تھا اس سے بشارت دینے والے کو کچھ دینے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، اور یہ کہ اسکو تمام کپڑے دیئے جا سکتے ہیں۔ نیز یہ کہ کسی دینی نعمت کے حصول پر مبارکباد دینا مستحب ہے، اٹھنا اور مصافحہ کرنا بھی سنت ہے، مبارکباد دینے والے کو اس طرح کے الفاظ کہنے چاہئیں۔ "اللہ کا عطیہ مبارک ہو، اللہ کا احسان مبارک ہو" اس میں نعمت کی اللہ کی طرف نسبت ہے اور ساتھ ہی یہ دُعا بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مبارک بنائے۔

۲۹۔آدمی کا سب سے بہتر دن وہ ہے جس میں اللہ اس کی توبہ قبول کرے۔توبہ کی قبولیت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوشی اور اطمینان کا اظہار فرمایا اس سے امت پر آپؐ کے کمال کی شفقت کا پتہ چلتا ہے۔

۳۰۔توبہ کی قبولیت پر استطاعت بھر صدقہ کرنا مستحب ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ "تھوڑا مال روک لو بہتر ہوگا" یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی پورے مال کی نذر مان لے تو بھی سب مال نکالنا ضروری نہیں۔اسی طرح اس سے صدق کے مرتبہ کی عظمت اور اس پر دونوں جہاں کی سعادت کے دارومدار کا پتہ چلتا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو صرف دو قسموں میں تقسیم کیا ہے، ایک سعداء یعنی مومن اور راستباز لوگ، اور دوسرے اشقیاء یعنی جھوٹے لوگ، اور یہ تقسیم ہر طرح جامع و مانع ہے۔

۳۱۔آیت کریمہ "لقد تاب اللہ علی النبی الخ" سے بندہ توبہ کے مرتبہ کو سمجھ سکتا ہے، یہ مومن کے کمال کی انتہاء ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ کمال آخری غزوہ کے بعد دیا جب کہ انھوں نے جان و مال اور سب کچھ اللہ کے لئے قربان کر دیا، ان کی تمام قربانیوں کا حاصل یہی توبہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توجہ اور اس کا فضل، اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کی توبہ کی قبولیت والے دن کو ان کی زندگی کا سب سے بہتر دن بتایا تھا۔اس حقیقت کو صحیح طور پر وہی آدمی سمجھ سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات، بندوں پر اس کے حقوق، عبودیت کے استحقاق اور خود اپنی ذات اور اپنے حالات کو سمجھے اور یہ محسوس کرے کہ اس کی بندگی اللہ تعالیٰ کے حقوق کے مقابلہ میں قطرہ کی حیثیت رکھتی ہے، بشرطیکہ ریاء اور دیگر آفتوں سے پاک و صاف ہو۔پاک ہے وہ ذات جس کے عفو و مغفرت کے علاوہ بندوں کا کوئی سہارا نہیں۔مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے توبہ کا ذکر دوبارہ فرمایا ہے۔پہلی جگہ توبہ کی توفیق مراد ہے اور دوسری جگہ توبہ کی قبولیت، اس طرح تمام نیکیاں اللہ

تعالیٰ کی طرف سے، اسی کے ذریعہ اور اسی کے لئے ہوتی ہیں۔

۱۸۔ فصل

حضرت ابو بکرؓ کے حج کا بیان

تبوک سے واپسی کے بعد ۹ھ میں حضرت ابو بکر تین سو مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ بیس اونٹ بھیجے جن کو آپؐ نے اپنے ہاتھ سے قلادہ پہنایا اور خون سے نشان لگایا، یہ اونٹ حضرت ناجیہ بن جندب اسلمی کی نگرانی میں تھے حضرت ابو بکر نے بھی پانچ اونٹ ساتھ لئے تھے۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اسی اثناء میں سورۂ بُرأت نازل ہوئی جس میں اس معاہدہ کے خاتمہ کا اعلان تھا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے مابین طے پایا تھا۔ چنانچہ حضرت علی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی پر سوار ہو کر روانہ ہوئے اور حضرت ابو بکر سے جا ملے، حضرت ابو بکر نے انھیں دیکھ کر پوچھا کہ امیر بن کر آئے ہیں یا مامور؟ انھوں نے جواب دیا کہ مامور بن کر، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو سورۂ برأت سنانے کے لئے ارسال فرمایا ہے اور یہ کہ ہر طرح کے معاہدوں کے خاتمہ کا اعلان کر دوں۔

اس سال حضرت ابو بکر نے حج کا اہتمام کیا اور دسویں ذی الحجہ کو حضرت علی نے مقام جمرہ پر لوگوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنایا۔ امام حمیدی نے مسند میں لکھا ہے کہ "زید بن نفیع کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی سے پوچھا کہ آپؓ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کہہ کر بھیجا تھا؟ انھوں نے جواب دیا کہ چار باتوں کا حکم دے کر آپؐ نے مجھے بھیجا تھا، اول یہ کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے، دوم یہ کہ ننگا شخص کعبہ کا طواف نہیں کر سکتا، سوم یہ کہ

اس سال کے بعد بیت اللہ میں مومن و کافر اکٹھا نہیں ہو سکتے، چہارم یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جس کا معاہدہ ہے وہ اپنی مدت تک باقی رہے گا۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے فارغ ہوئے مکہ فتح ہوا اور قبیلہ ثقیف کے لوگ مسلمان ہو گئے تو مختلف اطراف سے آپ کے پاس عرب وفود آئے۔ مصنف نے اس موقع پر درج ذیل وفود کا ذکر کیا ہے۔

وفد بنی تمیم، وفد طئ، وفد بنی عامر، وفد عبد القیس، وفد بنی حنیفہ، وفد کندۃ، وفد اشعریین، وفد ازد، وفد اہل نجران، وفد ہمدان اور وفد نصاریٰ نجران۔

پھر مصنف نے مفرد و مرکب روحانی ادویہ اور قدرتی ادویہ کے ذریعہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ علاج اور سنت کو ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں امام مسلم کی وہ روایت ذکر کی ہے جسے حضرت عباس نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ "نظر لگنا حق ہے، کوئی چیز اگر تقدیر سے سبقت کر سکتی تو نظر کرتی"۔ صحیح مسلم ہی میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر، بخار اور سوزش والی پھنسیوں کے لئے جھاڑ پھونک کی اجازت دی ہے۔

امام مالک نے ابن شہاب سے، انھوں نے ابو امامہ بن سہل سے روایت کی ہے کہ "عامر بن ربیعۃ نے سہل کو غسل کرتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ میں نے آج کی طرح کوئی شخص یا پردہ نشین جلد نہیں دیکھی، اس کے بعد سہل کو جھٹکا سا لگا اور وہ زمین پر گر پڑے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر عامر کے پاس آئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے؟ تم نے برکت کی دعا کیوں نہیں کی؟ اب ان کے لئے غسل کرو۔ یہ سن کر عامر نے اپنا چہرہ، دونوں ہاتھ، دونوں کہنیاں، دونوں گھٹنے، پیروں کی انگلیاں اور اندرون ازار ایک پیالہ میں دھلا پھر اسے سہل پر بہایا گیا تو وہ اچھے ہو کر لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔

عبدالرزاق نے بروایت معمر عن ابو طاؤس عن ابیہ مرفوعا ذکر کیا ہے کہ نظر کا لگنا برحق ہے، اور جب تم میں سے کسی سے غسل کا مطالبہ کیا جائے تو اسے غسل کر لینا چاہئیے، اس حدیث کا موصول ہونا صحیح ہے۔ امام ترمذی کہتے ہیں کہ نظر لگانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ ایک پیالہ میں وہ اپنا ہاتھ ڈالے، اسی میں کلی کرے، چہرہ دُھلے، پھر بایاں ہاتھ دُھلے، پھر اپنے دائیں گھٹنے پر پانی ڈالے، پھر دایاں ہاتھ پیالہ میں ڈالے اور بائیں گھٹنے پر پانی انڈیلے، پھر ازار کے اندر جسم دُھلے، اور پیالہ زمین میں نہ رکھا جائے، اب یہ پانی یکبارگی نظر لگنے والے کے اوپر پیچھے سے ڈال دیا جائے۔

نظر کی دو قسمیں بیان کی گئی ہیں، ایک انسانی اور دوسری جناتی، چنانچہ حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گھر میں ایک لونڈی دیکھی جس کے چہرہ پر پھنسیاں تھیں، آپؐ نے فرمایا کہ اس پر دم کرو، کیوں کہ اسے نظر لگ گئی ہے۔ امام بغوی کا بیان ہے کہ روایت میں سعفۃ کا جو لفظ مذکور ہے اس کا معنی ہے جن کی نظر، آپؐ کی مُراد یہ تھی کہ اس لونڈی کو جن کی نظر لگ گئی ہے جو نیزہ سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنوں سے اور انسانی نظر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ لیکن ایک گروہ نے قوت سمع وفہم کی کمی کے سبب نظر لگنے کا انکار کیا ہے، حالانکہ مختلف مذاہب کے دانشمند نہ تو نظر کا انکار کرتے ہیں نہ اسے غلط بتاتے ہیں، البتہ اس کے سبب اور طریقۂ تاثیر میں ان کے خیالات مختلف ہیں۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اجسام وارواح میں مختلف قوتوں اور طبیعتوں کو پیدا کیا ہے، اور ان میں سے اکثر میں مختلف قسم کی خصوصیات وکیفیات کو رکھا ہے، اس لئے کوئی عقلمند اجسام میں روحوں کی تاثیر کا انکار نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ چیز محسوس اور مشاہدہ میں آئی ہوئی ہے۔ آنکھ کی خود کوئی تاثیر نہیں بلکہ تاثیر روح کی ہے، اور روحوں میں طبیعت، قوت، کیفیت

اور خاصیت کا اختلاف ہوتا ہے، اور آنکھ سے چوں کہ روح کا تعلق زیادہ ہے اس لئے اسی کی طرف اس فعل کو منسوب کر دیا گیا ہے۔ حاسد کی روح محسود کو کھلے طور پر تکلیف پہونچاتی ہے، اسی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم فرمایا کہ آپؐ اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ محسوس کی تکلیف کے سلسلہ میں حاسد کی تاثیر کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو انسانیت کی حقیقت سے خارج ہیں۔ محسوسات میں سانپ کے ذریعہ اس کی مثال دیجا سکتی ہے، کیوں کہ اس کے اندر زہر چھپا رہتا ہے، جب اپنے دشمن کو دیکھتا ہے تو اس کے اندر ایک غضبی قوت بیدار ہوتی ہے اور نفس پر ایک خبیث وموذی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور اس میں بعض کیفیت اتنی سخت ومضبوط ہوتی ہے کہ حمل کو گرا دیتی ہے، اور بعض سے آنکھ کی روشنی زائل ہو جاتی ہے، چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض زہریلے چھوٹے سانپوں کے بارے میں فرمایا کہ نگاہ کو ڈھونڈتے ہیں اور حمل کو گرا دیتے ہیں۔

اور اس طرح کی تاثیر کچھ جسمانی اتصال ہی پر موقوف نہیں، جیسا کہ بعض کم علم اور شریعت وقانون قدرت سے نا واقف لوگ سمجھتے ہیں، بلکہ یہ تاثیر کبھی تو جسمانی اتصال سے ہوتی ہے، کبھی سامنا ہونے سے، کبھی دیکھنے سے، کبھی روح کے متوجہ ہونے سے، کبھی دعا، تعویذ اور منتر سے اور کبھی محض وہم وتخیل سے۔ اسی طرح نظر لگانے والے کے نفس کی تاثیر بھی دیکھنے پر موقوف نہیں، بلکہ کبھی کبھی اندھے آدمی کے سامنے کسی چیز کا نقشہ بیان کیا جاتا ہے۔ اور وہ اسے دیکھے بغیر اس میں اثر کر دیتا ہے، اور بہت سے لوگ تو بغیر دیکھے صرف منظر کشی کے بعد اثر انداز ہو جاتے ہیں۔ اور ہر نظر آنے والے کے اندر حسد ہوتا ہے، لیکن ہر حاسد کا نظر لگانا ضروری نہیں، اور چونکہ حسد عام ہے اس لئے نظر کے مقابلہ میں اس سے پناہ مانگنے کا حکم زیادہ عام ہے۔ یہ اصل میں تیر ہوتے ہیں جو حاسد اور نظر لگانے والے کی طبیعت سے نکلتے ہیں اور محسود و نظر لگنے والے کی طرف جاتے

ہیں، کبھی تو یہ تیر نشانے پر لگ جاتے ہیں اور کبھی خطا کر جاتے ہیں، اگر انسان کا جسم انھیں کسی بچاؤ کے بغیر کھلا مل جاتا ہے تو یہ اس میں اثر انداز ہوتے ہیں، اگر محتاط و مسلم ہوتا ہے تو اثر نہیں کر پاتے۔ یہ تیر کبھی کبھی خود اسی شخص کی طرف لوٹ آتے ہیں جہاں سے چلے تھے، جیسا کہ محسوس تیر اندازی میں ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی انسان کو خود اپنی نظر لگ جاتی ہے، اور کبھی وہ بغیر ارادہ بھی نظر لگا دیتا ہے۔ اس میں صرف طبیعت کا دخل ہوتا ہے، اور یہ سب سے بدتر صورت ہے۔

ابو داؤد نے سنن میں سہل بن حنیف سے نقل کیا ہے کہ ہم سیلاب سے گذرے، میں نے اس کے پانی میں داخل ہو کر غسل کر لیا پھر مجھے بخار ہو گیا، اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ ابو ثابت کو حکم دو کہ اعوذ باللہ پڑھیں، میں نے کہا کہ میرے آقا کیا منتر جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ "نظر، بخار اور ڈنک کے علاوہ کسی چیز میں جھاڑ پھونک نہیں۔

اور تعوذ و جھاڑ پھونک کی صورت یہ ہے کہ آدمی معوذتین، فاتحہ، آیۃ الکرسی اور پناہ مانگنے والی دعائیں پڑھے، بعض دعائیں درج ہیں:

اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔	اللہ کے پورے کلموں کے ذریعہ سے ہر شیطان اور زہریلے ہلاک کرنیوالے جانور سے اور ہر نظر لگانے والی آنکھ سے پناہ مانگتا ہوں۔
۲۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِيْ لَا يُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ مِّنْ شَرِّ مَا خَلَقَ۔	اللہ کے پورے کلموں کے ذریعہ جن کو کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا مخلوق کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔
۳۔ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ وَمِنْ	اللہ کے پورے کلموں کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں، اس چیز کے شر سے جسے اس نے پیدا کیا اور

شَرِّ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَعْرُجُ فِيهَا وَمِنْ شَرِّ مَا ذَرَأَ فِي الْأَرْضِ وَمِنْ شَرِّ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمِنْ شَرِّ فِتَنِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمِنْ شَرِّ طَوَارِقِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ إِلَّا طَارِقًا يَطْرُقُ بِخَيْرٍ يَا رَحْمٰنُ۔

پھیلایا، اور ان چیزوں کی برائی سے جو آسمان سے اترتی ہیں اور جو چڑھتا ہے اور جنھیں زمین میں پھیلایا اور جو زمین سے نکلتی ہیں اور رات و دن کے فتنوں سے اور رات و دن کے ہر آنے والے کی برائی سے مگر وہ آنے والا جو بھلائی کے ساتھ آئے اے بڑے مہربان۔

۴۔ أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَنْ يَحْضُرُونِ

اللہ کے پورے کلموں کے ذریعہ پناہ مانگتا ہوں اس کے غضب اس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسے سے اور انکے میرے پاس حاضر ہونے سے۔

۵۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِوَجْهِكَ الْكَرِيمِ وَكَلِمَاتِكَ التَّامَّةِ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ تَكْشِفُ الْمَأْثَمَ وَالْمَغْرَمَ. اَللّٰهُمَّ لَا يُهْزَمُ جُنْدُكَ وَلَا يُخْلَفُ وَعْدُكَ سُبْحَانَكَ وَبِحَمْدِكَ۔

اے اللہ میں تیرے باعزت چہرہ اور تیرے پورے کلموں کے ذریعہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کی پیشانی تو پکڑے ہوئے ہے، اے اللہ، تو ہی قرض اور خطاؤں کو دور کرتا ہے، تیرا لشکر شکست نہیں کھا سکتا، تیرا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا، تو پاک ہے، ہم تیری ہی حمد کرتے ہیں۔

۶۔ أَعُوذُ بِوَجْهِ اللّٰهِ الْعَظِيمِ الَّذِي لَا شَيْءَ أَعْظَمُ مِنْهُ، وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِي لَا تُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَلَا فَاجِرٌ وَأَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى، وَبِأَسْمَائِهٖ

میں خدائے برتر کی ذات پاک کے ذریعہ پناہ چاہتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں، اور ان پورے کلموں کے ذریعہ جن سے کوئی نیک و بد تجاوز نہیں کر سکتا، اور اللہ کے اسماء حسنیٰ کے ذریعہ جن کو

مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَا لَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَذَرَأَ وَبَرَأَ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ لَا اُطِيْقُ شَرَّهٗ، وَمِنْ شَرِّ كُلِّ ذِيْ شَرٍّ اَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ، اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔

۷۔ تَحَصَّنْتُ بِاللّٰهِ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلٰهِيْ وَاِلٰهُ كُلِّ شَيْءٍ، وَاعْتَصَمْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّ كُلِّ شَيْءٍ، وَتَوَكَّلْتُ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَاسْتَدْفَعْتُ الشَّرَّ بِلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ، حَسْبِيَ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ، حَسْبِيَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِ، حَسْبِيَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِ، حَسْبِيَ الَّذِيْ هُوَ حَسْبِيْ حَسْبِيَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ حَسْبِيَ اللّٰهُ وَكَفٰى، وَسَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ دَعَا، لَيْسَ وَرَاءَ اللّٰهِ مَرْمٰى، حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

میں جانتا ہوں اور جنھیں نہیں جانتا ان چیزوں کے شر سے جنھیں اس نے پیدا کیا اور پھیلایا، اور ہر شر والی چیز کے شر سے جس کی مجھے طاقت نہیں اور جس کی پیشانی تیری گرفت میں ہے، بیشک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

میں اس اللہ کی حفاظت میں داخل ہوا جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی میرا اور ہر چیز کا معبود ہے میں نے اپنے اور ہر چیز کے پروردگار کی حفاظت اختیار کی اور اس ذات پر بھروسہ کیا جو زندہ ہے مر نہیں سکتی اور لاحول کے ذریعہ شر کو دفع کیا، مجھے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے، بندوں سے رب کافی ہے، مخلوق سے خالق کافی ہے مرزوق سے رازق کافی ہے، مجھے وہی اللہ کافی ہے جو کافی ہے، وہ اللہ کافی ہے جس کے قبضہ میں ہر چیز کی حکومت ہے، وہ پناہ دیتا ہے اور اسکے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اللہ کافی ہے اور بس، دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہے، اللہ کے سوا کوئی مقصد نہیں، مجھے اللہ کافی ہے، اسکے علاوہ کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔

ان دعاؤں کو آزمانے والے ان کے فوائد اوران کی ضرورت سے آگاہ ہیں، ان سے نظر بد نہیں لگتی اور لگنے کے بعد دور بھی ہو جاتی ہے، اس کا دار و مدار دعا کرنے والے کی قوت ایمان، قوت نفس، استعداد اور توکل وغیرہ پر ہے، یہ بھی ایک طرح کا ہتھیار ہے اور ہتھیار کا اثر مارنے والے کی قوت پر موقوف ہے۔

اگر نظر لگانے والے کو نظر کا ڈر ہو تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلَیْهِ — اے اللہ اس پر برکت نازل فرما۔

"مَاشَاءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ" سے نظر دفع ہوتی ہے۔ حضرت عروہ جب کوئی چیز دیکھتے، اور انھیں بھلی معلوم ہوتی یا اپنے کسی باغ میں داخل ہوتے تو ماشاء اللہ پڑھتے۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ حضرت جبریل ذیل کی دُعا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منتر کے طور پر پڑھتے تھے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ یُؤْذِیْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَیْنِ حَاسِدٍ اَللّٰهُ یَشْفِیْكَ، بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ۔

اللہ کے نام سے آپ کی حفاظت کرتا ہوں ہر موذی چیز سے، ہر نفس یا حاسد کی نظر کے شر سے، اللہ آپ کو شفا دے، اللہ ہی کے نام کے ذریعہ آپ کی حفاظت کرتا ہوں۔

پھر مصنف نے ہر تکلیف کے علاج کے لئے خدائی دم یا رقیہ کو استعمال کرنے کا دستور نبوی ذکر کیا، اس سلسلہ میں ابو درداء کی مرفوع حدیث میں وارد ہے کہ جسے کوئی شکایت ہو وہ یہ دعا پڑھے:

رَبُّنَا اللّٰهُ الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقَدَّسَ اِسْمُكَ، اَمْرُكَ فِی السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ

اے ہمارے پروردگار جو آسمان میں ہے، تیرا نام پاک ہے، تیرا حکم آسمان و زمین میں ہے جس طرح تیری رحمت آسمان میں ہے، زمین بھی اپنی رحمت

رَحْمَتَكَ فِی الْاَرْضِ، اِغْفِرْلَنَا حُوْبَنَا وَخَطَایَانَا، اَنْتَ رَبُّ الطَّیِّبِیْنَ اَنْزِلْ رَحْمَۃً مِنْ رَحْمَتِکَ وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِکَ عَلٰی ھٰذِہِ الْوَجْعِ۔

نازل فرما، ہمارے گناہوں اور لغزشوں کو معاف فرما دے، تو پاک لوگوں کا پروردگار ہے، اپنی رحمت نازل فرما اور اس درد پر اپنی شفا نازل فرما۔

پھوڑے اور زخم کے علاج میں صحیحین میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان کو تکلیف ہو، پھوڑا یا زخم ہو تو شہادت کی انگلی زمین پر رکھے پھر اٹھائے اور یہ دُعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا یَشْفِیْ سَقِیْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا۔

اللہ کے نام سے یہ ہماری زمین مٹی کی ہے اور ہم میں سے ایک کا تھوک ہے، ہمارا بیمار ہمارے پروردگار کے حکم سے شفا دیا جائے۔

اس دعا میں ہر زمین کی مٹی مُراد ہے یا صرف ارض مدینہ کی؟ اس سلسلہ میں دو قول ہیں

۸۲۔ فصل

شدّت مُصیبت کے علاج کا مسنون طریقہ

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ:

وَبَشِّرِ الصَّابِرِیْنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اُولٰئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِنْ رَّبِّھِمْ وَرَحْمَۃٌ وَاُولٰئِکَ

اور بشارت دیجئے صبر کرنیوالوں کو جو مصیبت آنے پر کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اسی کیطرف لوٹیں گے، یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی عنایتیں اور رحمت ہے، اور یہی ہدایت

هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ (سورۂ بقرہ:۱۵۶-۱۵۷) پانے والے ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت ام سلمہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس کسی کو کوئی مصیبت پہونچے اور وہ انا اللہ وانا الیہ راجعون پڑھ کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاَخْلِفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔ اے اللہ میری مصیبت پر مجھے اجر دے اور جانے والی چیز کا اچھا بدل دے۔

تو اللہ تعالیٰ اسے اجر دے گا اور جو چیز جائے گی اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ یہ دعا دنیا وآخرت میں مصیبت زدہ کا سب سے مؤثر ونافع علاج ہے، اس میں دو ایسے اُصول موجود ہیں جن کو سمجھنے کے بعد مصیبت میں تسلی کا حصول ضروری ہے:

اول یہ کہ بندہ اور اس کا مال سب کچھ اللہ کی ملکیت ہے، اور یہ عاریت کے طور پر اس کے پاس ہے۔

دوم یہ کہ اللہ کی طرف لوٹنا اور دنیا کو چھوڑنا ضروری ہے، اور جب ابتداء وانتہاء یہ ہے تو پھر اسی کی فکر مصیبت کا سب سے بڑا علاج ہے۔

مصیبت کا ایک علاج یہ ہے کہ بندہ سوچے کہ جو مصیبت نازل ہوئی اس کا خطا کرنا اور جو خطا کر گئی اس کا نازل ہونا ممکن نہ تھا۔

یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ مصیبت پر صبر کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اجر وجزا ہے وہ یقیناً فوت شدہ چیز سے زیادہ ہے۔

بندہ کو چاہیئے کہ وہ دائیں بائیں کے دوسرے مصیبت زدگان کو بھی دیکھے، اسے ہر طرف آزمائش وحسرت کا ایک سلسلہ نظر آئے گا، دنیا کی مسرتیں خواب کی حیثیت رکھتی ہیں ان سے انسان تھوڑا ہنستا ہے تو بہت روتا ہے۔

بندہ کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ گھبراہٹ وبےچینی سے مصیبت میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوگا۔

یہ بھی سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے اور انا للہ پڑھنے پر جو وعدہ کیا ہے اس کا فوت ہو جانا خود مصیبت سے بڑی مصیبت ہے۔

اور یہ کہ مصیبت کے اظہار سے دشمنوں کو خوشی اور دوستوں کو تکلیف ہوگی، پھر اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوگا۔

اور یہ کہ صبر واحتساب کے بعد جو لذت ملے گی وہ فوت ہونے والی نعمت سے اگر وہ باقی رہ جائے، دوچند بڑھ ہوگی۔

بندہ کو یہ سوچ کر بھی تسلی حاصل کرنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضرور بدلہ دے گا اور نقصان کی تلافی کرے گا، کیوں کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز کا بدلہ موجود ہے۔

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ منفعت کا جو حصہ بندہ کے لئے مقدر تھا اسے مل گیا، اب اگر اس پر راضی ہو جائے تو اللہ بھی اس سے راضی ہوگا، اور اگر غصہ ہو تو اللہ بھی اس سے ناراض ہوگا۔ اور یہ کہ ہر چند انسان گھبرائے لیکن اسے تھک ہار کر صبر ہی کرنا ہوگا، مگر ایسی صورت میں نہ تو ثواب ملے گا نہ تعریف ہوگی۔

اور یہ کہ بیماریوں کا سب سے مفید علاج اللہ کی رضا کا ساتھ دینا ہے۔ محبت کی یہ خاصیت ہے کہ محبوب کی موافقت کا خیال رکھا جائے اور مخالفت نہ کی جائے۔

بندہ کو دونوں لذتوں کے مابین موازنہ بھی کرنا چاہیئے اور دیکھنا چاہئے کہ فوت ہونے والی چیز کا فائدہ بڑا تھا یا اس ثواب کا فائدہ بڑا ہوگا جو صبر پر اسے ملے گا۔

یہ بھی سوچنا چاہیئے کہ مصیبت کے ذریعہ آزمائش میں ڈالنے والا احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین ہے، وہ ہلاکت کے لئے کسی کو آزماتا نہیں، بلکہ ایمان کو جانچنا چاہتا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ بندہ اس کے سامنے عاجزی کرے اور اس کے در پہ پڑا رہے۔

اور یہ بھی کہ مصائب مہلک بیماریوں کو روکنے کا وسیلہ ہیں، مثلاً تکبر، خود پسندی

اور سخت دلی۔

یہ بھی سوچے کہ دنیا کی تلخی ہی آخرت کی حلاوت ہے، اگر یہ چیز واضح نہ ہو تو پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر غور کرے:

"جنت کو مکروہات سے گھیر دیا گیا ہے، اور جہنم کو شہوتوں سے سجا دیا گیا ہے"۔ اسی مقام پر مخلوقات کی عقل کا تفاوت ظاہر ہوتا ہے اور لوگوں کی حقیقت ظاہر ہو جاتی ہے۔

۸۳۔ فصل

رنج وغم کے علاج کا مسنون طریقہ

صحیحین میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بےچینی کے وقت میں یہ دعا پڑھتے تھے:

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْعَظِیْمُ الْحَلِیْمُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بہت بڑا اور بردبار ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو بڑے عرش کا مالک ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں جو آسمان وزمین کا اور باعزت عرش کا رب ہے۔

ترمذی میں حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:

یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ

اے زندہ، اے چیزوں کو تھامنے والے، میں تیری رحمت کے طفیل مدد مانگتا ہوں۔

اسی میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی کام کا غم لاحق

ہوتا تو آپ آسمان کی طرف سر اُٹھا کر یہ دُعا پڑھتے:

سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيمِ۔ — میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں جو بہت بڑا ہے۔

اور دُعا میں کوشش کے وقت فرماتے:

يَا حَيُّ يَا قَيُّومُ — اے زندہ، اے چیزوں کے تھامنے والے۔

امام ابوداؤد نے حضرت ابوبکر صدیق سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ تکلیف زدہ شخص کی یہ دعاء ہے:

اَللّٰهُمَّ رَحْمَتَكَ اَرْجُوْا، فَلَا تَكِلْنِيْ اِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ، وَاَصْلِحْ لِيْ شَاْنِيْ كُلَّهٗ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ۔ — اے اللہ، میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں، مجھے لمحہ بھر بھی میرے اوپر نہ چھوڑ، اور میرے تمام معاملات درست فرمادے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

ابوداؤد ہی میں اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھا دوں جنھیں تم تکلیف کے وقت کہا کرو:

اَللّٰهَ اَللّٰهَ رَبِّيْ، لَا اُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا — اللہ اللہ، جو میرا پروردگار ہے، میں کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتی۔

ایک روایت میں انھیں سات بار کہنے کا ذکر ہے۔

امام احمد نے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندہ کو کوئی رنج و غم لاحق ہو اور وہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ عَبْدُكَ، وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِيْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِيَّ حُكْمُكَ، عَدْلٌ فِيَّ قَضَاؤُكَ اَسْاَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ هُوَ لَكَ، — اے اللہ، میں تیرا بندہ، تیرے بندہ کا بیٹا اور تیری بندی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے ہاتھ میں ہے، تیرا حکم مجھ پر نافذ ہے، تیرا فیصلہ عادلانہ ہے، میں اس نام سے جسے تو نے اختیار کیا

سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِيْ كِتَابِكَ اَوْ عَلَّمْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَأْثَرْتَ بِهٖ فِيْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ رَبِيْعَ قَلْبِيْ وَنُوْرَ صَدْرِيْ وَجَلَاءَ حُزْنِيْ وَذَهَابَ هَمِّيْ ۔

اپنی کتاب میں اتارا یا کسی مخلوق کو سکھایا یا غیب میں اپنے لئے مخصوص کیا، تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کا مداوا اور میرے درد کا درماں بنا دے ۔

تو اللہ تعالیٰ اس کا رنج وغم دور فرما دے گا اور اس کی جگہ اسے فرحت عطا فرمائے گا۔

امام ترمذی نے حضرت سعد سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ حضرت ذوالنون نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا پڑھی تھی :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ ، اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِيْنَ ۔

تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بلا شبہہ میں اپنے اوپر ظلم کرنے والا ہوں ۔

اس دعا کو جو مسلمان بھی کسی مقصد کے لئے پڑھے گا اسے قبولیت ملے گی ۔

ایک روایت میں ہے کہ " میں ایک کلمہ جانتا ہوں جسے کوئی مصیبت زدہ جب کہے گا تو اس کی مصیبت دور ہو جائے گی، وہ میرے بھائی یونس کا کلمہ ہے ۔"

ابو داؤد میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو امامہ سے فرمایا کہ " میں تمہیں ایسی دعا نہ سکھا دوں کہ جسے تم پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا غم دُور فرما دے اور قرض ادا کرا دے ؟ انھوں نے کہا کہ ضرور یا رسول اللہ، آپؐ نے فرمایا کہ صبح وشام یہ دعا پڑھو ۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْهَمِّ وَ الْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسَلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ ، وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّيْنِ وَ قَهْرِ الرِّجَالِ

اے اللہ، میں رنج وغم، عاجزی وسستی، بزدلی وبخالت، قرض کے دباؤ، اور آدمیوں کے غلبہ سے تیری پناہ چاہتا ہوں ۔

ابوامامہ کا بیان ہے کہ میں نے یہ دعا پڑھی تو پھر اللہ نے میرا غم دور فرمادیا اور میرا قرض ادا فرمادیا۔

امام ابو داؤد نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو شخص برابر استغفار کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر رنج کو دور کر دے گا، تنگی سے نکال دے گا اور بے سان گمان رزق دے گا۔

سنن میں مذکور ہے کہ "جہاد کو لازم پکڑو، یہ جنت کا ایک دروازہ ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ طبیعتوں کے رنج وغم کو دور فرماتا ہے۔

مسند میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی معاملہ پیش آجاتا تو نماز کا سہارا لیتے، اور ابن عباس سے مرفوعاً مذکور ہے کہ جسے زیادہ رنج وغم ہو وہ برابر "لاحول ولا قوۃ الا باللہ" پڑھتا رہے۔

صحیحین میں مذکور ہے کہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

اور ان روحانی دواؤں میں پندرہ قسم کی دوائیں شامل ہیں، اگر ان سے رنج وغم دور نہ ہو سکے تو اس کا معنی ہے کہ بیماری جڑ پکڑ چکی ہے اور اس کے اسباب جاگزیں ہو گئے ہیں اور اب مکمل استفراغ کی ضرورت ہے۔

اول توحید ربوبیت

دوم توحید الوہیت

سوم توحید علمی

چہارم اللہ کو بندوں پر ظلم یا ان کی بلاوجہ گرفت سے پاک جاننا۔

پنجم بندہ کی طرف سے اپنے ظلم کا اعتراف۔

ششم اللہ کی محبوب ترین چیز کے ذریعہ اس تک پہونچنا، اور یہ درجہ اس کے اسمٔ

وصفات کو حاصل ہے، اور ان اسماء وصفات کے معانی کے بہترین جامع یہ دونوں نام ہیں اَلْحَیُّ، الْقَیُّوْمُ۔

ہفتم صرف اللہ کے ذریعہ مدد چاہنا۔

ہشتم آس وامید کے ذریعہ بندہ کا اللہ کے لئے اقرار۔

نہم اللہ پر باقاعدہ توکل اور ہر کام اس کے حوالہ کرنا اور اس کے لئے اعتراف کہ بندہ کی پیشانی اس کے ہاتھ میں ہے جس طرح چاہتا ہے اسے پھیرتا ہے، اس کا حکم بندہ کے حق میں جاری ہے اور اس کا فیصلہ عادلانہ ہے۔

دہم یہ کہ بندہ کا دل قرآنی باغ میں چرے، قرآن کو اپنے دل کے لئے بہار کی طرح سمجھے، شبہات وشہوات کی تاریکی میں اس کے ذریعہ روشنی حاصل کرے، فوت شدہ چیز کے حق میں اس سے تسلی حاصل کرے، ہر مصیبت کا سہارا سمجھے اور سینہ کی بیماریوں سے اس کے ذریعہ شفا حاصل کرے، تاکہ اس کے غم کا مداوا اور غم واندوہ سے شفا ہو سکے۔

یازدہم استغفار کرنا۔

دوازدہم توبہ کرنا۔

سیزدہم جہاد کرنا۔

چہاردہم نماز پڑھنا۔

پانزدہم قدرت وطاقت سے برأت اور انھیں اللہ کے حوالہ کرنا۔

۸۴۔ فصل

گھبراہٹ و بےخوابی کا علاج

امام ترمذی نے حضرت بریدہؓ سے روایت کیا ہے کہ حضرت خالد کو شکایت ہو گئی، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ، میں رات کو سو نہیں پاتا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ جب بستر پر جاؤ تو یہ دعا پڑھو:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظَلَّتْ وَرَبَّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقَلَّتْ وَرَبَّ الشَّیَاطِیْنِ وَمَا اَضَلَّتْ، کُنْ لِیْ جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِکَ کُلِّھِمْ جَمِیْعًا اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیَّ اَحَدٌ مِّنْھُمْ، اَوْ یَبْغِیْ عَلَیَّ اَحَدٌ، عَزَّ جَارُکَ وَجَلَّ ثَنَاؤُکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ۔	اے اللہ، ساتوں آسمان اور جس پر ان کا سایہ ہے اس کے پروردگار، ساتوں زمین اور جسے انھوں نے اٹھایا ہے اس کے پروردگار، اور شیاطین اور ان کے گمراہ کیے ہوئے کے پروردگار، تمام مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دے کہ ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم و زیادتی نہ کر سکے، تیرا پڑوسی غالب اور تیری تعریف بڑی ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

اسی میں عمرو بن شعیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراہٹ کے موقع پر انھیں یہ دعا سکھاتے تھے:

اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَعُوْذُبِکَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔	اللہ کے پورے کلمات کے ذریعہ میں پناہ چاہتا ہوں اس کے غضب سے، بندوں کے شر سے شیطانوں کے وسوسے سے اور اس بات سے کہ میرے پاس وہ آئیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو اپنے باشعور بچوں کو یہ دعا سکھاتے تھے، اور جو باشعور نہ ہوتا اس کو لکھ کر لٹکا دیتے تھے۔

حضرت عمرو بن شعیب کی مرفوع حدیث میں مذکور ہے کہ تم جب آگ دیکھو تو اللہ اکبر کہو، اس لئے کہ تکبیر اسے بجھا دے گی۔ چوں کہ آگ کا سبب شیطان ہوتا ہے، اور وہ اسی سے پیدا ہوا ہے اور اسی سے اس کا خمیر ہے، اس لئے آگ سے شیطان کو مدد ملتی ہے۔ اور آگ طبعاً بلندی اور فساد کو چاہتی ہے، اور یہ دونوں اوصاف شیطان کی عادت ہیں، انھیں کی طرف وہ دعوت دیتا ہے، اور انھیں سے انسان ہلاک ہوتا ہے، آگ اور شیطان دونوں زمین میں بلندی اور فساد کے طالب ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی شیطان کو دباتی ہے، لہٰذا جب مسلمان اللہ اکبر کہتا ہے تو آگ بجھ جاتی ہے۔ ہم نے اور دوسروں نے اس کا تجربہ کیا ہے اور ایسا ہی پایا ہے۔

۸۵۔ فصل

حفظانِ صحت اور سنت نبوی

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ کھاؤ اور پیو اور اسراف نہ کرو۔

(سورۂ اعراف ۔ ۳۰)

اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے رہنمائی فرمائی ہے کہ بدن میں تحلیل ہونے والے اجزاء کے مقابل کھانا اور پانی داخل کرنا چاہیئے، اور اتنی مقدار میں جس سے بدن کا فائدہ ہو، اگر اس سے تجاوز ہوگا تو یہ اسراف ہوگا، اور جس طرح کھانا پانی چھوڑنا جسم کے لئے

مضر ہے اسی طرح ان کی زیادتی بھی مضر ہے۔ اس طرح ہم دیکھ سکتے ہیں کہ حفظان صحت کے پورے اصول ان دو کلمات میں سمٹ گئے ہیں۔

اور چونکہ صحت وسلامتی بندہ پر اللہ کی سب سے بڑی نعمتوں اور بے پایاں عطایا میں سے ہے، بلکہ مطلقاً سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے جسے توفیق ملے اس کی حفاظت وقدر کرنی چاہیئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "دو نعمتیں بہتوں کے حق میں قابل رشک ہیں ایک صحت اور دوسرے فارغ البالی"۔ امام ترمذی وغیرہ نے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ جو شخص جسمانی طور پر عافیت میں ہو اور گھر مامون ہو، روزی موجود ہو تو گویا اس کو پوری دنیا حاصل ہے۔

اسی میں مرفوعاً ذکر ہے کہ "قیامت کے دن بندہ سے پہلا سوال نعمتوں کے بارے میں ہوگا، اس سے کہا جائیگا کہ کیا ہم نے تمہیں جسمانی صحت نہیں دی تھی، اور ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟

اسی وجہ سے اسلاف میں سے بعض نے آیت کریمہ:

ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ۔ پھر اُس دن تم سے نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔
(سورۃ تکاثر — ۸)

میں نعمت کی تفسیر صحت سے کی ہے۔

امام احمد نے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ: اللہ سے یقین اور عافیت طلب کرو، کیوں کہ یقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں۔ اس طرح دین و دنیا دونوں میں عافیت ملجائے گی، اور دونوں جگہ یقین و عافیت کے بغیر بندہ کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ یقین کے ذریعہ آخرت کا عذاب دُور ہوتا ہے اور عافیت کے ذریعہ دنیا میں قلبی وجسمانی امراض سے نجات ملتی ہے۔

سنن نسائی میں مرفوعاً ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے عافیت اور معافی طلب کرو، کیوں

کہ کسی کو یقین کے بعد عافیت سے بہتر کوئی چیز نہیں دی گئی ہے۔ دعا میں جو تین الفاظ مذکور ہیں ان میں عفو کے ذریعہ گذری ہوئی برائیوں کا ازالہ ہو جائے گا اور عافیت کے ذریعہ موجودہ برائیوں کا اور معافاۃ کے ذریعہ آئندہ برائیوں کا۔

کھانے کے سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم صرف کسی ایک قسم کے پابند نہ تھے، کیونکہ اس سے نقصان ہوتا ہے، خواہ وہ سب سے بہتر کھانا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ آپؐ اپنے ملک کی عادت کے مطابق گوشت، پھل، روٹی اور کھجور وغیرہ تناول فرماتے تھے۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے کو بُرا نہیں کہا، اگر آپؐ کو خواہش ہوتی تو کھاتے ورنہ چھوڑ دیتے، کیوں کہ اگر آدمی کوئی ایسی چیز کھائے جس کی خواہش نہ ہو تو اس سے فائدہ سے زیادہ نقصان ہوتا ہے۔

آپؐ کو گوشت پسند تھا اور گوشت میں دست کا حصہ اور بکری کے اگلے حصہ کا گوشت کیوں کہ یہ ہلکا اور زود ہضم ہوتا ہے۔

آپؐ کو میٹھا اور شہد بھی پسند تھا، اور یہ دونوں چیزیں گوشت کو شامل کر کے، بدن جگر اور دیگر اعضا کے لیئے بہترین غذا کا حکم رکھتی ہیں۔

آپؐ جو پھل ملک میں ہوتا اسے کھاتے تھے اور اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ اور ایسا کرنا تحفظ صحت کا سبب ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ملک میں وہی پھل پیدا کیئے ہیں جن سے وہاں کے لوگوں کو فائدہ ہو، اس لیئے وہاں کے پھل کو کھانے سے صحت کا فائدہ یقینی ہے، عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ کسی جگہ کا کوئی شخص اگر وہاں کے پھل سے پرہیز کرتا ہے تو ہمیشہ بیمار ہی رہتا ہے۔

صحیح حدیث میں آپؐ نے فرمایا کہ "میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا"، مزید فرمایا کہ "جس طرح بندہ بیٹھتا ہے اسی طرح میں بھی بیٹھتا ہوں اور جیسے کھاتا ہے، کھاتا ہوں۔ اس کی تفسیر

میں چہار زانو بیٹھنے، ٹیک لگانے اور پہلو پر ٹیکنے کا ذکر کیا گیا ہے، اور تینوں طرح کی ٹیک مضر ہے۔

آپؐ تین انگلیوں سے کھاتے تھے، اور یہ سب سے نفع بخش طریقہ ہے۔

آپؐ شہد میں ٹھنڈا پانی ملا کر پیتے تھے، یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے کھڑے ہو کر پینے والے کو قے کرنے کا حکم فرمایا، اور یہ بھی ثابت ہے کہ ضرورت کے وقت آپؐ نے کھڑے ہو کر پانی پیا۔

پانی پینے کے دوران آپؐ تین مرتبہ سانس لیتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس سے سیرابی ہوتی ہے اور پانی خوشگوار ہو جاتا ہے، اور اس سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔

امام ترمذی نے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اونٹ کی طرح ایک سانس میں پانی نہ پیو، لیکن دو بار میں پیو، اور پینے کے وقت بسم اللہ پڑھ لو، اور پینے کے بعد الحمد للہ کہو۔"

صحیح میں مذکور ہے کہ آپؐ نے فرمایا "برتن کو ڈھک دو، پینے کے برتن کا منہ بند کر دو، کیوں کہ سال میں ایک رات ایسی ہوتی ہے جس میں وباء نازل ہوتی ہے اور اس کا گذر جب ایسے برتن پر ہوتا ہے جس پر ڈھکن یا روک نہ ہو تو اس میں چلی جاتی ہے۔ حدیث کے ایک راوی لیث بن سعد کا بیان ہے کہ عجمی لوگ ہمارے یہاں دسمبر کی پہلی رات کو وہ رات سمجھ کر اس سے بچتے ہیں۔

برتن کو ڈھکنے سے متعلق آپؐ سے یہ بھی مروی ہے کہ اگر کچھ نہ ملے تو برتن پر ایک لکڑی رکھ لی جائے۔ برتن کو ڈھانکنے یا منہ بند کرتے ہوئے اللہ کا ذکر کرنے کا بھی حکم ہے۔

آپؐ نے کھڑے ہو کر منہ لگا کر پینے، برتن میں سانس لینے اور اس میں پھونکنے سے منع فرمایا ہے، پیالہ کے سوراخ سے بھی پینے کی ممانعت ہے۔

آپؐ کو خوشبو پسند تھی، اور اسے آپؐ ملنے پر واپس نہیں لوٹاتے تھے، اور فرماتے تھے کہ جسے ریحان پیش کیا جائے وہ اسے واپس نہ کیا جائے کیوں کہ اس کی خوشبو اچھی اور اٹھانے میں ہلکی ہے۔ ابو داؤد اور نسائی میں ریحان کے بجائے طیب (خوشبو) کا لفظ ہے۔

مسند بزار میں آپؐ سے مروی ہے کہ "بیشک اللہ تعالیٰ پاکیزہ ہے اور پاکیزہ کو پسند کرتا ہے، ستھرا ہے اور ستھرے کو پسند کرتا ہے، کریم ہے اور کرم کو پسند کرتا ہے، سخی ہے اور سخاوت کو پسند کرتا ہے، لہٰذا اپنے صحن اور گھروں کو صاف ستھرا رکھو اور یہود جیسے نہ بنو، وہ کوڑا اپنے گھروں میں جمع رکھتے ہیں۔

خوشبو میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ اسے فرشتے پسند کرتے ہیں اور شیاطین اس سے نفرت کرتے ہیں، اسی لئے پاکیزہ ارواح بھی خوشبو کو پسند کرتی ہیں، اور خبیث ارواح بدبو کو پسند کرتی ہیں، ہر روح کو اپنے مناسب چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

"پلید عورتیں پلید مردوں کے لئے، اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کیلئے ہیں۔"

اس آیت میں اگرچہ تذکرہ مردوں اور عورتوں کا ہے لیکن یہ اصول تمام اعمال و اقوال کھانے، پینے، پہننے اوڑھنے اور سونگھنے کی چیزوں پر لاگو ہے، خواہ لفظ کو عام مان کر یا معنی میں وسعت دے کر۔

۸۶۔ فصل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور احکام کے بیان میں

یہاں پر عام قوانین نبوی کا ذکر مقصود نہیں، بلکہ صرف وہ جزوی احکام ذکر کئے جائیں گے جن کے ذریعہ آپؐ نے در پیش مسائل کو حل فرمایا اور فریقین کے بیچ فیصلہ دیا، کچھ کلی احکام کا ذکر بھی ہم کریں گے۔

آپؐ سے تہمت میں قید کرنا ثابت ہے۔

عمرو بن شعیب نے اپنے والد و دادا کے توسط سے جو روایت بیان کی ہے اس میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے اپنے غلام کو جان بوجھ کر قتل کر دیا، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سو کوڑے لگائے، ایک سال جلا وطن کیا اور ایک غلام آزاد کرنے کا حکم فرمایا، لیکن قصاص نہیں لیا۔

امام احمد نے حضرت سمرہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جو اپنے غلام کو قتل کرے گا اسے ہم قتل کریں گے۔ اگر یہ حدیث محفوظ مان لی جائے تو یہ کہا جائے گا کہ امام بطور تعزیر بوقت مصلحت ایسا کر سکتا ہے۔

ایک شخص کو آپؐ نے یہ حکم فرمایا کہ وہ اپنے قرضدار کو لازم پکڑے رہے، جیسا کہ ابو داؤد نے ذکر کیا ہے۔

ابو عبید نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کے قتل اور باندھنے والے کے باندھنے کا حکم فرمایا ہے، یعنی اسے موت تک روکے رکھے۔ عبد الرزاق نے مصنف میں حضرت علی سے نقل کیا ہے کہ بخیل کو تا موت قید میں رکھا جائے گا۔

آپؐ نے قبیلہ عرینہ والوں کو قصاص میں یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ پیر کاٹ دیئے اور آنکھوں میں سلائی ڈالی، کیوں کہ انھوں نے چرواہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا، پھر انھیں چھوڑ دیا گیا اور بھوک پیاس سے مر گئے۔

صحیح مسلم میں مذکور ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ اس نے اس کے بھائی کو قتل کیا ہے، مدعا علیہ نے اعتراف کیا، آپؐ نے فرمایا کہ اپنے ساتھی کو پکڑو، پھر جب وہ روانہ ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر اسے قتل کر دیا تو یہ بھی اسی کے مثل ہو جائے گا، پھر وہ شخص لوٹا اور کہا کہ میں نے آپؐ کے حکم سے اسے پکڑا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ وہ تمہارے اور تمہارے ساتھ کے گناہ کا ذمہ دار ہو؟ اس نے کہا کہ کیوں نہیں؟ پھر اسے چھوڑ دیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ یہ اسی کے مثل ہوگا، اس کی تشریح دو طرح سے کی گئی ہے۔ ایک یہ کہ قاتل سے جب قصاص لے لیا جائیگا تو وہ اور قصاص لینے والا دونوں ایک طرح کے ہو جائیں گے، آپؐ کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قصاص لینے والا قتل سے پہلے قاتل کی حیثیت جیسا ہو جائے گا، بلکہ آپؐ نے یہ شرط لگائی کہ اگر قتل کرے تو اس جیسا ہوگا، اس سے قتل کے بعد مماثلت لازم آتی ہے، اور اس طرح حدیث میں کوئی اشکال نہیں رہتا، بلکہ اس میں تعریض یہ ہے کہ حق والے کو قصاص چھوڑ کر معاف کر دینا چاہیئے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اگر اس نے قتل کا ارادہ کئے بغیر قتل کر دیا تو ایسی صورت میں بھی تعدی میں دونوں یکساں ہوں گے۔ قاتل تو اپنے جرم کے سبب تعدی کا مرتکب ہوگا، اور انتقام لینے والا اس لئے تعدی کا مرتکب ہوگا کہ اس نے دانستہ قتل نہ کرنے والے کو قتل کر دیا، اس توجیہ پر امام احمد کی وہ حدیث دلالت کرتے ہیں جسے ابوہریرہؓ سے انھوں نے مرفوعاً روایت کیا ہے، اس میں وارد ہے کہ "یا رسول اللہ میں نے اس کو قتل

کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ولی سے فرمایا کہ اگر وہ سچا ہے اور پھر تم نے اسے قتل کر دیا تو تم جہنم میں داخل ہو گے۔ یہ سن کر ولی نے قاتل کو چھوڑ دیا۔"

یہودی جس نے لونڈی کا سر دو پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا تھا، اس کے بارے میں آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ اسی طرح اس کا سر بھی کچلا جائے۔

اس سے یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کیا جائے گا، مجرم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے گا جو اس نے جرم میں کیا ہے، دھوکہ کے قتل میں ولی کی اجازت کی شرط نہیں ہے، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاتل کو لونڈی کے اولیائ کے حوالہ نہیں کیا اور یہ نہیں فرمایا کہ "تم اگر چاہو تو اسے قتل کرو اور اگر چاہو تو معاف کر دو" بلکہ آپؐ نے لازمی طور پر اسے قتل کر دیا، یہی امام مالک کا مذہب ہے اور اسی کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اختیار کیا ہے۔ اور یہ کہنا کہ آپؐ نے عہد شکنی کے سبب ایسا کیا تھا، صحیح نہیں ہے، کیوں کہ عہد شکن کا سر پتھر سے کچلا نہیں جاتا بلکہ اسے تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔

ایک عورت نے دوسری عورت کو پتھر مار کر ہلاک کر دیا تھا، اور اس کے پیٹ کا بچہ بھی مر گیا تھا، آپؐ نے اس کے بارے میں یہ فیصلہ فرمایا کہ جنین کے عوض ایک غلام یا لونڈی ادا کی جائے گی، اور مقتولہ کی دیت قاتلہ کے عصبہ ادا کریں گے، یہ فیصلہ صحیحین میں مذکور ہے۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ایک عورت کے شکم کے بچّہ کے بدلہ میں ایک غلام یا لونڈی کا فیصلہ فرمایا، پھر جس عورت کے خلاف آپؐ نے فیصلہ فرمایا تھا وہ وفات پا گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ اس کی میراث اس کے بیٹوں اور شوہر کو ملے گی اور دیت کی ادائیگی عصبہ پر ہو گی۔ اس فیصلہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شبہ عمد کے قتل میں قصاص

نہیں، اور عصبہ کو دیت میں غلام یا لونڈی ادا کرنا پڑے گا۔ اور قاتلہ کا شوہر ان کے ساتھ شمار نہ ہوگا، نہ اولاد پر کوئی ذمہ داری دیت کی ہوگی۔

اور باپ کی بیوی سے شادی کرنے والے کے بارے میں آپؐ نے قتل کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس کا مال ضبط کر لیا، امام احمد کا یہی مذہب ہے اور یہی صحیح ہے، بقیہ تینوں ائمہ نے کہا ہے کہ ایسے آدمی پر زنا کی حد لاگو ہوگی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ زیادہ برحق اور لائق اتباع ہے۔

جو آدمی کسی کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور گھر والا کنکری یا لکڑی سے مار کر جھانکنے والے کی آنکھ پھوڑ دے تو اس کے بارے میں آپؐ کا فیصلہ ہے کہ آنکھ پھوڑنے والے پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا بھلا کہنے پر ایک لونڈی کو اس کے آقا نے قتل کر دیا تو آپؐ نے اس کا خون رائگاں قرار دیا۔ اسی طرح یہودیوں کی ایک جماعت کو آپؐ نے بُرا بھلا کہنے اور تکلیف پہونچانے کے جُرم میں قتل کرا دیا۔ حضرت ابوبکر نے ابو برزہ سے برا بھلا کہنے والے کے قتل کا ارادہ کرنے پر فرمایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو اس کا حق حاصل نہیں ہے"۔ اس سے متعلق دس سے زیادہ صحیح، حسن اور مشہور حدیثیں مروی ہیں۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے کہ "جو مسلمان اللہ کو یا کسی نبی کو بُرا بھلا کہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہا ہے، یہ ارتداد ہے اس پر توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر اس نے توبہ کی تو اسے قتل کر دیا جائیگا"۔

صحیحین میں مذکور ہے کہ آپؐ نے زہر دینے والے کو معاف فرما دیا تھا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ یہودیوں میں سے جس نے آپؐ پر سحر کیا اسے آپؐ نے قتل نہیں کیا۔ اور حضرت عمر، حضرت حفصہ اور حضرت جندب سے جادوگر کا قتل ثابت ہے۔

قیدیوں کے بارے میں ثابت ہے کہ بعض کو آپؐ نے قتل کر دیا، اور بعض کو فدیہ کے عوض چھوڑ دیا اور بعض کو بلا عوض آزاد کر دیا اور بعض کو غلام بنا لیا، لیکن یہ ثابت نہیں کہ آپؐ نے کسی بالغ کو غلام بنایا ہو۔ اور یہ احکام منسوخ نہیں ہوئے ہیں بلکہ مصلحت کے لحاظ سے ان میں امام کو اختیار ہے۔

یہودیوں کے متعلق آپؐ کے متعدد فیصلے مذکور ہیں، مدینہ تشریف لانے کے بعد آپؐ نے پہلے ان سے معاہدہ کیا، پھر بنو قینقاع نے آپؐ سے جنگ کی ٹھانی تو اُن پر کامیابی کے بعد آپؐ نے احسان کیا، پھر بنو نضیر نے بھی ایسا ہی کیا تو آپؐ نے انھیں جلاوطن کر دیا۔ پھر قریظہ نے جنگ کی ٹھانی تو آپؐ نے انھیں قتل کر دیا، پھر خیبر کے یہودی آمادۂ جنگ ہوئے تو آپؐ کو ان پر فتح حاصل ہوئی۔

۸۷۔ فصل

غنیمتوں کی تقسیم سے متعلق آپؐ کا فیصلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ شہسوار کو تین حصے اور پیدل کو ایک حصہ ملے گا، اور یہ کہ مقتولوں کے جسم کا سامان قاتل کا ہوگا۔ حضرت طلحہ اور سعید بن زید بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے لیکن آپؐ نے ان کا حصہ لگایا، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ ہمارا اجر، آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا اجر بھی ملے گا۔ اس پر بھی سب کا اتفاق ہے کہ حضرت عثمان اپنی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگہداشت کے سبب پیچھے رہ گئے تھے لیکن آپؐ نے ان کا بھی حصہ لگایا، انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ میرا اجر؟ آپؐ نے فرمایا کہ تمہارا اجر بھی ملے گا۔ ابن حبیب کا قول ہے کہ یہ فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا، علماء کا

اتفاق ہے کہ میدان جنگ سے غیر حاضر شخص کا حصہ نہیں لگے گا۔

میں کہتا ہوں کہ "امام احمد، مالک اور متقدمین و متاخرین علماء کی ایک جماعت کا قول ہے کہ فوج کی مصلحت کے لئے امام جب کسی کو بھیجے گا تو اسے حصہ ملے گا۔ آپ نے مقتول کے جسم سے حاصل ہونے والے مال سے خمس نہیں لیا بلکہ اسے اصل غنیمت سے قرار دیا اور ایک آدمی کی شہادت پر اس کا فیصلہ فرما دیا۔

آپؐ کے پاس اس وقت کے بادشاہ ہدیہ بھیجتے تھے جنھیں آپؐ قبول فرما لیتے تھ اور صحابہ میں تقسیم فرما دیتے تھے، ابوسفیان نے بھی آپؐ کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تھا جسے آپؐ نے قبول فرما لیا۔

ابو عبید نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے ابو عامر کا ہدیہ واپس لوٹا دیا تھا اور فرمایا کہ ہم مشرکوں کا ہدیہ قبول نہیں کرتے ہیں۔ اُن کا قول ہے کہ ابوسفیان کا ہدیہ آپؐ نے اس لئے قبول فرما لیا تھا کہ یہ وقت آپؐ کے اور اہل مکہ کے مابین صلح کا تھا۔ یہی حال مقوقس کا بھی تھا کیوں کہ اس نے آپؐ کے قاصد حاطب کی تکریم کی تھی، آپؐ کی نبوت کا اقرار کیا تھا اور آپؐ کو اپنے اسلام سے مایوس نہیں کیا تھا۔ لیکن آپؐ نے کسی ایسے مشرک کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا جو محارب یعنی آمادۂ جنگ ہو۔ امام سحنون کا قول ہے کہ اگر رومی حاکم امام کو ہدیہ دے تو اس کے قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، یہ امام کے لئے خاص ہوگا۔ امام اوزاعی کا قول ہے کہ یہ ہدیہ مسلمانوں کا ہوگا اور بیت المال ہی سے اسے جواب میں ہدیہ دیا جائے گا۔ امام احمد کا قول ہے کہ اس کا حکم غنیمت کا حکم ہوگا۔

۸۸۔ فصل

مال کی تقسیم کا بیان

مال کی تین قسمیں ہیں، زکوٰۃ، غنیمت اور فئی۔

زکوٰۃ اور غنیمت کا حکم پہلے گذر چکا ہے اور ہم یہ بتا چکے ہیں کہ زکوٰۃ کے آٹھوں مصارف کا آپؐ نے استیعاب نہیں کیا کہ ہر صنف کو اس سے دیں، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ صرف ایک ہی صنف کو آپؐ نے دیدیا۔

رہا فئی کا مال تو حنین کے دن آپؐ نے اس سے مولفۃ القلوب (وہ لوگ جن کی دلبستگی مطلوب ہو) کو دیا اور انصار کو کچھ نہیں دیا، اس پر یہ لوگ ناراض ہوئے تو آپؐ نے ان سے فرمایا کہ "کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ بکری اور اونٹ لیکر جائیں اور تم اپنے خیموں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر جاؤ"؟ بخدا تم جس چیز کو لے کر لوٹو گے وہ ان کی چیز سے بہتر ہے۔ حضرت علی نے یمن سے آپؐ کے پاس سونا بھیجا تو آپؐ نے اسے چار افراد کے مابین تقسیم کر دیا۔

سنن میں مذکور ہے کہ آپؐ نے قرابتداروں کا حصہ بنی مطلب اور بنی ہاشم کو دیا، اور بنی نوفل وعبد شمس کو چھوڑ دیا اور فرمایا "ہم اور بنی مطلب جاہلیت یا اسلام کے عہد میں جدا نہیں ہوئے، ہم اور دونوں ایک ہیں"، یہ فرماتے ہوئے آپؐ نے دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو ایک ساتھ کر لیا۔ آپؐ نے اس مال کو اغنیاء و فقراء کے درمیان برابر تقسیم نہیں کیا، اور نہ ہی میراث کی طرح مرد کو عورت کا دگنا دیا، بلکہ مصلحت کے لحاظ سے اور ضرورت ملحوظ فرما کر لوگوں کو دیا، اس مال سے آپؐ نے غیر شادی شدہ کی شادی کرائی، قرضدار کا قرض ادا کیا اور فقیروں کی ضرورت پوری فرمائی۔ آپؐ کی سنت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خمس کے مصارف کو آپؐ

زکوٰۃ کے مصارف کی طرح رکھتے تھے، اور مذکورہ اصناف کے علاوہ وہ مال کسی اور جگہ صرف نہیں کرتے تھے، نہ اسے میراث کی طرح تقسیم فرماتے تھے، آپؐ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے اس سلسلہ میں کسی طرح کا شک نہیں کر سکتے۔

فقہاء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ فئی کا مال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت اور آزادانہ تصرف کا محل تھا یا آپؐ کی ملک نہ تھا؟ امام احمد وغیرہ کے مذہب میں اس بارے میں دو قول ہیں۔

آپؐ کی سنت اور اسوہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مال میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپؐ تصرف فرماتے تھے اور جنھیں دینے کا حکم ملتا تھا انھیں کو دیتے تھے، آپؐ کے ارادہ اور مشیت کا اس میں دخل نہیں تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ اختیار دیا تھا کہ آپؐ رسالت کے ساتھ بندگی کو پسند کرتے ہیں یا بادشاہی کو، تو آپؐ نے بندگی کو پسند فرمایا تھا۔ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ بندگی والا رسول اپنے مالک اور مرسِل کے حکم سے تصرف کرتا ہے اور بادشاہی والا رسول اپنی خواہش سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے نہیں دیتا، جیساکہ قرآن میں بادشاہی والے رسول سلیمان علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (سورۂ ص۔ ۳۹)

یہ ہمارا عطیہ ہے، آپ جسے چاہئے دیجئے اور جسے چاہئے نہ دیجئے، ہم حساب نہ لیں گے۔

یہی مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش کیا گیا تھا، لیکن اسے چھوڑ کر آپؐ نے اس سے بلند مرتبہ یعنی عبودیت محضہ والا مرتبہ اختیار فرمایا اور یہ کہا کہ "میں بخدا کسی کو نہ دوں گا، نہ روکوں گا، میں صرف تقسیم کرنے والا ہوں، اسی کو دیتا ہوں جس کو دینے کا حکم ملتا ہے۔ اسی بناء پر آپؐ اس مال سے اپنا اور اپنے اہل وعیال کا ایک سال کا خرچ لیتے تھے اور باقی مال سے اسلحہ اور دوسری جنگی ضرورتیں پوری کرتے تھے، مال کی اسی قسم میں آپؐ کے بعد تنازع

پیدا ہوئی اور وہ آج تک قائم ہے۔

اس کے علاوہ زکوٰۃ، غنیمت اور میراث کی تقسیم کے مصارف متعین ہیں، ان میں سے کسی اور کی شرکت نہیں ہو سکتی، اسی وجہ سے آپؐ کے بعد احکام کو ان اموال کی تقسیم میں فیٔ والی مشکل پیش نہیں آئی اور نہ ان کے بارے میں کوئی نزاع پیدا ہوئی۔ فیٔ کی تقسیم میں اشکال ہی کی وجہ سے حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؐ کے ترکہ سے اپنی میراث کا مطالبہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً ۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ الخ

(سورۂ حشر — آیت ۔ ۸)

جو کچھ اللہ نے بغیر لڑائی ان بستیوں کے رہنے والوں سے اپنے رسول کو عطا کیا ہے وہ اللہ کا اس کے رسول کا قرابتداروں کا، یتیموں کا، مسکینوں کا اور غریب مسافروں کا حق ہے، تاکہ یہ مال تم میں سے مالداروں ہی کے درمیان دائر و سائر رہے، اور جو کچھ رسول اللہ تم کو دیویں وہ قبول کیا کرو اور جس سے روکیں اس سے رک جایا کرو الخ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مال اس نے دیا اس کا مصرف آیات میں مذکورہ لوگ ہیں، اور اس کا خمس مذکورہ لوگوں کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام و مطلق ہے اور ساتھ ہی استیعاب بھی ہے، لہٰذا یہ مال مصارف خاصہ یعنی خمس والوں پر اور مصارف عامہ یعنی مہاجرین و انصار اور بعد کے لوگوں پر صرف کیا جائیگا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خلفاء کا عمل ہی ان آیات سے مراد ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر بن خطاب نے، امام احمد کی روایت کے مطابق فرمایا تھا کہ:

"ہم میں سے کوئی اس مال کا زیادہ مستحق نہیں ہے، نہ میں زیادہ مستحق

ہوں، مملوک غلام کو چھوڑ کر تمام مسلمانوں کا اس میں حصہ ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہمارا مرتبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہماری تقسیم متعین ہے، اسلام میں آدمی کی بہادری کا اعتبار ہوگا، اس کی قدامت کا اعتبار ہوگا، اس کی منفعت کا اعتبار ہوگا اور اس کی ضرورت کا اعتبار ہوگا، بخدا اگر میں باقی رہا تو صنعاء کی پہاڑی میں رہنے والے چرواہے کو اس مال میں اس کا حصہ ملے گا۔"

فیٔ کی آیت میں جن لوگوں کا نام لیا گیا ہے انھیں کا خمس کی آیت میں بھی نام لیا گیا ہے، اور خمس کی آیت میں مہاجرین وانصار اور ان کے اتباع کا دخل نہیں، کیوں کہ وہ فیٔ کے مستحق بتائے گئے ہیں، اور خمس والوں کو دو حق ملا ہے، ایک خمس کا خاص حق اور دوسرا فیٔ کا عام حق، یہ لوگ دونوں حصوں میں داخل ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فیٔ کو جن لوگوں کے درمیان تقسیم کیا اس میں ضرورت، نفع، کوشش، بہادری وغیرہ کا بھی خیال رکھا، اسی طرح خمس کو اس کے مستحقین میں تقسیم کرتے ہوئے بھی لحاظ رکھا جائے گا کیوں کہ کتاب اللہ میں دونوں کا مخرج ایک ہی ہے، خمس اس کے مستحقین کے سوا کسی کو نہیں دیا جائے گا اور اسی طرح فیٔ بھی صرف مستحقین کو ملے گا۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خمس کے مستحقین ہی کو فیٔ کا مستحق بتایا ہے اور ان کی شان پر توجہ اور انھیں مقدم رکھنے کے لئے ان کی تعین فرمائی ہے، اور چونکہ غنیمت اس کے مستحقین کے ساتھ خاص ہے اور دوسرے اس میں شریک نہیں ہو سکتے اس لئے اس کے خمس کو خمس والوں کے ساتھ خاص کیا، اور فیٔ چونکہ خاص نہیں ہے اس لئے اسے ان مستحقین کے ساتھ ساتھ مہاجرین وانصار اور ان کے اتباع کے لئے بھی قرار دیا، اس طرح خمس اور فیٔ کے مصرف میں برابری ہوگئی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور اپنا حصہ اسلام کی مصلحتوں

یں خرچ کرتے تھے، اور خمس کے پانچ حصوں میں چار حصے اس کے مستحقین میں اہمیت و ضرورت کے لحاظ سے تقسیم فرماتے تھے۔

۸۹۔ فصل

دشمن کیساتھ معاہدہ کے ایفاء، قاصدوں کو قتل یا قید نہ کرنے اور غداری کے اندیشہ کے بعد معاہدہ ختم کرنے سے متعلق آپ کا حکم

حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے مسیلمہ کے دونوں قاصدوں سے جب کہ انھوں نے مسیلمہ کے رسول اللہ ہونے کا اقرار کیا یہ فرمایا تھا کہ "اگر قاصدوں کو قتل نہ کرنے کا دستور نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کر دیتا۔"

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ابو رافع سے جنھیں قریش نے آپؐ کے پاس بھیجا تھا اور وہ واپس نہیں جانا چاہتے تھے، یہ فرمایا تھا کہ:

> "میں بدعہدی نہیں کر سکتا، نہ قاصدوں کو روک سکتا، تم اپنی قوم کے پاس لوٹ جاؤ، پھر اگر تمہارے جی میں اسلام سے موجودہ رغبت باقی رہے تو آجاؤ۔"

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ابو جندل صحابی کو کفار کی طرف واپس لوٹا دیا تھا لیکن عورتوں کو واپس نہیں لوٹایا۔ چنانچہ سُبَیعہ اسلمیہ آپؐ کے پاس آئیں تو ان کا شوہر اسے ڈھونڈھتا ہوا پہونچا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَآيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوهُنَّ

مسلمانو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں تو ان کو جانچو، اللہ ان کے ایمان

اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِہِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْھُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْھُنَّ اِلَی الْکُفَّارِ ؕ

کو خوب جانتا ہے، اگر تم انھیں مومن پاؤ تو پھر کافروں کے ساتھ انھیں نہ لوٹاؤ۔

(سورۂ ممتحنہ ۔ آیت ۱۰)

اس پر آپؐ نے ان سے حلف لیا اور یہ وضاحت مانگی کہ وہ صرف اسلام سے محبت کی بنا پر آئی ہیں اور اپنی قوم میں کسی جُرم وغیرہ کے سبب یا شوہر سے نفرت کے سبب تو نہیں آئی ہیں، انھوں نے جب ان باتوں پر قسم کھالی تو آپؐ نے ان کے شوہر کو مہر کی رقم دیدی اور سبیعہ کو واپس نہیں لوٹایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ :

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ اِلَیْہِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ۔ (سورۂ انفال ۔ ۵۹)

اور اگر آپ کو کسی قوم سے خیانت کا ڈر ہو تو ان کو برابری کی صورت میں نقض عہد کی اطلاع دیجیے بیشک اللہ خیانت کرنیوالوں کو پسند نہیں فرماتا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو اس کی کوئی گرہ نہ کھولے نہ بند کرے اور مدت پوری کرے یا خبر کر کے برابری کی صورت میں معاہدہ ختم کر دے، اسے امام ترمذی نے صحیح کہا ہے۔

آپؐ سے یہ فرمانا بھی ثابت ہے کہ مسلمانوں کی جان برابر ہے، ان کے ذمہ کی نگہداشت معمولی انسان بھی کرے گا۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ان دونوں آدمیوں کی پناہ برقرار رکھی جنھیں آپؐ کی چچا زاد بہن ام ہانی نے پناہ دیدی تھی۔ اسی طرح آپؐ نے اپنی بیٹی حضرت زینب کی پناہ کو ابوالعاص کے حق میں برقرار رکھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کا ادنیٰ آدمی پناہ دے سکتا ہے اور دوسری حدیث میں یہ اضافہ ہے کہ "اور دُور والا ان کا شریک ہوگا"۔

یہ کل چار مسئلے ہیں، ایک میں یہ ذکر ہے کہ مسلمان دوسروں کے خلاف بالکل متحد ہیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کافروں کو کسی طرح کا منصب وغیرہ نہیں دیا جا سکتا۔

"یرد علیھم اقصاھم" سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی ٹولی جب اسلامی فوج کی قوت سے غنیمت حاصل کریگی تو یہ غنیمت اسے اور دور افتادہ فوج کو بھی ملے گی اس لئے کہ غنیمت کے حصول میں اس کا بھی دخل ہے، اسی طرح بیت المال میں فئی کا جو مال آئے گا وہ بھی دور اور قریب دونوں جگہ کے لشکریوں کو ملے گا، خواہ اسے قریب والوں ہی نے کیوں نہ حاصل کیا ہو۔

آپؐ نے نجران وایلہ کے نصرانیوں سے جو عرب تھے اور دومۃ والوں سے جن میں اکثر عرب تھے، جزیہ لیا، اسی طرح یمن کے یہودیوں اور مجوسیوں سے بھی لیا، لیکن عرب کے مشرکین سے جزیہ لینا ثابت نہیں۔ امام احمد و شافعی کا قول ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوسیوں سے لیا جائیگا۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ تمام قوموں سے لیا جائیگا، اہل کتاب سے قرآن کے سبب اور مجوسیوں سے سنت کے سبب، اور دوسرے انھیں کے ساتھ شریک کئے جائیں گے کیوں کہ مجوسی مشرک ہیں، ان کے پاس کتاب نہیں، تو جب ان سے جزیہ لیا جائیگا تو یہ دلیل ہوگا تمام مشرکین سے لینے کی، البتہ آپؐ نے عرب کے مشرکین سے اس لئے نہیں لیا تھا کہ وہ جزیہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہو گئے تھے، اور ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ بُت پرستوں کا کفر مجوسیوں کے کفر سے سخت ہے، بلکہ مجوسیوں کا ہی کفر زیادہ سخت ہے اس لئے کہ بُت پرست تو توحید ربوبیت کے اقراری تھے اور یہ کہتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، لیکن اپنے معبودوں کی عبادت وہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل ہوگا، اسی طرح یہ لوگ عالم کے دو خدا نہیں مانتے تھے، نہ ماؤں، لڑکیوں اور بہنوں کے ساتھ نکاح حلال سمجھتے تھے، بلکہ یہ حضرت ابراہیمؑ کے دین کی باقیماندہ باتوں پر

قائم تھے اور حضرت ابراہیم کے پاس صحیفے اور شریعت تھی، لیکن مجوسیوں کے متعلق یہ مذکور نہیں کہ کسی نبی کی شریعت پر ان کا عمل تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ہجر اور دوسرے بادشاہوں کے پاس خط لکھ کر انھیں اسلام کی دعوت دی یا پھر جزیہ کا مطالبہ کیا، اس میں عرب اور غیر عرب کی کوئی تفریق نہیں تھی۔

آپؐ نے حضرت معاذ کو یہ حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی قیمت کا معافری کپڑا لیں، یہ یمن کا ایک قسم کا کپڑا ہوتا ہے، پھر حضرت عمر نے اس میں اضافہ کر کے سونے والوں پر سال میں چار دینار اور چاندی والوں پر سال میں چالیس درہم کر دیا، یہ فرق اس لئے ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل یمن کی کمزوری کا علم تھا، اور حضرت عمر شام والوں کی مالداری سے واقف تھے

یہ بھی ثابت ہے کہ معاہدہ ختم کئے بغیر آپؐ نے قریش کے ساتھ جنگ کو جائز قرار دیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے حلیفوں نے آپؐ کے حلیفوں کے ساتھ زیادتی اور بیوفائی کی تھی اور قریش کے لوگ خاموش تماشائی بنے رہے، ایسی صورت میں آپؐ نے معاونین کو محاربین کے درجہ میں رکھ کر قریش پر چڑھائی کی تھی۔

۹۰۔ فصل

نکاح اور اس کے متعلقات کے احکام

یہ ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شادی شدہ عورت کا نکاح رَد کر دیا تھا جس کے باپ نے زبردستی اس کا نکاح کر دیا تھا اور عورت راضی نہ تھی۔

سنن میں مذکور ہے کہ آپؐ نے اس کنواری عورت کو اختیار دیا جس کے باپ نے

اس کی مرضی کے بغیر شادی کر دی تھی ۔ حدیث میں وارد ہے کہ کنواری عورت کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگا، اور اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے ۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ یتیم لڑکی سے بھی پوچھا جائیگا ۔ اور یہ بھی فرمایا کہ "بلوغت کے بعد یتیمی کا اعتبار نہیں"۔ اس سے یہ ثابت ہے کہ یتیم عورت کا نکاح جائز ہے، اسی کا قرآن سے بھی پتہ چلتا ہے ۔

سنن میں آپؐ سے مروی ہے کہ بغیر ولی نکاح نہیں ہو سکتا ۔ اسی میں یہ بھی مروی ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہ کرے، اس لئے کہ خود اپنا نکاح کرنے والی عورت زناکار ہے آپؐ نے یہ بھی حکم فرمایا کہ جب کسی عورت کی دو ولی شادی کر دیں تو پہلے ولی کی شادی کا اعتبار ہوگا ۔

یہ بھی ثابت ہے کہ آپؐ نے ایسے شخص کے بارے میں جس نے شادی کی تھی اور مہر مقرر نہیں کی تھی نہ صحبت کی تھی اور مر گیا تھا یہ فیصلہ فرمایا کہ اس کو اس کے خاندان کی عورتوں کے برابر مہر ملے گا، کوئی کمی زیادتی نہیں، اسے میراث بھی ملے گی اور چار مہینہ دس دن عدت گذارنی ہوگی ۔

ترمذی میں مذکور ہے کہ آپؐ نے ایک شخص سے فرمایا کہ "تب میں فلاں عورت سے تمہاری شادی کر دیتا ہوں"، اس نے کہا "ہاں"۔ اور عورت سے آپؐ نے فرمایا کہ "کیا تم پسند کرتی ہو کہ فلاں مرد سے میں تمہاری شادی کر دوں؟" اس نے کہا "ہاں"۔ پھر آپؐ نے ان کی شادی کر دی اور مرد نے رخصتی کرالی لیکن مہر مقرر نہیں کیا نہ عورت کو کچھ دیا، جب مرد کی موت کا وقت آیا تو عورت کو خیبر میں اس کا حصہ دے دیا ۔

ان احکام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بغیر مہر مقرر کئے نکاح جائز ہے، اور مہر مقرر کئے بغیر صحبت جائز ہے، اور مہر مثل کا ثبوت موت سے بھی ہوگا خواہ دخول نہ ہوا اور وفات کی عدت ضروری ہوگی اگرچہ دخول نہ ہوا ہو، اسی کو ابن مسعودؓ اور عراق والوں نے

اختیار کیا ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ طرفین کے عقد کا ولی آدمی بن سکتا ہے، صرف یہ کہنا کافی ہوگا کہ میں نے فلاں مرد کی فلاں عورت سے شادی کر دی۔

آپؐ نے چار سے زائد بیویوں والے اشخاص میں سے مسلمان ہونے والوں کو یہ حکم فرمایا کہ ان میں سے چار کو اختیار کر کے بقیہ کو طلاق دے دیں۔ اسی طرح جن کے عقد میں دو بہنیں تھیں انھیں آپؐ نے یہ حکم فرمایا کہ ایک کو طلاق دے دیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ کفار کا نکاح صحیح ہے، اور مرد کو پہلی یا بعد کی کسی بھی بیوی کو اختیار کرنے کا حق حاصل ہے، یہی جمہور کا قول ہے۔ امام ترمذی نے ذیل کی یہ حدیث ذکر کر کے اس کی تحسین کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا "بندہ اگر اپنے آقا کی اجازت کے بغیر شادی کر لے تو وہ زانی ہے۔ انتہیٰ۔

واللہ اعلم واحکم، والحمد للہ رب العلمین

MUKHTASAR

ZADUL-MAAD

(IMAM IBNE QAYYEM AL-JAUZI)

قرآن مجید احادیث فتاوے اور

ہر قسم کی دینی کتابوں کی طباعت و اشاعت کا عظیم مرکز

PUBLISHERS:
AL-DARUSSALAFIAH
HAMID BUILDING, M. A. ROAD,
MOMINPURA, BOMBAY-400 011